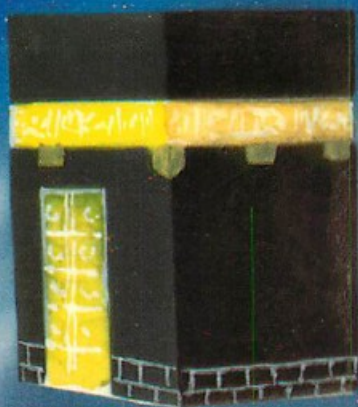


وَاتَّبِعُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ



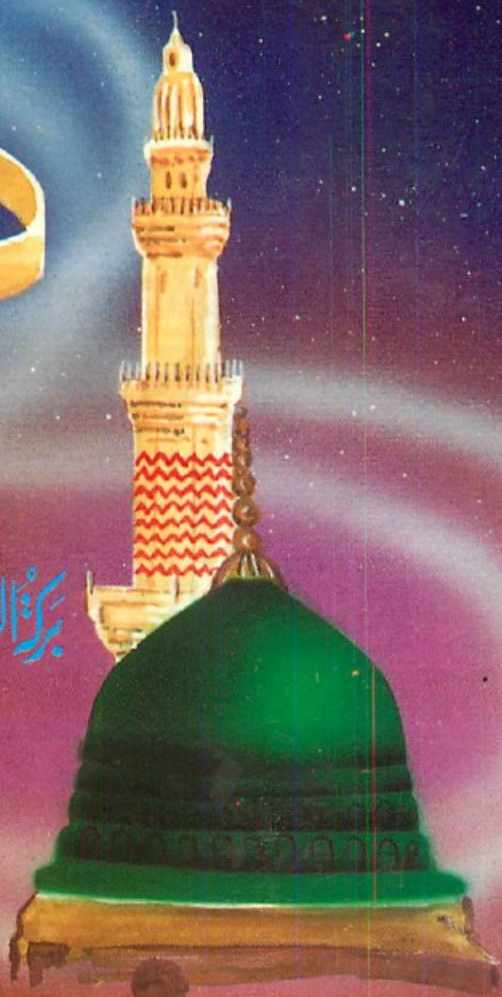
حَجَّ الزُّوَادِ عُمَرَاءُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تأليف

بِرَّكَاتِ الْعَصْرِ حَضْرَتِ الْحَاجِّ الْخَافِضِ مَوْلَانَا مُحَمَّدُ زَكْرِيَّا كَانْدَهْلَوِي شَمْسُ الدِّينِ

ترجمہ

مولانا محمد رؤف سیف لدھیانوی



ناشر

مَعْمَدُ الْخَلِيلِ لَاسْمَعَلَا

۴۴۵/۳ بہادر آباد، کراچی، پاکستان

وَاتَّبَعُوا الْحُجَّةَ وَالْغَيْثَ لِلَّهِ

حَجَّةُ الْوَدَاعِ

عُمَرُ الشَّيْبِي

تأليف

برکتہ اعظمیہ الحافظ الحاج مولانا محمد زکریا کاندھلوی ثم المدنی

ترجمہ

مولانا محمد یوسف لدھیانوی

ناشر

مِغْنَمَةُ الْخَلِيلِ الْإِسْلَامِيِّ

۳۳۵/۳ ، بہادر آباد، سرکاری پاکستان

ملنے کے پتے

- ① اسلامی کُتب خانہ — علامہ بنوری ٹاؤن - کراچی
- ② درخواستی کُتب خانہ — علامہ بنوری ٹاؤن - کراچی
- ③ کُتب خانہ مظہری — گلشن اقبال - کراچی
- ④ مولانا اقبال نعمانی — آفیسرز کالونی گارڈن روڈ - کراچی
- ⑤ مکتبۃ الشیخؒ ۳۶۷/۳ بہادر آباد - کراچی
- ⑥ مکتبہ سید احمد شہید - اُردو بازار - لاہور

فہرست مضامین سالہ حجۃ الوداع

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	سبب تالیف	۱۴	۲۲	قارن پر دو طواف اور دو تہرہ سی لازم ہے	۳۱
۲	آنحضرتؐ نے کتنے حج کیے؟	۱۵	۲۳	آنحضرتؐ کے احرام میں چھ قول	۳۲
۳	آنحضرتؐ کے لودہ حج کا احرام	۱۶	۲۴	حج پر عمو کا احرام باندھنے کا حکم	۳۴
۴	شرکائے حجۃ الوداع کی تعداد	۱۷	۲۵	افراد و تنہا کی روایات کا جواب	۳۴
۵	حج کس سال فرض ہوا؟	۱۶	۲۶	تہرہ کا حکم اور وقت	۳۵
۶	مدینہ سے روانگی: تاریخی وقت اور دن	۱۸	۲۷	حدیث تہرہ اور حدیث اشعث میں تطبیق	۳۶
۷	مدینہ سے نکل جانے کے راستے	۱۹	۲۸	آنحضرتؐ نے کس وقت احرام باندھا	۳۷
۸	داؤی عقیق میں فرشتہ کی آمد	۲۰	۲۹	مقبور کا بعد حج میں سوار ہونا اور ساتے میں	۴۰
۹	غسل احرام اور اس کا حکم	۲۱		جھٹٹا جاز نہیں؟	
۱۰	احرام کے لیے خوشبو لگانا	۲۲	۳۰	آنحضرتؐ نے صحابہ کو تینوں مساک کا اقتدار دیا	۴۱
۱۱	دو گانہ احرام کا حکم	۲۳	۳۱	مقبورین الی بکرہ کی ولادت	۴۱
۱۲	تہرہ کے حکم میں اختلاف	۲۴	۳۱	حائضہ کا احرام کے لیے غسل کرنا	۴۱
۱۳	میقات سے پہلے احرام باندھنے کا حکم	۲۵	۳۲	تہرہ کے الفاظ زبان سے کہنا ضروری ہے یا نہیں؟	۴۲
۱۴	آنحضرتؐ نے کس جگہ سے تہرہ شروع کیا	۲۵	۳۳	تہرہ کے الفاظ اور ان میں کمی بیشی کا حکم	۴۲
۱۵	ہری کو قلاوہ پہننے کا حکم	۲۵	۳۴	آنحضرتؐ کا موضع خلیل میں پہننے لگانا	۴۳
۱۶	ہری کے اشار کا حکم	۲۶	۳۵	غرم کے لیے پہننے لگانا جائز ہے یا نہیں؟	۴۳
۱۷	محل اشعار میں اختلاف	۲۷	۳۶	دوسری منزل دھار	۴۴
۱۸	میقات سے ہری ساتھ لے جانا	۲۷	۳۷	تیسری منزل اناب	۴۵
۱۹	آنحضرتؐ قارن تھے، اس کے دلیل	۲۸	۳۸	زخمی برن کا وائد	۴۶
۲۰	حج کی تین اقسام سے کرن ہی قسم افضل ہے	۲۸	۳۹	غرم کا شکار حرام ہے	۴۶
۲۱	آنحضرتؐ کے حج کی نوعیت میں اختلاف	۳۰	۴۰	نہجی جبل میں سبیل لگانا	۴۷

صفحہ	مضمون	نمبر شمار	صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۶۷	آنحضرت کا اعلیٰ مندرجہ سے داخل ہونا	۶۳	۴۸	چوتھی منزل : الحرج	۴۱
۶۷	آپ عمر میں اعلیٰ مندرجہ سے داخل ہوئے یا داخل نہ ہوئے؟	۶۴	۴۸	آنحضرت اور حضرت ابوبکرؓ کا سامان ایک ہی [	۴۲
۶۸	آپ کس دن یحییٰ وائل ہوئے؟	۶۵	۴۹	اوٹنی پر تھا۔	۴۳
۶۸	بیت اقدس شریف کو دیکھنے کے وقت ہاتھ اٹھانا۔	۶۶	۵۰	حضرت ابوبکرؓ کا قدم کو مارنا	۴۴
۷۰	سجدہ حرام میں تہتہ مسجد کا حکم	۶۷	۵۰	پانچویں منزل : البراء	۴۵
۷۰	حجر اسود کا استلام اور اس کے آداب	۶۸	۵۱	البراء : حضورؐ کی والدہ ماجدہ کا مدفن	۴۶
۷۲	زلی کا حکم	۶۹	۵۱	صعب بن جہاشؓ کا گدھ خرید کرنا	۴۷
۷۳	احتطاب کا حکم	۷۰	۵۲	نحریم کے شکر میں اختلاف	۴۸
۷۳	رکن بیانی کی تقبیل ثابت نہیں	۷۱	۵۲	حضرت صفیہؓ کے اونٹ کا بیمار ہونا	۴۹
۷۴	طواف پیدل کیا جائے یا سولہ پر؟	۷۲	۵۳	آنحضرت کی حضرت زینبؓ سے راضی	۵۰
۷۵	طواف قدم کا حکم	۷۳	۵۳	انجشہ کے لیے حکم نبویؐ : مرویہ سواک بالذکر	۵۱
۷۷	دو گارہ طواف کا حکم	۷۴	۵۵	موضع ہرشی	۵۲
۷۷	طواف کے بعد حجر اسود کا استلام کرنا اور نذر مہینہ	۷۵	۵۵	چھٹی منزل : عسکان	۵۳
۷۸	بارہ صفا سے صفا کی طرف نکلتا	۷۶	۵۸	سراوہ کی جانب سے بیان واضح کی درخواست	۵۴
۷۸	صفا سے سعی کی ابتداء کرنا	۷۷	۵۸	منزل سرف	۵۵
۷۹	سیلین اخضر کی کے درمیان دھڑا	۷۸	۵۹	حضرت عائشہؓ کے حج میں اختلاف	۵۶
۸۰	آنحضرت کی سعی پیدل تھی یا سولہ پر؟	۷۹	۶۰	حضرت عائشہؓ نے عمر فارحؓ کو دیا تھا : [	۵۷
۸۱	ابن خزم کا دھم	۸۰	۶۱	خضیر کے دلائل	۵۸
۸۱	آنحضرت کا طواف سولہ پر تھا یا پیدل؟	۸۱	۶۲	حضرت عائشہؓ کے طہر کے حج میں اختلاف	۵۹
۸۱	سعی کے متعلق تین بیشیں	۸۲	۶۲	موضع سرف میں صحابہ کو حج حج کا اختیار دینا	۶۰
۸۲	سعی کے بعد دو گارہ کا حکم	۸۳	۶۲	حج کا احرام فسخ حج کر کے عہد بنالینہ کا حکم	۶۱
۸۲	سعی کا حکم	۸۴	۶۲	ذی طوی میں آپؐ کا نسل ذوالا، اندکرمین نخل ہونا	۶۲
۸۳	فسخ احرام کا قطعی حکم	۸۵	۶۵	ارشاد نبویؐ : کیا میں نبیؐ کو دیکھ رہا ہوں	۶۳
۸۴	ارشاد نبویؐ : لو استقبلت من امری	۸۶	۶۶	مکہ میں دن کو داخل ہونا منبر پہنچے یا رات کو؟	۶۴

صفحہ	مضمون	نمبر شمار	صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۹۶	حق کرنے والوں کے لیے تین بار دعا	۸۵	۱۰۹	دعوت عرفات پیدل ہر ساری پر؟	۹۶
۸۸	حضرت معاویہؓ کی روایت کہ انھوں نے مردو پر آنحضرتؐ کا حجر کیا تھا۔	۸۵	۱۱۰	آنحضرتؐ کا خطبہ عرفات	۹۷
۸۹	ارشاد نبویؐ: جموع میں داخل ہو گیا کا مطلب	۸۷	۱۱۱	میدان عرفات میں ساری پر آپؐ کا وعدہ نوشِ فدا	۹۷
۹۰	ان صحابہؓ کے ہم جنھوں نے احرام نہیں کھلا	۸۷	۱۱۲	حاجی کے لیے عرفہ کے روز کے احکم	۹۸
۹۱	یہی سے حضرت علیؓ کی آمد	۸۸	۱۱۳	عرفات کا خطبہ ایک سہنہ یاد؟	۹۸
۹۲	احرامِ بیہم و متعلق	۸۸	۱۱۴	عرفات میں اذان و اقامت کی تعداد میں اختلاف	۹۹
۹۳	حضرت علیؓ کا حضرت فاطمہؓ سے ناراض ہونا	۸۹	۱۱۵	عرفات میں قہرِ احد حج کے سبب میں اختلاف	۱۰۱
۹۴	آنحضرتؐ کا حق سے ابر قیام کرنا	۸۹	۱۱۶	آنحضرتؐ کا دعوت عرفات	۱۰۳
۹۵	حضرت شہد کی حیادت و وصیت	۹۰	۱۱۷	حج و قرب عرفہ کا نام ہے	۱۰۳
۹۶	حدیثِ قطبیہ	۹۰	۱۱۸	دعوت عرفہ بالا جماع کر گئے ہیں	۱۰۳
۹۷	کیا ان چاروں میں آنحضرتؐ کو قرب کبر کے لیے تشریف لے گئے تھے؟	۹۰	۱۱۹	دعوت عرفہ کا وقت	۱۰۳
۹۸	باب کبر کے پس آپؐ کا خطبہ	۹۱	۱۲۰	عرفات کے علاوہ کبھی اور جگہ عرفہ نہا	۱۰۴
۹۹	خطبات حج میں اشعار	۹۲	۱۲۱	ہمیں حق تلفیوں کے سراسر میں دلائے مغفرت	۱۰۵
۱۰۰	منیٰ کو روانگی	۹۲	۱۲۲	عرفات میں ایک حاجی کا انتقال	۱۰۵
۱۰۱	الطبع سے احرام باندھنا	۹۲	۱۲۳	سرت کے بعد احرام باقی رہتا ہے یا نہیں؟	۱۰۵
۱۰۲	سورۃ الرسلات کا نزول	۹۳	۱۲۴	آیت: الیوم اکملت لکم دینکم کا نزول	۱۰۶
۱۰۳	عمرہ کے حج کی فضیلت	۹۳	۱۲۵	اس آیت کے نازل ہونے پر حضرت عمرؓ کا رد	۱۰۸
۱۰۴	منیٰ سے عرفات کو روانگی	۹۴	۱۲۶	عرفات سے روانگی کا وقت	۱۰۸
۱۰۵	عش کا عرفات نہ ہونا	۹۴	۱۲۷	غروبِ پہلے عرفات سے چلنا	۱۰۸
۱۰۶	صفت کاراستہ	۹۴	۱۲۸	نزدانہ پہنچنے سے پہلے مغرب کی نماز پڑھنے کا حکم	۱۰۹
۱۰۷	نذرۃ عرفات میں داخل ہونا نہیں؟	۹۵	۱۲۹	نارین کاراستہ	۱۰۹
۱۰۸	بعض عرفہ عرفات میں داخل ہے یا نہیں؟	۹۶	۱۳۰	ارشاد نبویؐ: علیکم السکینۃ	۱۱۰
			۱۳۱	اٹھائے راہ میں پیش کیے لیے اُڑنا اور وحشیوں میں	۱۱۰

صفحہ	مضمون	نمبر شمار	صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۱۳۰	کبھی شخص کی طرف سے حج بدل جائز ہے یا نہیں؟	۱۵۳		تقاضی کا حل	
۱۳۰	مرد و عورت کا ایک دوسرے کی جانب سے حج بدل صحیح ہے یا نہیں؟	۱۵۴	۱۱۲	آپ زرم سے وضو	۱۳۶
۱۳۱	حج بدل کے متعلق دس بحثیں	۱۵۵	۱۱۳	مزولہ پہننا اور مزولہ کی وجہ تسمیہ	۱۳۷
۱۳۲	ایک شخص کا اپنی والدہ کے بارے میں سوال کرنا	۱۵۶	۱۱۴	آنحضرت نے مغرب کے بعد کھانا	۱۳۸
۱۳۳	بہنیں فخر میں سواری کو تیز کرنا	۱۵۷		تناول فرمایا یا نہیں؟	
۱۳۳	مشرک کی وجہ تسمیہ	۱۵۸	۱۱۵	مروافہ میں اذان و اقامت کی تعداد میں اختلاف	۱۳۵
۱۳۵	جرہ عقبہ کے پاس آنحضرت کس جگہ کھڑے ہوئے	۱۵۹		آپ نے مغرب عشاء کے درمیان نوافل	۱۳۶
۱۳۵	ری کا حکم	۱۶۰	۱۱۶	نہیں پڑھے اذان کے بعد	
۱۳۶	ری پیدل برید سواری پر؟	۱۶۱	۱۱۷	مزولہ میں حبس بین الصلواتین کا سبب	۱۳۷
۱۳۷	جرہ کے پاس سے اٹھائی ہوئی لنگریاں رکھ کر	۱۶۲	۱۱۸	کیا مزولہ کی رات آپ نے تہجد پڑھی؟	۱۳۸
۱۳۸	ری کے متعلق سات بحثیں	۱۶۳	۱۱۹	خضارہ کو مٹی کی طرف جلدی جانے کی اجازت	۱۳۹
۱۳۹	ساتوں لنگریاں ایک ہی بازو پھینک دینے کا حکم	۱۶۴	۱۲۰	خضارہ سے کون لوگ مراد ہیں	۱۴۰
۱۳۹	ری کی بجائے صوف بکیر کرنا	۱۶۵	۱۲۱	ان کے جاننے کا وقت	۱۴۱
۱۴۱	حاجی قبیلہ کب بند کرے؟	۱۶۶	۱۲۲	مزولہ میں شب گزاری اور وقت میں اختلاف	۱۴۲
۱۴۱	خطبہ یوم نحر	۱۶۷	۱۲۳	یوم نحر کی ری کا وقت	۱۴۳
۱۴۳	سورۃ النصر کا نزول	۱۶۸	۱۲۴	کیا مزولہ کی رات حضرت اہم سورہ کی پڑھی تھی؟	۱۴۴
۱۴۴	خطبہ نحر پڑھنا یا اذان پڑھنا؟	۱۶۹	۱۲۵	باجی حقوق کے بارے میں آپ کی دعا کا قبول ہونا	۱۴۵
۱۴۵	حضرت عائشہ کا ترجمانی کرنا	۱۷۰	۱۲۶	حج سے گناہوں کی مغفرت	۱۴۶
۱۴۷	جرۃ الوداع کی وجہ تسمیہ اور دیگر نام	۱۷۱	۱۲۷	ارشاد نبوی: جو شخص ہماری اس نماز میں حاضر ہوگا	۱۴۷
۱۴۹	ارشاد نبوی: "شاید میں تمہیں اس سال کے بعد نہیں دیکھوں گا"	۱۷۲	۱۲۸	طلوع آفتاب سے قبل مزولہ سے چلنا	۱۴۸
۱۵۰	ارشاد نبوی: "کوئی حج نہیں، اب کرلو"	۱۷۳	۱۲۹	شیر منگو کے پنج پہاڑوں کا نام	۱۴۹
۱۵۰	یوم نحر کے چار افعال میں تقدیم و تاخیر کے مباحث	۱۷۴		ابن عباسؓ کا راستہ سے لنگریاں اٹھانا	۱۵۰
			۱۲۸	قبیلہ خثعم کی ایک خانہ کا سوال	۱۵۱
			۱۲۹	جو شخص خود راہ نہ جو اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟	۱۵۲

نمبر شمار	صفحہ	مضمون	نمبر شمار	صفحہ	مضمون
۱۷۵	۱۵۳	ماجرین و انصار کے لیے منازل کی تعیین	۱۹۷	۱۵۳	جی حضرات کو آپ کے ساتھ سزا ہونے کا
۱۷۶	۱۵۶	آنحضرت کی قربان گاہ	۱۹۸	۱۵۶	شرف حاصل ہوا، ان کے کاموں کی فہرست
۱۷۷	۱۵۶	آنحضرت نے کتنے اونٹ خود ذبح کیے	۱۹۸	۱۵۶	طواف افانہ
۱۷۸	۱۵۸	سات اونٹوں کی وجہ تخصیص	۱۹۹	۱۵۸	آنحضرت کی ناقہ مسجد میں بول و براؤ سے منظر دہی
۱۷۹	۱۵۹	قربانی کی جھل اور کھال کے صدقہ کا حکم	۲۰۰	۱۵۹	کیا آپ نے طواف افانہ کے بعد بھی کی تھی؟
۱۸۰	۱۵۹	قتاب کو اس میں سے اجرت نہ دی جائے	۲۰۱	۱۵۹	کیا آپ نے طواف افانہ رات تک مکرر کیا تھا؟
۱۸۱	۱۵۹	آنحضرت نے شرب زارش فرمایا	۲۰۲	۱۵۹	طواف افانہ کے بعد زہرم پر تشریف لانا
۱۸۲	۱۵۹	ہی کے کن کن جانوروں کا گوشت کھانا ناجائز ہے	۲۰۳	۱۵۹	کھڑے ہو کر پرانی پسینا
۱۸۳	۱۶۰	کیا جزداء میں ابو جہل کا اونٹ خر کیا گیا؟	۲۰۴	۱۶۰	آب زہرم کی فضیلت
۱۸۴	۱۶۱	ازواج مطہرات کی طرف سے لائے ذبح کرنا	۲۰۵	۱۶۱	آنحضرت نے یوم نحر کی خبر تکہ میں نہ بھی دیکھی تھی؟
۱۸۵	۱۶۳	نحر کی جگہ ذبح اور ذبح کی جگہ نحر	۲۰۶	۱۶۳	حضرت اُم سلمہؓ کا رات کو طواف کرنا
۱۸۶	۱۶۳	ہی میں اشتراک کا حکم			
۱۸۷	۱۶۳	جزداء میں آپ نے بکری بھی ذبح کی تھیں؟	۲۰۷	۱۶۳	ایام مہنی کی راتیں مہنی میں گزارنے کا حکم
۱۸۸	۱۶۶	کیا ساء اور دھاجی کے ذبح قربانی واجب ہے؟	۲۰۸	۱۶۶	ایام تشریق کی رمی کا وقت
۱۸۹	۱۶۶	اونٹ اور گائے میں مصائب کا اشتراک	۲۰۹	۱۶۶	ودجوں کے پاس دُعا میں اُتارنا
۱۹۰	۱۶۶	حلاق کے نام میں اختلاف	۲۱۰	۱۶۶	کیا تینوں جہرات کی رمی میں ترتیب واجب ہے؟
۱۹۱	۱۶۷	سوائے مبارک کی تقسیم	۲۱۱	۱۶۷	جزداء عقبہ کے پاس زہرم سے
۱۹۲	۱۶۹	آپ کے پسینہ مبارک کی خوشبو	۲۱۲	۱۶۹	آنحضرت زہرم سے پھلے دی کرتے تھے یا نہیں؟
۱۹۳	۱۶۹	سوائے مبارک کی تقسیم کی حکمت اور اہل طہارہ	۲۱۳	۱۶۹	مہنی کی راتوں میں ہر رات کتنا
		کی وجہ تخصیص	۲۱۴	۱۶۹	وسط ایام تشریق کا خطبہ
۱۹۴		حق نسک ہے یا صرف مجموعہ اشتراک	۲۱۵		آنحضرت کا قرب وصال کو محسوس فرمنا
		مباح کرنے کا ذریعہ	۲۱۶	۱۷۰	حضرت عباسؓ کا نکتہ میں رہنے کا اجازت مانگنا
		آپ کے انحراف کی تقسیم	۲۱۷	۱۷۰	اونٹوں کے چرواہوں کا اجازت مانگنا
۱۹۵	۱۷۱	طواف افانہ کے لیے تشریف لے جانا	۲۱۸	۱۷۱	کیا یہ اجازت تمام مسندوں کو شامل ہے؟

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۲۰۲	قبولیت دہا کے مقام	۱۲۲	۱۹۹	چرواہوں کو دودھ کی دہی جمع کرنے کی اجازت
۲۰۷	غذابرج کھیں پھیلاؤ پر دل کھڑے؟	۲۳۳	۱۹۹	آنحضرت نے آیام تشریق کتیسرے دن [
۲۰۳	گدڑی کے راستہ سے واپسی	۲۳۴		کی دہی بھی فراہمی۔
۲۰۳	راستہ بدلنے کی حکمت	۲۳۵	۱۹۰	سختی سے غضب کر دہانگی
۲۰۴	آپ روزم کا ساتھ دے جانے	۲۳۶	۱۹۱	غضب میں اڑنا سنت ہے یا نہیں؟
۲۰۵	خطبہ غدیر خم	۲۳۷	۱۹۳	غضب میں چار نمازوں کا استحباب
۲۱۱	بچے کے حج کے مسائل	۲۳۸	۱۹۳	حضور کا طواف و دعا کرنا
۲۱۲	بطحہ میں رات گزارنا	۲۳۹	۱۹۴	حضرت صفیہ کی ماہراری کا قصہ
۲۱۳	مدینہ میں براہ مغربس واحد	۲۴۰	۱۹۵	حیض و نفاس والی عورتوں کے طواف و دعا کا حکم
۲۱۳	جبل اُحد سے محبت	۲۴۱	۱۹۵	حضرت عائشہ کا عمرہ تنہیم
۲۱۴	مدینہ میں داخل ہونے کی دعا	۲۴۲		کیا آنحضرت حجۃ الوداع میں بیت اللہ [
۲۱۵	اہم مسئلہ کے تقدیم و تاخیر کا اہتمام	۲۴۳	۱۹۸	کے اندر داخل ہونے؟
۲۱۶	رمضان کا عمرہ حج کے برابر ہے	۲۴۴	۲۰۰	العمرۃ الوثقی
۲۱۸	غائرہ رسالہ	۲۴۵	۲۰۰	دُنیاء کی ذات
			۲۰۰	مقترم پر کھڑے ہونا

سوالہ عملیاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۲۲۵	چرخہ فائدہ : آنحضرت کے عہدوں کی تعداد	۵	۲۲۱	سبب تالیف	۱
۲۲۶	فصل دوم : عمرہ حدیبیہ		۲۲۲	فصل اول : چند نکتہ	
۲۲۷	حدیبیہ کا کچھ حصہ حرم میں داخل ہے	۶	۲۲۲	پہلا فائدہ : عمرہ کے لغوی و اصطلاحی معنی	۲
۲۲۸	عمرہ حدیبیہ کا سبب	۷	۲۲۳	دوسرا فائدہ : عمرہ کے حکم میں	۳
۲۳۰	مدینہ طیبہ سے روانگی	۸	۲۲۴	تیسرا فائدہ : میکار عمرہ کے حکم میں	۴

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۶۴	صلح نامہ کے شرائط	۲۳۰	۲۳۰	۹	میراٹے حدیث کی تعداد
۲۶۶	کیا اب بھی ایسی شرائط صلح ہو سکتی ہے؟	۲۳۲	۱۳۲	۱۰	ابو جہل کے اونٹ کا قصہ
۲۶۶	ابو جہل کی آمد	۲۳۵	۱۳۴	۱۱	قدح الحلیفہ سے جاموں بھینا
۲۸۰	صلح سے قبل دو فلاں کی آمد	۲۳۵	۱۳۵	۱۲	حضور اہل قادیانہ کی آمد اور جاسوس کی واپسی
۲۸۰	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اضطراب	۲۳۶	۱۳۶	۱۳	آپ کو روکنے کے بارے میں شرکیہ کا مشورہ
۲۸۳	صلح نامہ کا متن اور دو صفحات	۲۳۶	۱۳۶	۱۴	جاسوس کے لیے خالد کے حکم کی آمد
۲۸۴	صلح نامہ کے گواہ	۲۳۸	۱۳۸	۱۵	مسلحہ خوف کا نازل
۲۸۶	رحم اللہ علیہم	۲۴۰	۱۴۰	۱۶	خزاعی جاسوس کی واپسی
۲۸۸	کتنی مدت حدیبیہ میں قیام رہا؟	۲۴۱	۱۴۱	۱۷	جنگ کے بارے میں آپ کا صحابہ کے مشورہ
۲۸۸	احصاء کے بارے میں فقہی مباحث	۲۴۲	۱۴۲	۱۸	قد قطع اللہ عینا کا مطلب
۲۸۸	سورۃ الفتح کا نزول	۲۴۳	۱۴۳	۱۹	اونٹنی کے بٹنیے کا واقعہ
۲۹۱	ابو بصیر کی آمد	۲۴۵	۱۴۵	۲۰	بانی میں برکت کا بخیر
۲۹۶	ابو جہل وغیرہ کا ابو بصیر کے پس منحنی جانا	۲۴۸	۱۴۸	۲۱	اصح مومن بی وکافر بالکوکاب
۲۹۸	دربار نبوی میں اونٹ کی شکایت	۲۴۸	۱۴۸	۲۲	آیت نذیہ اذی کا نزول
۳۰۰	تیسری فصل: عمرۃ القطار	۲۴۹	۱۴۹	۲۳	بدلی کی آمد
۳۰۱	مختصر پر قضا واجب بنے یا نہیں؟	۲۵۲	۱۵۲	۲۴	عروہ کی آمد
۳۰۲	عمرۃ قضا کے لیے آنحضرت کی دعاگی	۲۶۱	۱۶۱	۲۵	کنافہ کی آمد
۳۰۲	بدلی کے اونٹ پر بڑی ہتھیاری کا فقرہ	۲۶۳	۱۶۳	۲۶	حضرت عثمان کو تنگ بھینا
۳۰۲	بدلی یا بیچ میں ہتھیار بیچ دینا	۲۶۴	۱۶۴	۲۷	بیت رضوان
۳۰۳	موضع شرف میں حضرت میرٹھ سے نکاح	۲۶۶	۱۶۶	۲۸	مکڑ کی آمد
۳۰۴	احولہ کی حالت میں نکلنے کا حکم	۲۶۶	۱۶۶	۲۹	سیل کی آمد
۳۰۶	آنحضرت کا منگہ میں داخلہ اور قریش کا فرار	۲۶۸	۱۶۸	۳۰	غزوہ فتح کا سبب
۳۰۶	ایسی دو لوگوں کے اشارہ	۲۶۹	۱۶۹	۳۱	کتنی مدت تک کافلوں سے صلح جاری رہی
۳۰۸		۲۷۰	۱۷۰	۳۲	صلح نامہ کی تحریر

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۲۳	حضرت معاذؓ کی حدیث کہ اعراسی نے مردہ کے پس آپ کا قصہ کیا	۹۱	۳۱۰	زل اور اشیاء کا آغاز اور اس کا سبب	۴۵
۳۲۳	اصبح بالجعرانہ کبابت	۹۲	۳۱۲	آنحضرتؐ عمرہ الفضل میں کعبہ کا اندہ داخل نہیں ہوئے	۴۶
۳۲۳	جبرائیل سے کچھ	۹۳	۳۱۲	کعبہ کی حجت پر حضرت ہال کی اذان فتح مکہ میں ہوئی	۴۷
۳۲۳	جامع الطرق طریق المدینہ کا مطلب	۹۴	۳۱۴	حضرت میرٹھ کی رخصتی اور ولیدہ کا ارادہ فرما [اور تشریش کا انکار	۴۸
۳۲۴	عسب بن اسید کہ مکہ کا حکم مقرر فرما	۹۵	۳۱۵	اطح میں قیام	۴۹
۳۲۴	مدینہ طیبہ واپسی	۹۶	۳۱۶	مدینہ کی طرف واپسی	۵۰
۳۲۵	حضرت ابن عمرؓ کا عمرہ جواز سے انکار	۹۷	۳۱۶	حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی آپ کے پیچھے آئی	۵۱
۳۲۶	پانچویں فصل : سفوفات		۳۱۷	خالد، مان کی مثل ہے	۵۲
۳۲۶	عمرہ رجب	۹۸	۳۱۷	سرمعہ قرب میں حضرت میرٹھ کی وفات ہوئی	۵۳
۳۲۸	عمرہ شوال	۹۹	۳۱۹	پہنچو تھی فضل : عمرہ جواز	
۳۲۹	عمرہ رمضان	۱۰۰	۳۱۹	جبرائیل کا ضبط حرکات	۵۴
۳۳۰	فوائد		۳۱۹	فتح مکہ کے لیے روانگی کا سبب	۵۵
۳۴۰	(۱) عمرہ کے لیے جبل کی طرف نکل جانا	۱۰۱	۳۱۹	خنین کر دہاگی	۵۶
۳۴۲	(۲) احرام عمرہ کے لیے افضل مقامات	۱۰۲	۳۲۰	جبرائیل میں تقسیم خاتم	۵۷
۳۴۳	(۳) حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا	۱۰۳	۳۲۱	وقفہ ہراتوں کی آمد	۵۸
۳۴۴	خاتمہ رسالہ	۱۰۴	۳۲۱	عمرہ جواز کا احرام باذنہا	۵۹
			۳۲۱	عمرہ شوال کا محل عمرہ جواز ہے	۶۰

تقدیم

از: شیخ الاسلام حضرت العلامة مولانا سید محمد یوسف تبوری مدظلہم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله وكفى وسلا على عباده الذين اصطفى، اما بعد

عبادت میں فیضِ حج بیت اللہ الحرام ایک عجیب و غریب عبادت ہے، حج کیا ہے؟ بارگاہِ قدس کی تجلیات کا ایک نوع پر نور
نظارہ ہے، ایک مہربن قانت اپنی استعداد کے مطابق اس مرکزِ تجلیات سے اپنا حصہ وصول کرتا ہے۔ اس منبعِ انوار کے جلوں سے قربانی
پاتا ہے اور اس سرچشمہ فیضان سے فدا کرتے روحانی کارنامہ دیتا کرتا ہے۔ غسل کر کے اور لباسِ مہربان پہن کر وضوئے محبوب پر مٹھنے کا
عہد (احرام) باندھ لیا ہے اور پھر عاشقانہ دوا بازاں میں نعرۂ توحید بلند کرتا ہے، کبھی حریت کے عالم میں بدھ پائی، صوفی اندازِ عبادت
کے ذریعہ دل مضطر کا سکون و حیرت دیتا ہے اور کبھی دیوانہ وار تلاشیں مہربان میں دیا مہربان کے چکر پر پھرتا ہے۔ صفا، مردہ، مٹی کے مراحل
طے کر کے وادیِ عرفات پہنچ جاتا ہے جہاں حق تعالیٰ کی رحمت کی موسلا دھار بارش ہوتی ہے اور اپنے ظرف و استعداد کے مطابق سیرابی حاصل
کرتا ہے۔ مزدلفہ و مٹی میں نفس و شیطان کے مقابلے کے تمام مراحل طے کر کے اور نعماتِ الہیہ سے رشاد پر کر دیا مہربان کے آخری دیدار سے
سرفراز ہوتا ہے اور دنیا و مافیہ کی سعادتوں سے اٹھال ہر کر وطن پہنچ جاتا ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج — جو فرضیت حج کے بعد ادا فرمایا — مدینہ منورہ سے کیا۔ کس تاریخ کو روانہ ہوئے؟
کب ذوالحلیفہ پہنچے؟ احرام کب ادا کیے؟ بذخا، منازل سفر کیسے طے فرمائیں؟ راستے کی ایک ایک منزل پر کیا کیا واقعات پیش آئے؟ اور
کیا کیا جلیات فرمائیں؟ مرکزِ تجلیاتِ الہی — بیت اللہ — کب پہنچے اور کس انداز میں پہنچے؟ طواف کیسے کیا؟ صفا و مزدلفہ کی کس کیسے
فرمائی؟ مٹی کو روانگی کب ہوئی اور کس شان سے ہوئی؟ مٹی سے عرفات کب ادا کیے؟ پہنچے؟ وقوف عرفات کب سے کب تک رہا؟ کیا کیا
پڑھا؟ کیا کیا اٹھا؟ اور کیسے اٹھا؟ حق تعالیٰ شاذ کی طرف سے کیا کیا بغیر تئیں بریں، عرفات سے مزدلفہ کا سفر کیسے ہوا؟ وہاں کب پہنچے؟
نمازیں کیسے پڑھیں؟ رات کیسے گزاری؟ وہاں کیا کیا کچا کھا؟ کیسے وقوف فرمایا؟ مٹی کے لیے کب روانگی ہوئی؟ وہی حیرت کیسے کی؟ حج کی
قربانی کیسے کی؟ کتنے جانور ذبح کیے؟ اور کیسے کیے؟ ان باتوں کو مردانِ کون کیسے ذکر اللہ میں گزارا؟ وہاں امت کو کیا کیا وصیتیں فرمائیں؟
مٹی سے کب روانگی ہوئی؟ شمشب کس وقت پہنچے؟ وہاں کتنا ٹھہرے؟ بیت اللہ کا آخری دیدار اور آخری ادائیگی طواف کیسے کیا؟ مدینہ منورہ
والہی کب ہوئی؟ سفرِ عیش کے یہ تمام مراحل کتنے عرصے میں طے ہوئے؟ اور حیاتِ مقدسہ کے کتنے ایام باقی تھے؟ حج کے علاوہ عرصے

حجۃ الوداع

حجۃ الوداع کا نام حجۃ الاسلام اور حجۃ البدل بھی ہے، جیسا کہ البدلیہ والہائے میں ہے اور خیمین میں حجۃ التمام بھی ذکر کیا گیا ہے۔ تفصیل خطبہ منیٰ میں آئے گی۔ ان شاء اللہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَامِدًا وَ مُصَلِّيًا وَ مُسَلِّمًا، اَمَّا بَعْدُ:۔ جب میں پہلی مرتبہ مشکوٰۃ شریف کی تدریس میں کتاب الحج پر پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قصہ حجۃ الوداع میں روایات کی کثرت اختلاف نے درطہ غیرت میں ڈال دیا، کیونکہ میرے لئے اس فن شریف کی تدریس کا یہ پہلا موقع تھا۔ اگرچہ زمانہ تعلیم ہی سے یہ روایات موجب خلجان تھیں، کیونکہ ان کے طرق و متون اور ان کے درمیان تطبیق و ترجیح میں شدید اختلاف تھا۔ ان احادیث پر مشائخ نے اگرچہ طویل کلام کیا ہے، چنانچہ نو دہائی کتنے میں کن فاضی عیاضؒ نے کہا ہے کہ:

”ان احادیث پر لوگوں نے بکثرت کلام کیا ہے۔ چنانچہ بعض نے بڑی عمدہ اور مستفادہ بحث کی ہے اور بعض نے تکلف و کوتاہی سے کام لیا ہے۔ بعض نے کثرت کلام سے بحث کو طویل کر دیا ہے اور بعض نے بقدر ضرورت پر اکتفا کیا ہے، اس سلسلہ میں سب سے زیادہ تفصیلی کلام ابو جعفر طحاوی حنفی نے کیا ہے چنانچہ موصوف نے ہزار ورق سے زیادہ میں اس پر بحث کی ہے، ان کے علاوہ ابو جعفر طبری، ابو عبد اللہ بن ابی شفرہ ان کے بھائی مہلب قاضی ابو عبد اللہ بن جریر قاضی ابوالحسن بن قسار بغدادی اور حافظ ابو عمر بن عبد البر وغیرہ نے ان احادیث پر بہت کچھ لکھا ہے۔ نووی کا کلام، معاضاۃ از شرح مواہب زرقانی، ختم ہوا تفصیل اور جز میں ہے۔“

اسی طرح قصہ حجۃ الوداع میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سب سے جامع ہے جن محدثین اور اہل یرس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج مبارک کی تفصیل ذکر کی ہے۔ انہوں نے اسی حدیث کو مدار بنایا ہے اسی بنا پر شیخ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر کی کتاب الحج کے آغاز میں اسی حدیث کو ذکر فرمایا چنانچہ لکھتے ہیں:

”جی چاہا کہ اس رکن رنج کے آغاز میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث طویل سے برکت حاصل کروں، کہ یہ بہت بڑی اصل اور اس باب کی جامع ترین حدیث ہے۔“

اور نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

”یہ ایک عظیم الشان حدیث ہے جو بہت سے فوائد اور نفیس و اہم قواعد پر مشتمل ہے قاضی کہتے ہیں کہ لوگوں نے اس حدیث کے فقہی مسائل پر بکثرت کلام کیا ہے، اور اس حدیث کی شرح میں ابن منذر نے ایک بڑا رسالہ تالیف کیا ہے، اور اس سے ڈیڑھ سو سے زیادہ مسائل اخذ کئے ہیں اور اگر مزید غور و فکر اور بحث و تفتیش سے کام لیا جاتا تو تقریباً اتنے ہی اور مسائل اس سے نکل سکتے تھے۔“

نووی ایک اور جگہ لکھتے ہیں:-

”حجۃ الوداع کی حدیث کو بہترین طریقہ سے روایت کرنے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے سبقت لے گئے ہیں، انہوں نے مدینہ طیبہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی سے لے کر آخر تک حجۃ الوداع کا پورا واقعہ ذکر فرمایا ہے۔“

دہر حال ان احادیث پر متقدمین نے اگرچہ طویل کلام کیا ہے، مگر قصہ حجۃ الوداع پر مشتمل جو کتابیں میرے پاس موجود تھیں ان میں شیخ ابن قیمؒ کی ”زاد المعاد“ سب سے جامع نظر آئی شیخ ابن قیمؒ کے کلام میں واقعہ کی تفصیل اگرچہ موجود تھی مگر ان لوگوں کے لئے جو موصوف کے فقہی مسلک سے متفق نہیں، کچھ زیادہ مفید نہیں تھی، کہ اول تو اس میں ضعیفی مذہب کی تائید ہے، علاوہ ازیں اس میں اخاف کے قول کو دوسروں کے اقوال سے ممتاز نہیں کیا گیا۔ اس لئے جی چاہا کہ زاد المعاد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج مبارک کے بیان کی تلخیص کروں۔ اور اصل قصہ کو اس رسالہ کا متن قرار دوں اور متعلقہ مباحث کو ہر منزلہ کی شرح کے بنادوں۔ نیز حضرات اخاف کے اقوال اور دلائل و مؤیدات بھی ذکر کروں۔ مگر چونکہ مختصر وقت میں قصہ کا استحضار مقصود تھا، اور تمام متعلقہ مباحث کا ذکر اتنی قلیل فرصت میں ممکن نہ تھا اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس قصہ کا خلاصہ بطور متن کے پہلے مرتب کر لیا جائے اور شرح و تعلیق کا اضافہ وقتاً فوقتاً فارغ اوقات میں ہوتا رہے۔ چنانچہ بتاریخ ۲۲ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ شب جمعہ کو مقامی وقت کے مطابق بارہ بجے اس رسالہ کا آغاز کیا۔ واللہ الموفق لکل خیر والمیسر لکل عسر

مصحف ذکر کیا گانہ ہلوئی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

قال الشيخ ابن القيم رحمه الله في هديه صلى الله عليه واله وسلم في حجة
تجربة شيخ ابن قيم فرماتے ہیں: فصل: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ حج کے بیان میں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجوں کی تعداد [و سلم کے طریقہ حج میں] اہل میں تو اختلاف نہیں کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد صرف سنا میں ایک حج کیا۔ یعنی حجة الوداع [اس کو
حجة الوداع کہنا جائز ہے جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے اور آئندہ بھی آئے گا] البتہ اس میں اختلاف
ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے حج کیا یا نہیں؟ - ترمذی شریف میں حضرت جابر
رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین حج کئے دو ہجرت سے پہلے الخ امام ترمذی فرماتے
ہیں: یہ حدیث بروایت سفیان غریب۔ امام بخاری اسے بروایت ثوری نہیں پہچانتے۔ شیخ اکبر ابن
عربی نے اپنی کتاب "محاضرة الابرار ومسامرة الاخيار" میں اسی پر جزم کیا ہے۔ اسی طرح صاحب "سفر السعادة"
نے بھی: چنانچہ وہ فرماتے ہیں: "جمہور علماء اس پڑ میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد صرف
ایک حج کیا۔ اور یہ حجة الوداع کہلاتا ہے۔ اور اس میں اختلاف نہیں کہ یہ سنا میں ہوا ہے۔ باقی رہا
قبل از ہجرت کا سوال؟ سو جامع ترمذی میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از ہجرت دو حج کئے۔ صاحب
المحلی نے نقل کیا ہے کہ آپ نے تین یا چار سے زیادہ حج کئے۔ مگر کوئی تعداد محفوظ نہیں۔"

ابن اثیر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے قبل ہر سال حج کیا کرتے تھے ابن جوزی کہتے ہیں کہ آپ نے
اتنے حج کئے جنکی تعداد اللہ ہی جانتا ہے۔ ابن جوزی کا یہ قول حافظ ابن حجر حافظ عینی قسطلانی نے مواہب میں
زرقانی شامی مواہب اور شامی سفر السعادة نے اسی طرح نقل کیا ہے ابن جوزی کے قول کا مضمون حاکم
نے سفیان ثوری سے بھی روایت کیا ہے۔ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے حج کیا، آپ نے
ہندوستان سے چالیس حج پیدل کئے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے حج نہ کیا ہو،
جیسا کہ "الاتناع" میں ہے۔ اور القبری قاصد المرقی "میں تخریج ازرقی عثمان بن مساح سے نقل کیا ہے، وہ
فرماتے ہیں کہ مجھے سعید نے خبر دی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ستر حج پیدل کئے۔ الحدیث۔

لے حضرت شیخ مظہر نے حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ متن اور شرح میں جہاں عبارت "قال" کے لفظ سے شروع ہوگی وہ حافظ ابن
قیم کی عبارت ہے۔ اور قلت "سے حضرت شیخ مظہر کی اپنی عبارت ہوگی۔ ترجمہ میں "قال" کی جگہ صرف (ق) کی اور قلت کی
جگہ (ش) کی علامت رکھی گئی ہے۔ یعنی ق سے مراد ابن قیم اور ش میں سے مراد حضرت شیخ مظہر۔ (ترجمہ)

رقال، ولما نزل الحج بادر رسول الله صلى الله عليه وسلم اليه رقال، ولما عنزم
صلى الله عليه وسلم اعلم الناس انه حاج

ترجمہ ابن قیم فرماتے ہیں: جب حج کا حکم نازل ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تیاری شروع
کی، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا تو لوگوں کو عام اطلاع فرمائی کہ آپ حج پر جا رہے ہیں۔

ابن قیم فرماتے ہیں: جب حج کا حکم نازل ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
حج کب فرض ہوا؟

نے بغیر اخیر کے اس کی تیاری شروع کی۔ اور حج کا حکم ۹ھ یا ۱۰ھ میں نازل
ہوا (دش)، علامہ عینی نے فرضیت حج کے سلسلہ میں ۹ھ سے ۱۰ھ تک متفرق اقوال ذکر کئے ہیں، اور اپنی
جانب سے کسی قول کو ترجیح نہیں دی۔ البتہ امام قسطلانی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ۹ھ کو ترجیح دی ہے۔ اسی
طرح تلامذہ قاری نے سن فرضیت میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد فرمایا: ”اس میں کل گیارہ اقوال ہیں“ ان میں سے
آٹھ قول ہر فائل کی تعبیر کے ساتھ اور جن میں مفصل مذکور ہیں: شیخ ابن تیمیہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں: ”اس پر علماء
کا اتفاق ہے کہ ۹ھ سے پہلے حج فرض نہیں ہوا“ مگر میں کہتا ہوں کہ اگر ۱۰ھ کا بھی نقل کیا ہے۔
چنانچہ رافعی نے کتاب الحج میں اسی پر جزم کیا ہے، اور یہی المنتقی میں ہے۔ اور صاحب الخیسی نے بھی اسی
کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ کہا ہے کہ ”صحیح قول کے مطابق ۹ھ ہی میں حج فرض ہوا“ قسطلانی ”المواہب“ میں
فرماتے ہیں: ”جمہور کا قول یہ ہے کہ حج ۹ھ میں فرض ہوا کیونکہ آیت ”واتموا الحج“ اسی سال نازل ہوئی“ اسکے
علاوہ دوسرے اقوال بھی انہوں نے ذکر کئے ہیں۔ شافعیہ میں سے صاحب الروضہ نے بھی ۹ھ کا قول جمہور
کی طرف منسوب کیا ہے۔ شافعی نے ۹ھ پر جزم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”جو شخص اس سے قبل کا دعویٰ کرے اس
کے پاس کوئی دلیل نہیں“۔ قاضی عیاض نے بھی۔ جیسا کہ عطاوی میں ہے۔ اسی کو صحیح کہا ہے۔ ابن عابدین فرماتے
ہیں کہ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سال حج نہ کرنے میں کئی احتمال ہو سکتے ہیں“ اور انہوں نے اس احتمال
کو ترجیح دی ہے کہ شاید وقت حج گزرنے کے بعد حج فرض ہوا ہوگا۔ لیکن مظاہر حق میں ہے کہ ”آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم نے پہلے سال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور دوسرے سال خود بنفس نفیس تشریف
لے گئے“ مگر شیخ ابن قیم نے حضرت ابو بکر کے بھیجے جانے کو حج کے لئے نہیں بلکہ اطلاع و اعلان کے لئے بتلایا ہے۔
رکرا آئندہ سال کوئی مشرک حج کو نہ آئے، اور کوئی شخص برہنہ طواف نہ کرے (الخ)

رقال، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے حج کا اعلان
فرمایا تو لوگوں کو عام اطلاع فرمائی کہ آپ حج پر جا رہے ہیں

فتحه والخرج معد وسمع بذلك من حول المدينة فقد ما يريدون الحج مع
رسول الله صلى الله عليه وسلم رقلت، ومع صلى الله عليه وسلم نساء وداخا
في الطريق خلألق لا يحصون - فكانوا من بين يديه ومن خلفه وعن يمينه وعن
شماله مد البصر

توجہ: چنانچہ لوگوں نے آپ کے ساتھ حج کو جانے کی تیاری کی، اور مدینہ کے گرد پیش کے لوگوں کو اس
کی خبر ہوئی تو وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے ارادے سے جمع ہو گئے (ش) اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ازواج مطہرات بھی تھیں۔ اور بے شمار مخلوق آپ سے راستے میں اکڑتی رہی۔
چنانچہ آپ کے آگے پیچھے داییں بائیں حد نظر تک آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے

۔۔۔۔۔ اور آپ نے اس وقت ان کو یہ نہیں بتایا تھا کہ رمضان کا عمرہ حج کے برابر ہے، جیسا کہ ابن جنم
کو وہم ہوا ہے۔ ابن قیم فرماتے ہیں: یہ کھلا وہم ہے کیونکہ یہ بات آپ نے حج سے مدینہ طیبہ واپس آ کر ارشاد
فرمائی تھی: ”اور یہی صحیح ہے۔ جیسا کہ اس سلسلہ میں متعدد روایات ام سنان وغیرہ کے قصہ میں وارد ہیں جیسا کہ
رسالہ کے آخر میں آئے گا۔“

”ان دنوں مدینہ شریف میں چھپک یا گرمی دانوں کے مرض کی وجہ سے بہت سے لوگ حج کیلئے نہیں
جاسکے تھے اس سلسلہ کی دلجوئی کی خاطر، آپ نے فرمایا کہ ”رمضان کا عمرہ حج کے برابر ہے“ یہ بات ابن عربی
نے ”المحاضر“ میں کہی ہے۔ اور ابھی اوپر گزر چکا ہے کہ یہ وہم ہے۔ کیونکہ آپ نے یہ ارشاد حج سے واپسی پر
فرمایا تھا کہ ”رمضان کا عمرہ حج کے برابر ہے“

چنانچہ لوگوں نے آپ کے ساتھ حج کی تیاری کی۔ اور مدینہ کے گرد پیش
شہر کاٹے حجتہ الوداع کی تعداد کے لوگوں کو اس کی خبر ہوئی تو وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج
کے ارادے سے جمع ہو گئے (ش) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ازواج مطہرات بھی تھیں۔ جو
کباؤں میں سوار تھیں۔ جیسا کہ طبقات میں ہے۔ اور بے شمار مخلوق آپ سے راستے میں اکڑتی رہی۔ امام
نسائی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں
حج کا اعلان کیا تو کوئی ایسا شخص باقی نہ رہا جو سواریا پیدل آنے کی قدرت رکھتا ہو اور نہ آیا ہوا ہو چنانچہ
آپ کے آگے پیچھے داییں بائیں حد نظر تک آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ شرح سفر السعاده میں بھی اسی طرح

وخرج من المدينة نهائاً

اور آپ دن کے وقت

ہے۔ ان کی تعداد میں اختلاف ہے حاشیہ مشکوٰۃ میں "لغات" سے نقل کیا ہے۔ کہ بعض روایات میں ہے کہ ان کی تعداد حساب و شمار سے زیادہ تھی۔ اور ان کی تعداد معین نہیں ہو سکی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری غزوہ "غزوہ تبوک" کے شرکار کی تعداد ایک لاکھ کو پہنچی تھی۔ حجة الوداع کا سفر اس کے بعد مؤقَّتاً اس سفر میں مزید تعداد کا اضافہ ہوا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک لاکھ چوبہ ہزار افراد تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار تھے۔ واللہ اعلم۔ ملا علی قاری نے اس پر اضافہ کیا ہے کہ ایک قول کے مطابق ایک لاکھ تیس ہزار تھے۔ اور اجز میں اسی طرح ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آغاز سفر سے پہلے مواقیت کی تعلیم فرمائی۔ چنانچہ ابن ماجہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ دیا، اس میں فرمایا کہ ہم اہل مدینہ ذوالحلیفہ سے احرام باندھیں گے۔ ابو یوسف صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے مسجد میں کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہیں کہاں سے احرام باندھنے کا حکم فرماتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل مدینہ ذوالحلیفہ سے احرام باندھیں گے۔

اور آپ نے ابو وجاہہؓ کو اور بقول بعض باع بن عرفطہؓ

مدینہ سے روانگی کی تاریخ، دن اور وقت | کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا جیسا کہ سیرت ابن ہشام اور

الہدایہ والنبایہ میں ہے۔ اور خود دن کے وقت الشجرہ کے راستے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ جیسا کہ "الخمیس" اور "محاضرۃ الارار" میں ہے۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں باب باندھا ہے "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے براہ شجرہ نکلنے کا بیان" اور اس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ذکر کی ہے "مجمع البلدان" میں لکھتے ہیں: "الشجرہ ذوالحلیفہ میں وہی درخت ہے جہاں (حضرت ابو بکر کی بیوی) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے بطن سے محمد بن ابی بکر کی ولادت ہوئی۔ یہ بھول کا درخت تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ وہاں نزل فرماتے اور وہاں سے احرام باندھتے تھے۔ یہ مدینہ سے چھ میل کے فاصلے پر ہے۔ اور "بذل الجہود" میں ہے: "یہ درخت ذوالحلیفہ میں مدینہ سے چھ میل کے فاصلے پر ہے الخ" اور "الخمیس" میں ہے کہ یہ مدینہ سے چھ میل ہے بقول بعض چار میل اور بقول بعض سات میل"

بعد الظهر لخمیس یقین من ذی القعدة یوم السبت۔
ظہر کے بعد ۲۰ روزی القعدة کو بروز شنبہ مدینہ سے روانہ ہوئے۔

واضح رہے کہ مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ جانے کے چار راستے مشہور ہیں۔
مدینہ سے مکہ جانے کے راستے | جن کی تفصیل میرے رسالہ ”جنہ طرق المدینہ“ میں ہے۔ اور اس کا کچھ حصہ
”لامع اللہاری“ کے حاشیہ میں؛ باب المساجد التي علی طرق المدینہ کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔ اول طریق سلطانی
دوم الفارسی سوم الفرعی چہارم الشرقی۔ طریق سلطانی یہی طریق الشجرہ ہے۔ میں جب پہلی بار ۱۳۳۸ھ میں
مدینہ حاضر ہوا تھا تو طریق الفارسی سے حاضر ہوا تھا۔ اور حاشیہ لامع ”میں“ مرآة الحریین سے نقل کیا ہے۔ کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی تو یہی راستہ اختیار فرمایا تھا۔

ظہر کے بعد ۲۱ روزی القعدة کو بروز پنجشنبہ مدینہ سے روانگی ہوئی۔ یہ ابن حزم اور ابن عربی کا قول ہے۔
اور حافظ عینی نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ جیسا کہ آگے آتا ہے۔ اور یہی مشہور ہے۔ مگر ابن القیم کے نزدیک
راجح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۲۵ ذی قعدة کو بروز شنبہ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ اور شیخ ابن قیم نے ابن خیم
کے قول کو دہم قرار دیتے ہوئے اس پر طویل بحث کی ہے۔ اور ابن حزم کے قول کی توجیہ فرمائی ہے جو صاحب
البدایہ والنہایہ نے ذکر کی ہے۔ ابن قیم کا قول میرے نزدیک راجح ہے۔ کیونکہ مکہ و مدینہ کی درمیانی منزلیں اس
واقعہ میں نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث المساجد میں کل اٹھ ہیں یہ حدیث امام بخاری نے روایت
کی ہے اور اس میں مکہ و مدینہ کی درمیانی مساجد کو شمار کیا گیا ہے۔ پس ظاہر یہ ہے کہ روانگی ۲۵ ذی قعدة
کو بروز شنبہ ہوئی۔ یہ مہینہ ۲۹ دن کا تھا اور ذوالحجہ کی پہلی تاریخ بالاتفاق پنجشنبہ کو تھی۔ اور آپ کا
مکہ مکرمہ پہنچنا بھی بالاتفاق ۴ ذوالحجہ کو بروز یکشنبہ ہوا۔ اور البدایہ والنہایہ میں بروایت بخاری ۵
ذوالحجہ کا جو لفظ ہے یہ کتابت کی غلطی ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں بخاری کے الفاظ یہ ہیں آپ ذوالحجہ کی
چار راتیں گزرنے پر کہ مکہ مکرمہ تشریف لائے اس تقریر سے تمام روایات جمع ہو جاتی ہیں صاحب التمیز
نے ”نیز حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں زرقانی نے شرح مؤطا میں ملائی قاری نے ترقاة میں اور قسطلانی اور
صاحب البدایہ والنہایہ نے بھی اسی کو راجح کہا ہے۔ اور ابن ہشام نے صرف اسی کو ذکر کیا ہے لیکن حافظ
عینی نے اس کو رد کیا ہے انہوں نے اس کو ترجیح دی ہے کہ آپ کی روانگی ۲۴ ذی قعدة پنجشنبہ کو ہوئی تھی اور
صاحب سفر السعاده کا میلان بھی اسی طرف ہے اس کی تائید حضرت ابن عمر کے اس قول سے ہوتی ہے

فصلی الظہر بالمدينة اربعاً و خطبہم قبل ذالک خطبة۔

ثم ترحل وادھن وارتدی ثمارتحل۔ و اتاکا ایت بوادی العقیق

توجہ۔ پس مدینہ شریف میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں اور اس سے پہلے ایک خطبہ دیا۔

پھر سر میں کنگھی کی تیل لگایا، چادریں زیب تن کیں۔ پھر سفر کا آغاز فرمایا۔ اور وادی عقیق میں آپ کے پاس ایک آنے والا فرشتہ آیا۔

جو حافظہ عقیق نے بلند وادی نقل کیا ہے کہ ذوالحجہ کا چاند پنجشنبہ کو درنگی سے آٹھویں دن ہوا۔ تفصیل کے لئے عمدۃ القاری ملاحظہ فرمائیں۔

پس مدینہ شریف میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں۔ اور اس سے پہلے ایک خطبہ دیا۔ جس میں لوگوں کو احرام کا طریقہ اور اس کے سنن و واجبات کی تعلیم دی۔ ابن تیمیہ نے طبری کے اس قول کو دہم قرار دیا ہے کہ آپ جمعہ کے بعد نکلے کیونکہ بہت سی روایات میں یہ تصریح موجود ہے کہ آپ نے مدینہ شریف میں ظہر کی چار رکعتیں ادا فرمائیں اور ذوالحلیفہ پہنچ کر دو رکعت نماز پڑھا اور فرمائی، پھر سر میں کنگھی کی تیل لگایا۔ چادریں زیب تن کیں پھر سفر کا آغاز فرمایا۔

اور وادی عقیق میں آپ کے پاس ایک آنیوالا فرشتہ آیا۔

وادی عقیق میں فرشتے کی آمد۔ [عقیق: بفتح اول، و کسر ثانی۔ و وقاف اور ان کے درمیان جیسا کہ معجم البلدان میں ہے] اور اس آنے والے فرشتے نے عرض کیا: کہیے، ”عمرو حج میں“ اور بخاری کے الفاظ یہ ہیں: ”آج رات میرے پاس ایک آنیوالا میرے رب کی جانب سے آیا۔ اس نے کہا: کہیے، ”عمرو حج میں“ اور ابدا یہ والنبایہ میں ہے کہ ذوالحلیفہ ہی وادی عقیق ہے۔ ”صاحب معجم نے ”عقیق“ پر مبسوط کلام کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ”عقیق چار میں۔ یہ دراصل وہ قدیم وادیاں ہیں جو سیلابوں کی وجہ سے بن گئی تھیں منجملہ ان کے ایک عقیق وہ ہے جس کے پاس میں یہ حدیث آئی ہے: ”بے شک آپ وادی مبارک میں ہیں۔“ اور یہ وہی ہے جو وادی ذوالحلیفہ کے اندر ہے۔“ قاضی عیاض فرماتے ہیں: ”العقیق وہ وادی ہے جہاں اہل مدینہ کے مویشی رہا کرتے تھے۔ اور یہ مدینہ سے دو تین میل پر اور بقول بعض چھ یا سات میل پر ہے۔ یہ عقیق اصغر کہلاتا ہے۔ اور یہیں بیر روم ہے۔ اس سے آگے عقیق اکبر ہے اور اس میں بیر عروہ ہے۔ اور اس کے علاوہ ایک وادی عقیق اور ہے جو ان دونوں سے بڑی ہے۔ اس میں بیر علی ہے۔ پوری تفصیل معجم البلدان

وصلی العصر بذی الحلیفہ رکعتیں، و بات بها، و طاف علی النساء کلہا، و اغتسل
للاحرام غیر غسل الجنابة

توجہ: ماوردی الحلیفہ میں آپ نے عصر کی دو رکعتیں پڑھیں، اور رات کو وہیں قیام کیا، اور آپ
اپنی تمام ازواج سے فارغ ہوئے اور غسل جنابت کے علاوہ احرام کے لئے الگ غسل فرمایا۔

میں ہے۔ اور اسی میں ابو منصور کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ پانی کی ہر ایسی گزرگاہ جو سیلابوں کی وجہ سے زمین
میں کشادہ نہر جیسی بن گئی ہو عرب اسے عقیق کہتے ہیں: ”آپ کہے پاس وحی آئی کہ احرام میں آپ کو کس چیز پر اعتماد
کرنا ہے یعنی اقسام حج میں کس قسم کا احرام باندھنا ہے، اور ایک روایت میں ہے جیسا کہ کنز العمال میں ہے
کہ ”ذیقعدہ کے پہن دن رہتے تھے کہ میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ قیامت تک کے لئے عمرہ حج میں
داخل ہو گیا“ اور آپ نے ذوالحلیفہ میں جو مدینہ سے چھ میل اور ایک قول کے مطابق چار یا سات میل ہے جیسا کہ

انجیس اور شرح سفر السعاده میں ہے۔ ————— عزیز محمد رابع ندوی نے ایک جلسہ میں
”حریم و حجاز کے مشہور مقامات“ پر ایک مقالہ ۱۳۸۹ھ میں پڑھا تھا۔ اس میں موصوف نے بتایا ہے کہ ذوالحلیفہ
کو آج کل ایسا رعلی کہا جاتا ہے۔ اور یہ مدینہ شریف سے ۹ کلومیٹر ہے۔ عصر کی دو رکعتیں پڑھیں اور پھر رات کو
وہیں قیام کیا۔ اور آپ اس رات اپنی تمام ازواج مطہرات کے پاس سے فارغ ہوئے جیسا کہ شرح سفر السعاده
اور المحاضرہ میں ہے اور امام مسلم نے اسے کئی سندوں سے روایت کیا ہے۔ تمام ازواج مطہرات اس سفر
میں آپ کے ساتھ تھیں۔

اور غسل جنابت کے علاوہ احرام کیلئے الگ غسل فرمایا۔ شارح سفر السعاده فرماتے
غسل احرام اور اس کا حکم | ہیں: ”صبح کو غسل جنابت کیا اور ظہر کے بعد احرام کیلئے غسل کیا“ و دریر کی شرح کبیر
میں ہے کہ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ہی غسل کر لیا تھا۔ جب ذوالحلیفہ پہنچے تو دو گناہ احرام ادا کر کے
احرام باندھ لیا۔ یہ معروف روایات کے خلاف ہے۔ ابن قیم فرماتے ہیں کہ ابن حزم نے غسل جنابت کے علاوہ
دوسرے غسل کا تذکرہ نہیں کیا۔ المحاضرہ سے بھی بظاہر یہی معنی ہوتا ہے کہ آپ نے غسل جنابت کے علاوہ
اور کوئی غسل نہیں کیا تھا۔ ابن قیم فرماتے ہیں: ”بعض نے اس غسل کو ذکر نہیں کیا۔ یا تو بھول گئے، یا اس وجہ سے
کہ ان کے نزدیک یہ پابند ثبوت کو نہیں پہنچا ہوگا“ یہ غسل شافعیہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے جیسا کہ شرح منبذ

لہ پہلے پہلے کہہ چکے ہیں۔ ۲۵ ذی قعدہ کو ہوئی تھی۔ مگر اس میں اشکال کی کوئی بات نہیں کیونکہ تاویل کی گنجائش ہے شیخ مظہر،

ثم طيبته عائشة بيد هابذ ريرة وطيب - ولم يغسله بعد

ترجمہ: پھر حضرت عائشہ نے اپنے ہاتھ سے آپ کے زیرہ اور خوشبو لگائی۔ اور بعد میں آپ نے

ایسے دھویا نہیں۔

میں ہے۔ اور مالک و حنفیہ کے نزدیک بھی جیسا کہ اوجزیں ہے اور اسی میں ہے کہ ابن قتادہ فرماتے ہیں کہ جو شخص احرام کا ارادہ کرے۔ اکثر اہل علم کے نزدیک اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ پہلے غسل کرے اہل ظاہر نے اس غسل کو واجب کہا ہے۔ جیسا کہ اوجزیں ہے۔

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ سے آپ کے سر اور بدن پر زیرہ
احرام کیلئے خوشبو لگانا

نامی خوشبو لگائی، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: زیرہ بر وزن عظیمہ ذال معجمہ اور ورائل کے ساتھ خوشبو کی ایک خاص قسم ہے۔ جو اہل حجاز وغیرہ کے یہاں معروف ہے۔ امام نوویؒ اور ان کے علاوہ بہت سے حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ ایک خوشبودار جڑی بوٹی کا برادہ ہے۔ جو ہندوستان سے آتی ہے۔ صاحب محیط اعظمؒ نے تصب الذریرہ کے اقسام کو تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہندی میں اسے جزائر کہتے ہیں۔ اور اس کا برادہ خوشبو طور ہوتا ہے۔ اور زیر بغل لگانا پسینہ کی خوشبو کے لئے مفید ہے۔ اور ایسی خوشبو جس میں مشک ملا ہوا تھا، لگائی۔ حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ اور ریش مبارک میں مشک کی چمک نظر آتی تھی۔ اور بعد میں آپؐ نے اسے دھویا نہیں مسلم شریف کی ایک حدیث سے غسل سے پہلے خوشبو لگانا مفہم ہوتا ہے۔ اس سے قاضی عیاض کو یہ دہم ہوا ہے کہ آپؐ نے خوشبو لگا کر اسے دھویا تھا۔ حالانکہ تکرار اور تعدد سے کوئی چیز مانع نہیں یعنی اس کی یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ غسل سے پہلے بھی خوشبو لگائی گئی اور بعد میں بھی (دش) قاضی عیاض کو تاویل کی ضرورت اس واسطے ہوئی کہ وہ مالکی مذہب کے ہیں، اسی بنا پر آتی ہے بھی شرح مسلم میں اس کی متعدد توجیہات کی ہیں لیکن احرام کے بعد آپؐ کی ناصیہ مبارک میں مشک کے چمکنے کی احادیث، جنہیں صاحب البدایہ والنہایہ نے ذکر کیا ہے، ان توجیہات کی نفی کرتی ہیں۔ بدایہ میں ہے: ”اور خوشبو لگائے اگر اس کے پاس موجود ہو، امام محمد کے نزدیک ایسی خوشبو لگانا مکروہ ہے جو احرام کے بعد بھی باقی رہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ہمسائے مشہور مذہب کی دلیل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خوشبو لگایا کرتی تھی۔ الحدیث، اور جو خوشبو احرام کے بعد باقی رہے وہ اتصال کی وجہ سے گویا محرم کے تابع ہے۔ بخلاف کپڑے کے کہ محرم سے جدا ہوتا

لے جیسا کہ انہوں نے مؤطا میں فرمایا ہے۔ شیخ مظلہ۔

ثم لبس ازاره وسادائه۔ فصلی الظہور کعتین

ترجمہ: پھر آپ نے احرام کی دو چادریں زیب تن کیں۔ پھر دو گانہ ظہر ادا کیا

ہے۔ مختصر۔ ابن مابین کہتے ہیں: (محرّم) اپنے بدن کو خوشبو لگائے خواہ ایسی خوشبو ہو جو باقی ہے۔ مگر کپڑے کو ایسی خوشبو نہیں لگا سکتا۔ جس کا جسم باقی ہے۔ یہی صحیح تر ہے۔ "تسلطانی" المواہب میں فرماتے ہیں۔ کہ امام شافعیؒ و احمدؒ امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں۔ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا۔ شرح سفر میں بھی یہی لکھا ہے۔

میں کہتا ہوں: "مسئلہ خوشبو میں" ائمہ کا مسلک بیان کرنے میں ناقلین کا اختلاف ہے، صحیح وہ ہے جو اوجہ میں مذہب اربعہ کی فقہی کتابوں سے نقل کیا ہے اور اس کا خلاصہ حاشیہ لامع میں یہ ہے کہ "محم کیلئے ایسی خوشبو لگانا جس کا جسم باقی ہے امام مالک اور امام محمد کے نزدیک مطلقاً ممنوع ہے، خواہ بدن پر ہوا کپڑے پر۔ اور امام شافعیؒ و احمدؒ کے نزدیک مطلقاً مباح ہے خواہ بدن پر ہوا کپڑے پر۔ اور امام ابو حنیفہؒ و ابو یوسفؒ کے نزدیک بدن پر مباح ہے اور کپڑے پر مباح نہیں" ائمہ کے مذاہب میں کبھی تفصیل صحیح ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: "حدیث یعلیٰ سے استدلال کیا گیا ہے کہ احرام کے بعد خوشبو کا باقی رہنا ممنوع ہے، جمہور کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ حدیث یعلیٰ کا واقعہ جعزہ کا ہے جو بالاتفاق ۷۷ حصے میں ہوا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ صحیح حدیث کہ انہوں نے اپنے ۱۰ حصے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام کے وقت خوشبو لگالی تھی۔ بالاتفاق ۱۰ حصے کا واقعہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے آخری عمل ہی کو لیا جاتا ہے۔"

پھر آپ نے احرام کی دو چادریں زیب تن کیں و قالوا فایس ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے غسل فرما کر اہل چادریں پہن کر نکلے تھے۔ اور صحیح بخاری کے لفظ بروایت ابن عباسؓ یہ ہیں: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیل لگا کر کنگھی کر کے اور دو چادریں پہن کر مدینہ سے چلے۔ پھر دو گانہ ظہر ادا کیا، جیسا کہ مسلم و نسائی کی روایت میں تصریح ہے اور بخاری شریف میں ہے۔ کہ آپؐ نے صبح کی نماز پڑھی پھر سوار ہوئے۔ بخاری و مسلم کی روایت میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ بخاری کی روایت میں "ثم" کا لفظ تراخی بعد کیلئے ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ دو کعتیں فرض ظہر کی کعتیں۔ یا دو گانہ احرام کی، پوری بحث دو گانہ احرام کا حکم | اجزاء میں صلی بنی الحلیفہ و کعتین کے ذیل میں مذکور ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

ثم اهل بالحج والعمرة -

توجہ: پھر حج و عمرہ دونوں کا احرام باندھ کر تلبیہ پڑھا۔

یہ دو رکعتیں دو گانہ احرام تھیں۔ ان میں سورۃ کافرون اور سورۃ اخلاص پڑھی جاتی ہے۔ جیسا کہ قرأت میں ہے۔ نووی فرماتے ہیں: اس حدیث سے احرام کے وقت دو رکعتیں پڑھنے کا استحباب معلوم ہوا۔ یہ دو رکعتیں احرام سے قبل پڑھی جاتی ہیں۔ اور یہ ہمارے اور تمام علماء کے مذہب میں نفل ہیں۔ البتہ قاضی وغیرہ نے حسن بصری سے ان کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ ان دونوں کا فرض نماز کے بعد ہونا مستحب ہے۔ کیونکہ مروی ہے کہ یہ دو رکعتیں نماز فجر کی تھیں۔ صحیح وہی ہے جو جمہور کا قول ہے اور یہی حدیث کا مفہوم بھی ہے۔ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: یہ کہیں منقول نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض ظہر کے علاوہ دو گانہ احرام بھی ادا فرمایا تھا۔ پوری تفصیل اجزا میں ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ اور دو رکعتیں پڑھے۔ کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنی طویل حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دو رکعتیں پڑھنا روایت کیا ہے: ”لیکن مجھے مثل نماز کا ذکر مراد کہیں نہیں ملا۔“ اجز میں بہت ہی بیسٹ و تفصیل سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔ ابن عربی نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر سے دراپہلے احرام باندھا تھا لہذا ابن قیم نے اس کی تردید کی ہے۔ جیسا کہ آگے آتا ہے۔

پھر جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ د کے یک روزہ قیام، میں تلبیہ کے حکم میں اختلاف | پانچ نمازیں پڑھ چکے توج و عمرہ دونوں کا احرام باندھ کر تلبیہ پڑھا۔ اس میں اختلاف ہے کہ تلبیہ واجب ہے یا سنت یا رکن؟ اس کی تفصیل اجز میں ہے جس کا خلاصہ حاشیہ لامع میں یہ ہے کہ: — حافظہ کے قول کے مطابق تلبیہ میں دس مذہب ہیں۔ ان میں سے معروف مذہب چار ہیں۔ اول یہ کہ تلبیہ سنت ہے۔ اس کے ترک سے کچھ واجب نہیں ہوتا۔ یہ امام شافعی و احمد کا قول ہے۔ دوم یہ کہ واجب ہے اور اس کے ترک پر دم واجب ہوگا۔ یہ مالکیہ کے اصحاب الفروع کا مختار قول ہے۔ اور بعض شافعیہ سے بھی منقول ہے۔ سوم یہ کہ واجب ہے مگر افعال حج میں سے کوئی نفل مثلاً راستے کی طرف توجہ ہو جانا اس کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ مالکیہ میں سے ابن شاش نے اپنا کلام اس سے شروع کیا ہے۔ اور حنفیہ میں سے صاحب ہدایہ نے اس کی مثل نقل کر کے اس پر اتنا اضافہ کیا ہے کہ کوئی دوسرا ذکر سنانی بھی تلبیہ کے قائم مقام ہو سکتا ہے۔ چہاں کہ یہ کہ رکن ہے اور یہ اہل ظاہر وغیرہ کا مذہب ہے۔

علامہ نووی کی اصل عبارت اسی طرح ہے۔ بظاہر لکے جیسے یہ لفظ ہو جانا چاہیے اس کا معنی احرام کا فرض نماز کے بعد ہونا تاکہ استعمال صحیح ہو۔

فی مصلّٰہ - وقلد قبل الاحرام بدتہ

ترجمہ - اپنی نماز کی جگہ میں - اور احرام سے پہلے اپنی ہدی کے اونٹوں کو قلاوہ پہنایا۔

یہاں ایک اور طویل فقہی بحث ہے وہ یہ کہ کیا احرام مواقیت ہی میقات سے پہلے احرام باندھنے کا حکم | سے باندھنا واجب ہے اور میقات سے اس کی تقدیم جائز نہیں؟ جیسا کہ اہل ظاہر کا مذہب ہے۔ یا تقدیم بھی جائز ہے؟ جیسا کہ ائمہ اربعہ کا مذہب ہے؟ پھر ائمہ اربعہ کا اس امر میں اختلاف ہے کہ میقات سے پہلے احرام باندھنا افضل ہے یا میقات سے ہمام مالک و احمد فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں مواقیت ہی سے احرام باندھنا افضل ہے۔ اور امام ابو حنیفہ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل امت کی آسانی کیلئے تھا، مگر ان احادیث قولیہ کی بنا پر جو اوجہ میں ذکر کی ہیں - تقدیم مستحب ہے۔ امام ابو داؤد نے حضرت ابو امامہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ: جو شخص اپنے گھر سے پاک ہو کر (وضو یا غسل کر کے) فرض نماز کے لئے نکلا اس کا ثواب ایسا ہے جیسے کوئی (گھر سے) احرام باندھ کر عمرہ کیلئے جائے الخ۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ احرام کی تقدیم افضل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس جگہ تلبیہ شروع کیا | شروع کیا، اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں: اپنی نماز گاہ میں ہی آپؐ نے تلبیہ پڑھنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس جگہ سے احرام باندھا؟ تعلیق فقہ میں ہے کہ اس بارے میں میں روایتیں وارد ہیں: نماز کی جگہ سے: جب سوار ہوئے: جب بیدار کی بلندی پر چڑھے۔ ان روایات کے درمیان تطبیق ابن عباسؓ کی روایت میں آگے آ رہی ہے۔ امام احمد کے نزدیک تینوں کی گنجائش ہے۔ اور ہمارے نزدیک پہلی صورت راجح ہے۔ ابن قتیبہ کا میلان بھی اسی جانب ہے۔ شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک دوسری صورت راجح ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ان تینوں کے جو ائمہ بر جگہ کے علماء متفق ہیں۔ اختلاف صرف افضلیت میں ہے۔ صاحب البدایہ والنہایہ نے اس سلسلہ کی روایات بڑی تفصیل سے ذکر کی ہیں۔

اور احرام سے پہلے اپنی ہدی کے اونٹوں کو دو دو حوٹوں کا قلاوہ پہنایا، | ہدی کو قلاوہ پہنانے کا حکم جیسا کہ شرح ہنفر اور المحاضرہ میں ہے اور صحیح مسلم اور ابو داؤد میں بھی ہے۔ اور اوجہ میں ہے کہ قلاوہ پہنانا بالاجماع سنت ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ایک جوتے کا ہو یا دو کا؟ ابن رشد کہتے ہیں: ہدی، اونٹ یا گائے کی ہو تو اس میں اختلاف نہیں کہ ان کو قلاوہ پہنایا جائے البتہ بکری کو قلاوہ پہنانے میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نہ پہنایا جائے، اور امام

واشعرها

ترجمہ : اودان کا اشعار کیا۔

شافعیؒ احمداور داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ پہنایا جائے "مختصر"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدی کے اونٹوں کی نگہداشت پر حضرت ناجیہؓ مقرر تھے۔ جیسا کہ طبقات میں ہے۔ اور زہری نے واقدی کی معافی سے بھی نقل کیا ہے۔ اور ذکر کیا گیا ہے کہ عمرہ حدیبیہ اور عمرہ القضاء میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدایا پر حضرت ناجیہ رضی اللہ عنہ ہی مقرر تھے۔ جیسا کہ النجاشی میں ہے۔

اددائیں یا بائیں جانب میں ان کا اشعار کیا۔ اس سلسلہ میں روایات و مذاہب ہدی کے اشعار کا حکم مختلف ہیں کہ اشعار دائیں جانب کیا گیا یا بائیں جانب؟ جیسا کہ آگے مفصل آتا ہے۔ رشیؒ مسئلہ اشعار مشہور اختلافی مسئلہ ہے، جو اوجز میں اس تفصیل سے مذکور ہے کہ اشعار میں تین بخشیں ہیں۔ اس کی تشریح اس کا حکم رکھنے والوں کا اشعار کیا جائے؟..... یہ پہلی بحث ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہی دوسری بحث تو اس کے حکم میں اختلاف ہے، جمہور علماء و شمول ائمہ ثلاثہ اس کو سنت کہتے ہیں، امام ابو یوسف اور امام احمدؒ فرماتے ہیں یہ بہتر ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ ان کے نزدیک سنت ہے۔ جیسا کہ بدائع میں ہے۔ اور ہادیہ میں ہے کہ اشعار امام ابو حنیفہ کے نزدیک مکروہ —

صاحبینؒ کے نزدیک انصاف اور امام شافعیؒ کے نزدیک سنت ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین سے مروی ہے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ قلاوہ پہنانے سے مقصود یہ ہے کہ اگر ہدی کا جانور گھاس پانی پر چلے تو اس سے تعرض نہ کیا جائے اور اگر گم ہو جائے تو واپس کر دیا جائے۔ اور یہ مقصود اشعار سے بدرجہ اتم حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ قلاوہ کی نسبت زیادہ لازم ہے۔ اس اعتبار سے یہ سنت ہے۔ مگر اس کے معارض اشعار میں شکل بگاڑنے (مثلاً) کی جہت بھی ہے اس بنا پر ہم اسے حسن کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ مسئلہ ہے جو ممنوع ہے اور جب جواز و عدم جواز میں تعارض ہو جائے تو عدم جواز کو ترجیح دی جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اشعار کرنا ہدی کے جانوروں کی حفاظت کی غرض سے تھا۔ کیونکہ مشرکین اس کے بغیر تعرض سے باز نہیں آتے تھے۔ اور کہا گیا ہے کہ امام صاحبؒ نے اشعار کو مطلقاً مکروہ نہیں کہا۔ بلکہ اپنے زمانہ کے اشعار کو مکروہ کہا ہے کیونکہ لوگ اس میں حدود سے تجاوز کرتے جاتے تھے، اور پوری تفصیل اوجز میں ہے۔ اور کو کتب میں مسئلہ اشعار پر مختصر مگر بہت عمدہ کلام کیا ہے۔

وسلت عنها الدم وساق الهدايا معه

ترجمہ: اور ان سے خون صاف کیا۔ اور ہدی کے جانور اپنے ساتھ لئے۔

پھر اشعار دائیں جانب ہوا بائیں جانب؟ اس میں روایات اور مذاہب محل اشعار میں اختلاف | میں اختلاف ہے۔ جن کی تفصیل اوپر دی ہے، ہدایہ میں بائیں جانب ترجمہ دی گئی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ بائیں جانب نیزہ مارنا مقصود تھا اور دائیں جانب اتفاقاً تھا۔ شیخ ابن ہمام نے نیزہ مارے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری ثم منیٰ نے بدل میں دونوں قسم کی روایات ذکر کر دی ہیں۔ اس کی پوری تفصیل الاجزہ میں ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس میں امام مالک سے چار روایتیں منقول ہیں، ان میں سے راجح بائیں جانب کی روایت ہے۔ درود اور ان کے علاوہ عام ناقلین مذاہب نے صرف اسی کے ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے جیسا کہ المعنیٰ میں ہے۔ ان کی دوسری مشہور روایت جو امام شافعی کا قول اور امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے۔ جیسا کہ شرح کباب میں ہے۔ یہ ہے کہ دائیں جانب اشعار کیا جائے، باجی کہتے ہیں کہ بائیں جانب اشعار کرنا آپ کی سنت ہے، صاحبین بھی اسی کے قائل ہیں۔ جیسا کہ معنیٰ وغیرہ میں ہے۔ اور امام محمد نے مؤطایں اسی کو لیا ہے۔

اور ان سے خون صاف کیا۔ جیسا کہ الہدیٰ میں ہے۔ اور صحیح مسلم اور ابوداؤد وغیرہ کی متعدد روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ ترمذی کے الفاظ یہ ہیں: "بواما طعنہ الدم"۔ اور اس سے خون صاف کیا: کو کتب میں ہے کہ اس سے مراد یہ نہیں کہ اس جگہ سے خون بالکل صاف کر دیا تھا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ بہتے خون سے کوڑن کی اس جانب کو رنگ دیا۔ اور اگر مٹا دینے کے لفظ کے متبادر معنی لئے جائیں۔ تو اشعار کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے کیونکہ اشعار کی جتنی خراش مسنون ہے۔ دیکھنے والوں کو عموماً نظر نہیں آ سکتی، بالخصوص جب کہ وہاں خون کا بھی کوئی اثر نہ ہو۔

اور ہدی کے جانور اپنے ساتھ لئے۔ ابن قیم نے ابن حزم میقات ہدی کے جانور ساتھ لے جاتا | کے اس قول کو دہم قرار دیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدی کے جانور اپنے ساتھ لئے۔ اور یہ ہدی نفل تھی۔ یہ دہم صرف دوسرے جزیں ہے یعنی ان کا ہدی نفل ہونا، ورنہ پہلا جزی یعنی ہدی کے جانوروں کو ساتھ لے جانا اس میں دہم نہیں کیونکہ یہ ایک معروف

(قال) وانما قلنا انه عليه الصلوة والسلام احرم قارئاً لبضعة وعشرين حديثاً.
ترجمہ: (رق) یہ جو ہم نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا احرام باندھا تھا، یہ اس لئے کہ اس کی تائید میں، بیس سے زائد احادیث موجود ہیں۔

حقیقت ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے کہ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہدی کے جانور اپنے ساتھ لے گئے تھے۔“ اور بہت سی روایات ہیں اس کی تصریح آئی ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں حج کے ساتھ عمرہ کو لا کر متبع کیا۔ اور ہدی کے جانور بھی اپنے ساتھ ذوالحلیفہ سے ہنگائے۔“ الحدیث۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے کہ ”اگر یہ صورت مجھے پہلے معلوم ہو جاتی تو بعد میں سامنے آئی تو میں ہدی کے جانور ساتھ نہ لاتا۔“ اس مضمون کی اور بھی بہت سی روایات مروی ہیں۔ ہدایہ میں ہے: ”اور ہدی کا ساتھ لے جانا افضل ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہدی کے جانور اپنے ساتھ لے گئے تھے۔“ اہم میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے بھی اپنی کتاب میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اس لئے کہ پہلے انہوں نے یہ باب ذکر کیا ہے ”باب من ساق الخ یعنی جو شخص قرآنی کے مولیٰ اپنے ساتھ لے جائے۔“ اس کے بعد باب باندھا ہے: ”باب من اشتد الہدی الخ یعنی جو شخص راستہ میں ہدی خرچ لے“

ترجمہ: (رق) یہ جو ہم نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا احرام باندھا تھا یہ اس لئے کہ اس کی تائید میں بیس سے زائد صحیح اور صریح احادیث موجود ہیں۔ بعد ازاں شیخ ابن قیمؒ نے ان تمام احادیث کو ذکر کر کے ان پر مفصل کلام کیا ہے، اسی طرح صاحب ”البدایہ والنہایہ“ نے بھی نہایت تفصیل سے احادیث قرآن کو جمع کیا ہے۔ اور جو روایات اس کے خلاف ہیں ان کا جواب دیا ہے۔ اسی طرح صاحب ”المحلی علی الموطا“ نے بھی احادیث قرآن کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ یعنی ”فرماتے ہیں: امام طاہریؒ نے دس صحابہ کرام سے قرآن کی افضلیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قارئین ہونا نقل کیا ہے۔“

مختصر یہ ہے کہ بہت سے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام کو اپنے مختار مذہب پر منطبق کرتے ہیں۔ جن کی تفصیل اوپر مذکور ہے۔ اس میں ائمہ اربعہ کے نزدیک احرام کی افضل صورت کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ: ”مشائخ کی زبان پر بلکہ بہت سے فقہاء اور شارحین حدیث کی تصانیف میں بھی

یہ بات مشہور ہے کہ یہ اختلاف اس اختلاف پر مبنی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام کی کیا صورت تھی؟ اور بعض نے اس کے برعکس یہ کہا ہے کہ ائمہ کے نزدیک احرام کی جو افضل صورت تحقق ہوئی ہے اس کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام کو ترجیح دی جاتی ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ سب کے نزدیک مطرد نہیں چنانچہ نووی کہتے ہیں: ”باتی رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حج؟ تو اس میں اختلاف ہے کہ آپ مفرد تھے یا تمتع یا قارن؟ علماء کے یہ تین قول ہیں جو ان کے ساتھ مذاہب کے مطابق ہیں۔ ہر فرقہ نے اپنے مذہب کو ترجیح دیتے ہوئے دعویٰ کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حج ایسا ہی تھا۔ مگر صحیح یہ ہے کہ آپ اولاً مفرد تھے۔ پھر عمرہ کا احرام باندھ کر قارن ہو گئے۔“ اھ۔ آپ دیکھتے ہیں کہ نووی نے مذاہب کو بیان کرتے ہوئے افضلیت افراد کو صحیح کہا ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے بیان میں وہ لکھتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ آپ بالآخر قارن ہو گئے تھے۔ فقہ حنبلی کی کتاب ”الروض المربع“ میں ہے: ”امام احمد فرماتے ہیں کہ مجھے اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے۔ لیکن میں تمتع کو پسند کرتا ہوں۔“ بہت سے اہل علم نے امام احمد کا یہ قول نقل کیا ہے جس کی تفصیل اوپر میں ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں: ”امام احمد سے جو چیز مخصوص ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے حتیٰ کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھے ذرا بھی شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے۔ اور یہی قول ائمہ حدیث مثلاً اسحاق بن راہویہ وغیرہ کا ہے۔ اور یہی صحیح ہے جس میں کسی ریب و تردد کی گنجائش نہیں اور ابن حزم نے اپنی تالیفات میں اسی کی تقریر کی ہے“ اھ۔

یہاں یہ جاننا بھی مناسب ہوگا۔ کہ ائمہ اربعہ مشرک اللہ تعالیٰ عنہم کا اس میں اختلاف ہے کہ اقسام حج میں سے افضل کون سی قسم ہے حج کی تین قسمیں مشہور و معروف ہیں۔ یعنی افراد، قرآن۔ تمتع، ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں کہ یہ تینوں صورتیں جائز ہیں۔ اور ایک چوتھی قسم ہے یعنی حج فسخ کر کے عمرہ کا احرام باندھ لینا۔ چنانچہ امام بخاری نے یہاں باندھا ہے تمتع، قرآن اور افراد کا بیان اور جس کے پاس ہدی نہ ہو اس کے لئے فسخ کا حکم۔ یہ آخری صورت خابہ کے نزدیک راجح ہے۔ جیسا کہ حاشیہ لاخ میں باب من اھل فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذیل میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ لیکن اوپر میں مذاہب کے بیان میں لکھا ہے کہ امام احمد سے دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ تمتع افضل ہے، پھر افراد، پھر قرآن۔ اور دوسری یہ کہ اگر ساتھ ہدی لایا ہو تو قرآن افضل ہے ورنہ تمتع۔ اور مالکیہ کے نزدیک جیسا کہ ان کی فقہی کتابوں میں ہے۔

افراد افضل ہے پھر قرآن پھر تمتع۔ اور شافعیہ کی اس میں تین روایتیں ہیں جو نو دہائی نے ذکر کی ہیں اور کہا ہے۔ ”کیونکہ یہ ہے کہ افراد افضل ہے پھر تمتع پھر قرآن“ ان کی عام کتب فقہ میں بھی یہی ہے۔ لیکن افراد کی افضلیت کے لئے ان کے ہاں یہ شرط ہے کہ اسی سال عمرہ بھی کرے۔ ورنہ تمتع اور قرآن افضل ہونگے۔ جیسا کہ شایع اتماع اور شایع منہاج نے تصریح کی ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک مختار ہے کہ قرآن افضل ہے، پھر تمتع، پھر افراد تفصیل اور جز میں ہے۔

ف
اختلاف
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی نوعیت میں اختلاف
شیخ ابن قیم لکھتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی نوعیت کے بارے میں پانچ جماعتوں کو دو سو سو ہے۔ پہلا گروہ وہ ہے جو کہتا ہے کہ آپؐ نے بغیر عمرہ کے صرف حج مفرد کیا تھا۔ صاحب البدایہ والنہایہ نے اس مضمون کی روایات کو ذکر کر کے ان کے رد اثبات میں مفصل کلام کیا ہے۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمتع کیا تھا۔ یعنی عمرہ کے احرام سے فارغ ہو کر آپؐ نے حج کا احرام باندھا تھا۔ اس کو بھی صاحب البدایہ والنہایہ نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ قاضی ابویعلیٰ وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔ اور زرقانی شرح مواہب میں بھی یہی ہے۔ تیسرا گروہ جو کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمتع تھے۔ قارئین نہیں تھے۔ مگر آپؐ نے احرام نہیں کھولا تھا۔ کیونکہ آپؐ اپنے ساتھ ہدی کے جانور لے کر گئے تھے۔ صاحب مغنی وغیرہ کا یہی قول ہے۔ جیسا کہ البندی میں ہے۔ زرقانی شرح مواہب میں حافظ کی تقلید میں کہتے ہیں کہ امام طحاوی اور ابن حبان وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ چوتھا گروہ جو اس کا قائل ہے کہ آپؐ نے قرآن کیا تھا۔ اور دو طواف اور دو سعی کی تفصیل (دش) حنفیہ اسی کے قائل ہیں۔ جیسا کہ آگے تفصیل سے آتا ہے۔ اور پانچواں گروہ جو کہتا ہے کہ آپؐ نے حج مفرد کیا تھا اور بعد میں تنجیم سے عمرہ کیا تھا دش، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں یہ قول مالکیہ شافعیہ کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ قول غلط ہے۔ قسطلانی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج و عمرہ کا قرآن کیا تھا۔ اور دونوں احرام اکٹھے کھولے تھے۔ اور دونوں کے لئے ایک طواف اور ایک سعی کی تھی۔ یہ چھٹا قول ہی شیخ ابن قیم کے نزدیک راجح ہے۔ اسی وجہ سے اسے ادھام میں ذکر نہیں کیا گیا۔ اور اوپر گزر چکا ہے کہ جو تھا قول حنفیہ کا ہے۔ ان کے قول اور شیخ ابن قیم کے نزدیک جو قول راجح ہے اس کے درمیان صرف اتنا فرق ہے کہ حنفیہ طواف و سعی کے تکرار کے قائل ہیں۔ اور مصنف ابن قیم قائل نہیں۔

حنفیہ کے نزدیک قارن پر دو طواف اور دو سعی لازم ہیں | شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں ان اقسام کو تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے

حنفیہ کے قول کو ترجیح دی ہے نیز اوجز میں حضرت عائشہؓ کی حدیث والذین جمعوا الحج والعمرة فانما طافوا طوافاً واحداً اور جن لوگوں نے حج و عمرہ کو جمع کیا انہوں نے بس ایک ہی طواف کیا) کے فیصل میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے۔ اور اس حدیث کا نیز اس مضمون کی دیگر احادیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ احادیث کسی کے نزدیک بھی اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہیں۔ کیونکہ تین طواف یعنی طواف قدوم، طواف زیارت اور طواف وداع تمام علماء کے نزدیک ثابت ہیں۔ اس لئے بس ایک ہی طواف کیا۔ کی تاویل سب کے قول پر ضروری ہے۔ اس کی متعدد تاویلات اوجز میں تفصیل سے ذکر کی ہیں، سب سے اچھی توجیہ میرے نزدیک یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اور عمرہ کے دونوں احراموں سے فارغ ہونے کیلئے ایک ہی طواف کیا، بخلاف اس کے جو کہا گیا ہے کہ دونوں احرام کھولنے کے لئے دو طواف اور دو سعییں کرے۔ اس کے بعد اوجز میں حنفیہ کے اس قول کے دلائل بیان کئے ہیں کہ قارن کے ذمہ دو طواف اور دو سعییں ہیں۔ چنانچہ عینی کا قول نقل کیا ہے کہ مجاہد، قاضی شریح، شعبی، نخعی، اوزاعی، ثوری، ابن شبر، ابن ابی سیل، ابو حنیفہ، ان کے اصحاب اور ایک جماعت جن کے نام اوجز میں مذکور ہیں۔ اس کے قائل ہیں کہ قارن کیلئے دو طواف اور دو سعییں ضروری ہیں، اور یہی قول حضرات عمر، علی، ان کے صاحبزادے، حسن، حسین اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین سے منقول ہے، یہی امام احمدؒ سے بھی ایک روایت ہے۔ مجاہد نے حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حج و عمرہ کو جمع کیا اور ان کے لئے دو طواف اور دو سعییں کیں اور فرمایا ”میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے جس طرح میں نے کیا“ اور حضرت علیؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اوجز میں اس سلسلہ کی مرفوع روایات کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: امام طحاوی وغیرہ نے حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً اس کو روایت کیا ہے۔ اور مجموعی طور پر ان کی سندیں ”لاباس بہا“ ہیں۔ (یعنی لائق قبول ہیں)

اور ہدایہ میں ہے کہ امام شافعیؒ نے فرمایا: قارن ایک طواف اور ایک سعی کرے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”قیامت تک کیلئے عمرہ حج میں داخل ہو گیا“ اور اس وجہ سے بھی کہ قرآن کا مبنی تداخل پر ہے۔ چنانچہ اس میں حج اور عمرہ دونوں کے لئے ایک ہی تلبیہ ایک ہی سفر اور ایک ہی حلق

پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ پس اسی طرح ارکان میں بھی تداخل ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جب صہبی بن معبد نے دو طواف اور دو سعییں کیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”تجھے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف ہدایت کی گئی“ نیز اس لئے کہ قرآن ایک عبادت کو دوسری عبادت سے ملا کر ادا کرنے کا نام ہے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ ہر ایک عبادت کو کامل طور پر ادا کیا جائے۔ نیز اس لئے کہ عبادت مقصودہ میں تداخل نہیں ہوا کرتا۔ اور سفر بیت اللہ تک پہنچنے کے لئے اور تلبیہ احرام باندھنے کے لئے اور حلق احرام کھولنے کے لئے ہے لہذا یہ چیزیں خود مقصود نہیں۔ بخلاف ارکان کے کہ وہ خود مقصود ہیں۔ دیکھئے نقل کے ”دو گانے متداخل نہیں ہوتے مگر ایک تحریر سے ادا ہو جاتے ہیں۔ اور جو حدیث امام شافعی نے استدلال میں پیش کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عمرہ کا وقت حج کے وقت میں داخل ہو گیا“ اصرار کثیر البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں کہ سوا قیین کی ایک جماعت مثلاً ابو خنیفہ، اشکے اصحاب اور امام ثوریؒ کا مذہب یہ ہے کہ قارن دو طواف اور دو سعییں کرے گا۔ حضرت علیؓ ابن مسعودؓ مجاہدؓ اور شعبیؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ یہ حضرات اپنے مسلک پر حضرت جابرؓ کی طویل حدیث سے استدلال کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اس میں ہے کہ آپؐ نے صفا و مردہ کی سعی یا پیادہ کی تھی اور اسی حدیث میں بروایت ابو الزبیرؓ یہ آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا و مردہ کی سعی سواری پر کی تھی یہ اس امر کی دلیل ہے کہ سعی دو مرتبہ ہوئی۔ ایک مرتبہ پیادہ اور ایک مرتبہ سواری پر۔

فقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام کی وضعیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام میں قول | میں پانچ جماعتوں کو دہم ہوا ہے۔ [یہ پانچوں اقوال مع ذکر تالیفیں کے مذکور ہیں۔ اور امر میں ہے کہ اس خلاف مذکور کو لا اختلاف و دریان فرق ہے کہ جلا اختلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال حج کی کیفیت میں تھا اور یہ مردہ احرام کی کیفیت کے متعلق ہے] پہلی وہ جماعت جو اس کی قائل ہے کہ آپؐ نے صرف عمرہ کا تلبیہ پڑھا اور اسی پر قائم رہے۔ دوسری وہ جماعت جو کہتی ہے کہ آپؐ نے صرف حج کا تلبیہ کہا اور پھر اسی پر مستمر رہے۔ امام مالکؒ اسی کے قائل ہیں۔ جیسا کہ البدایہ والنہایہ میں ہے۔ تیسری وہ جماعت جو کہتی ہے کہ آپؐ نے پہلے حج کا تلبیہ کہا پھر اس پر عمرہ کو داخل کر لیا۔ اس جماعت کا خیال ہے کہ یہ عمل (یعنی حج پر عمرہ کا احرام باندھنا) آنحضرتؐ کی خصوصیت تھی کسی اور کے لئے جائز نہیں، یہ قول ثوریؒ نے اختیار کیا ہے۔ ان سے صاحب بقرہ بھی اس کو نقل کیا ہے۔ اور صاحب درمختار نے اس کو

ترجیح دی ہے۔ ابن منذر اور محب طبری نے بھی اسی کو رائج کہا ہے۔ عام محقق شافعیہ اور مالکیہ نے اس پر جرم کیا ہے۔ اور اسی کو قاضی عیاض نے اختیار کیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ بہت سی روایات میں وارد ہے کہ آپ مفرد تھے، اور مجمع کی روایات سے مراد یہ ہے کہ آپ نے اس کا حکم فرمایا تھا۔ اور روایات قرآن میں آپ کی آخری حالت کی خبر دی گئی ہے کیونکہ آپ نے حج کے اوپر عمرہ کا احرام بھی باندھ لیا تھا، حافظ فرماتے ہیں کہ یہی تطبیق قابل اعتماد ہے۔ پوری تفصیل اور جزئی ہے اور اسی میں یہ بھی ذکر ہے کہ ان حضرات پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ شافعیہ کے نزدیک حج پر عمرہ کا داخل کرنا منوع ہے جیسا کہ حینی کے حوالے سے آگے آتا ہے۔

اور جو حقی جماعت جس نے یہ کہا کہ آپ نے اولاً عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ پھر اس پر حج کا احرام بھی باندھ لیا تھا اور قارن ہو گئے۔ امام طحاوی شرح الاسنار میں اسی کی طرف اشارہ ہیں۔ جیسا کہ حافظ نے فتح الباری میں ان سے نقل کیا ہے، اور زرعلی میں ہے کہ صاحب تنقیح فرماتے ہیں کہ یہ قول بھی ضعیف ہے۔ اگرچہ دوسرے اقوال کی نسبت اقرب ہے۔ اور اوجزیں یہ قول خطابی اور ابن حبان سے نقل کیا ہے۔

۶ اور پانچویں جماعت جس نے یہ کہا ہے کہ آپ نے پہلے بلا تعین مطلق احرام باندھا تھا، پھر احرام کے بعد اس کی تعین فرمائی۔ امام شافعی نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ جیسا کہ حافظ نے فتح الباری میں لکھا ہے۔ اور علامہ قسطلانی، مواہب میں فرماتے ہیں: آپ کے احرام میں علماء کے چھ قول ہیں۔ مذکورہ پانچ اقوال کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: چھنا قول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج و عمرہ دونوں کا احرام بیک وقت باندھا۔ ابن قیم نے اس کو اولام میں ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہی قول مختار ہے۔ ”الہدیٰ“ میں اس کو ثابت کیا ہے اور اس کے مخالف اقوال کا جواب دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ آپ نے جب احرام باندھا تو حج و عمرہ دونوں کا احرام باندھا۔ اور جب احرام کھولا تو دونوں کا احرام وقت کھولا۔ چنانچہ اس کی دلیل وہ مشہور روایات ہیں جو اس مضمون میں متواتر ہیں۔ اور اس تواتر کو علماء ائمہ جانتے ہیں ابن حزم بھی اس کی طرف اشارہ ہیں۔ اور باقی احادیث میں تاویل کرتے ہیں۔ جیسا کہ اوجزیں میں ہے۔ (رشد) حافظ صنی فرماتے ہیں کہ اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ عمرہ پر حج کا داخل کرنا جائز ہے اور اس کے عکس میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ اور قول قدیم میں امام شافعی نے اس کو جائز رکھا ہے۔ اور دیگر علماء نے اس کو منوع کہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا۔ مگر

خصوصیت کا دعویٰ محتاج دلیل ہے۔

حج پر عمرہ کا احرام باندھنے کا حکم | یا دو عمرہ کوں کا احرام باندھنا ان چار مسائل میں ائمہ کے اختلاف

پر اہل حق میں مفصل کلام کیا ہے۔ تفصیل کا شوق ہو تو وہاں دیکھو۔ بحث کے آخر میں لکھا ہے: "محققین شافعیہ مالکیہ مثلاً نووسی قاضی عیاض اور ان کے متبعین پر یہ اشکال مبتلا ہے کہ حج پر عمرہ کا داخل کرنا جب ان کے نزدیک جائز نہیں تو انہوں نے اس قول کو کیسے رائج قرار دے دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً حج کا احرام باندھا اور اس کے بعد اس پر عمرہ داخل کر لیا۔"

شیخ ابن قیم نے روایات افراد کا یہ جواب دیا ہے کہ جن حضرات سے افراد
افراد تمتع کی روایا کا جواب | کی روایات مروی ہیں ان سے قرآن کی روایات بھی مروی ہیں۔ نیز یہ روایات
افراد میں معافی کے لئے محتمل ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے حج مفرد کا احرام باندھا۔ دوم یہ کہ صرف حج کے
افعال ادا کئے۔ سوم یہ کہ آپ نے صرف ایک حج کیا، اس کے علاوہ کوئی حج نہیں کیا۔ اور عمرے چار
کئے۔ عمرہ حدیبیہ ۱۔ عمرہ القضاء ۲۔ عمرہ جعرانہ ۳۔ اور حج کے ساتھ ساتھ
ہیں۔ اس کے بعد قرآن کی روایات کو دس وجوہ سے بلکہ پندرہ وجوہ سے ترجیح دی ہے۔ میرے نزدیک
سب سے عمدہ وجہ یہ ہے کہ افراد کی روایات میں دوسرے معانی کا بھی احتمال ہے۔ مگر قرآن
کی روایات ایسی صریح ہیں کہ ان میں قرآن کے سوا کوئی دوسری تاویل نہیں ہو سکتی۔ اور اس
سے بھی عمدہ وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے قرآن ہی کا حکم
ہوا تھا۔ اس لئے آپ اس سے عدول نہیں کر سکتے تھے۔ علامہ قسطلانی نے مواہب میں
تمتع کی روایات کا یہ جواب دیا ہے کہ اس سے مراد تمتع لغوی ہے یعنی ایام حج میں عمرہ کا نفع
حاصل کرنا اور یہ قرآن پر بھی صادق آتا ہے (یا آپ کی طرف نسبت مجازی ہے جیسا
کہ رحمہ کی نسبت آپ کی طرف کی گئی)۔ اہم مختصر روایات تمتع کے یہی دو جواب صاحب
سفر السعادة نے دیئے ہیں۔ اور پہلا جواب نووسی نے قاضی عیاض سے نقل کیا ہے۔

وقال، ولقد رسول الله صلى الله عليه وسلم رأسه

تورجبه، (رق) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک کی تلبید کی (یعنی بالوں کو چپکالیا)

(رق) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک کی تلبید کی (یعنی بالوں کو چپکالیا) "الہدیٰ" اور "مرآۃ المحررین" میں بھی اسی طرح ہے۔

ان دونوں کتابوں کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ تلبید احرام کے بعد ہوئی، میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ تلبید احرام سے پہلے تیل، اور خوشبو استعمال کرتے وقت ہوئی، ملاحظہ فرمائیے حجلہ حافظہ جی کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ دونوں حضرات امام بخاری کے قول "باب من اهل ملتہ" کے تحت لکھتے ہیں "یعنی جس نے تلبید کی حالت میں احرام باندھا" اور امام بخاری کا میلان بھی اسی جانب ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس باب سے پہلے "باب الطیب عند الاحرام" ذکر کیا ہے۔ اور اس کے بعد "باب الابلال عند سجد ذی الخلیفہ" ذکر کیا ہے۔ اور اس سے زیادہ واضح نووی کا قول ہے۔ چنانچہ وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث: "تلبید کی حالت میں احرام باندھتے تھے" کے ذیل میں لکھتے ہیں: "اس سے معلوم ہوا کہ احرام سے پہلے سر کی تلبید مستحب ہے، اور امام شافعی اور ہمارے اصحاب نے اس کی تصریح کی ہے، بدل الجہود میں مجمع البحار سے نقل کیا ہے کہ تلبید کے معنی یہ ہیں کہ احرام کے وقت سر کے بالوں میں گوند جیسی کوئی چیز لگائی جائے تاکہ بال پراگند نہ ہوں اور ان میں جوئیں نہ پڑیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ ویر تک احرام کی حالت میں رہنے کے باوجود محفوظ رہیں۔ اور جزیں دو جگہ تلبید اور اس کے احکام اور تعلقات پر مفصل کلام کیا ہے۔ ایک "باب الطیب" میں اور دوسرے "باب التلبید" میں۔ اس میں ہے کہ تلبید شافعیہ کے نزدیک سنت ہے، جیسا کہ تمام شرح حدیث نے نقل کیا ہے۔ اور کتب شافعیہ میں بھی اس کی تصریح ہے، خواہ تلبید کسی جسم والی چیز سے ہو جس سے سر ڈھک جائے۔ اور جہود نے تلبید کو مطلقاً استحبات احرام میں شمار نہیں کیا، البتہ شیخ ابن ہمام نے ریثۃ الدین سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس کو بہتر کیا ہے۔ اور غنیہ میں ہے کہ خطمی وغیرہ کے ساتھ سر کے بالوں کو چپکالینا اچھا ہے۔ لیکن تلبید ایسی معمولی ہو کہ اس سے سر ڈھک جائے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلبید کو اسی پر محمول کرنا چاہیئے۔

میرے بدل الجہود کے حاشیہ میں ہے کہ "میں نے شافعیہ کے سوا کسی کو نہیں پایا کہ اس نے اس سئلہ میں اختلاف ائمہ پر مبسوط کلام کیا ہو، بالکی وخیل کتابیں اس سے خاموش ہیں۔ البتہ صاحب کمال نے ذکر کیا ہے کہ

یہ سنت ہے، اور ابن قیمؒ نے ”الہدیٰ“ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلبید کا ذکر کیا ہے مگر اس کا حکم ذکر نہیں کیا۔ اور ہمارے اخاف نے اس کو جنایات میں ذکر کیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے، صاحب منہل فرماتے ہیں: ”اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ محرم کے لئے بالوں کی تلبید مستحب ہے کیونکہ اس میں اس کے لئے آسانی ہے۔ بال پریشان نہیں ہوں گے اور دیگر تکلیفات سے محفوظ رہیں گے۔ خصوصاً جس کے احرام کی مدت لمبی ہو۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اس کے قائل ہیں۔ اور اسی طرح حنفیہ و مالکیہ بھی اس کے قائل ہیں جب کہ تلبید معمولی ہو جس سے سر نہ ڈھکے، لیکن ایسی زیادہ تلبید جس سے چوتھائی سر یا زیادہ ڈھک جائے وہ حرام ہے اگر لے پورا دن یا اس سے زیادہ مدت رہنے دیا تو دم واجب ہوگا، اور ایک دن رات سے کم ہو تو اس میں صدقہ فطر کی مقدار صدقہ واجب ہوگا۔ پیر کا حکم ہے اور عورت کے لئے احرام میں سر ڈھانکنا ممنوع نہیں“ اھ صاحب منہل نے ائمہ اربعہ کا جو تہمید نقل کیا ہے۔ وہ مجھے ان کے فروع فقہی کتابوں میں نہیں ملے پھر تلبید برہہ اشکال ہوگا کہ حدیث میں آتا ہے کہ

حدیث تلبید اور حدیث الشعث میں تطبیق حاجی تو وہ ہے جس کے بال بکھرے ہوئے اور بدن میلا

کچلا ہو شیخ بدل میں فرماتے ہیں: ”اگر کہا جائے کہ تلبید میں بظاہر اس حدیث کی مخالفت ہے جس میں فرمایا کہ حاجی وہ ہے جس کے بال بکھرے ہوئے ہوں اور بدن میلا کچلا ہو۔ میں کہتا ہوں قطعاً کوئی مخالفت نہیں کیونکہ بالوں کے بکھرے ہونے سے مراد ترک زینت ہے اور تلبید زینت نہیں بلکہ بالوں کے بکھرنے سے جوازیت ہو سکتی ہے اس کا دافع کرنا مقصود ہے“ اھ میں کہتا ہوں کہ امام بیہقی نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ حدیث شعث احرام کے بعد کی حالت پر محمول ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ”اس بات کا بیان کہ حاجی پر گندہ سر اور غبار آلود ہوتا ہے پس احرام کے بعد سر اور ڈھکی کو تیل نہ لگائے“ اس توجیہ کے مطابق احرام سے پہلے تلبید کرنا اس کے خلاف نہیں جیسا کہ احرام سے پہلے تیل لگانا اس کے خلاف نہیں۔ عارف گنگوہیؒ قدس سرہ نے ”الکوہ“ میں اس پر بہت عمدہ کلام کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اشارہ کیا ہے کہ یہ حدیث جس میں حاجی کے بالوں کے بکھرنے اور بدن کے میلا کچلا ہونے کا ذکر ہے اس سے مقصود مدت احرام کا لمبا ہونا ہے ظاہر ہے کہ احرام کی مدت جس قدر طویل ہوگی بالوں کے بکھرنے اور بدن کے میل کچل کی مدت بھی اتنی لمبی ہوگی۔ اور یہ دونوں چیزیں جس قدر زیادہ ہوں گی اسی قدر ثواب میں اضافہ ہوگا۔

بِالْغُسْلِ مَا هَلَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمَصْلَاةٍ ثُمَّ لِمَا رَكِبَ عَلٰی نَاقَتِهِ
تَوَجَّهَ بِغُسْلٍ كَے سَاتھ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز کی جگہ تلبیہ پڑھا پھر جب
ایسی اونٹنی پر سوار ہوئے۔

راپٹ نے غسل کے ساتھ تلبید کی تھی، غسل بکسر عین و سکون عین خطمی وغیرہ جس سے مرد و عورت
بالوں کو چپکا لیا جائے تاکہ کھلنے سے محفوظ رہیں۔ ایک روایت میں "العسل" عین اور عین کے
ساتھ بھی مروی ہے۔ جیسا کہ ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے۔ نیز حافظ ابن حجر اور حافظ عینی
نے بھی اس کو ذکر کیا ہے۔ حافظ عینی نے ابن الصلاح سے نقل کیا ہے کہ روایت میں ہمد کے
ساتھ ضبط نہیں کی گئی۔ سفر السعاده کی شرح میں ہے کہ یہ تصحیف ہے اور نہایت بعید ہے اور
اگر یہ صحیح ہو تو اس کو عوف کے گوند پر محمول کیا جائے گا۔ تفصیل بدل میں ہے۔ شیخ قدس سرہ فہرست
میں فرماتے ہیں کہ "سر میں شہد غسل" لگنا تا بعید بات ہے، خصوصاً حضرت ابدا الانبیاء والمرسلین
صلی اللہ علیہ وسلم تو لطافتِ تکلف میں تمام انسانوں کے امام تھے، آپ کے حق میں تو اس کا تصور
بھی نہیں کیا جاسکتا۔ الخ

ادویہ میں ہے کہ تلبید میں اگر خوشبو نہ ہو تو اس سے حنفیہ کے نزدیک مکرم واجب ہوتا ہے۔
اور جب اس میں خوشبو بھی ہو تو دو دم واجب ہوں گے۔ ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کا یہ جواب
دیا کہ حدیث تلبید لغوی پر محمول ہے یعنی بالوں کا سینٹا اور جمع کرنا۔ نیز وہ فرماتے ہیں کہ کثرتِ رائے
کو کوئی غدر ہو گا۔ اور یہ حدیث کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کے ساتھ تلبید کی، اس کے فیصل میں ملا علی قاریؒ کہتے ہیں
کہ: "اس میں اس امر پر کوئی دلالت نہیں کہ یہ تلبید احرام سے پہلے کی تھی" یعنی حدیث غسل میں احرام یا
حج کا ذکر نہیں۔ اور مقدسی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو ایسی مناسب
تلبید پر محمول کرنا چاہیے۔ جس سے سر نہیں ڈھکتا۔ کنانی الثامی

فقہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس وقت احرام باندھا نماز کی جگہ تلبیہ پڑھا یعنی نماز کے بعد جیسا کہ اس سے
پہلے مفصل گزر چکا ہے۔ پھر جب اپنی ناقہ فصوا پر سوار ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بتراہ کی یہ روایت کہ
"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نے دینہ سے مکہ تک پیدل حج کیا تھا" منکر اور ضعیف الامداد

ثم لما استقلت به على البیداء - وكان يهل بالحج والعمرة تارةً وبالحج تارةً
توجّه - پھر جب اونٹنی آپ کو لے کر بیداء کی بلندی پر چڑھی اور آپ کبھی توجّ و عمرہ دونوں
کا تلبیہ کہتے تھے اور کبھی صرف حج کا۔

ہے۔ جیسا کہ البدایہ والنہایہ میں ہے۔ رہا یہ سوال کہ قصوا عقباء اور جدعا ایک ہی ناقہ تھی یا الگ الگ؟
نودیؒ نے اس پر مفصل بحث کی ہے۔ ان کا میلان اس طرف ہے کہ یہ تینوں ایک ہی ناقہ کے مختلف نام
ہیں۔ اور انہوں نے یہ قول محدثین براہیمؒ سے تابعی و غیر سے نقل کیا ہے، اور ابن قتیبہؒ سے نقل کیا ہے کہ تین
اونٹنیاں تھیں۔ امام بخاریؒ کا میلان پہلے قول کی طرف ہے۔ جیسا کہ حاشیہ لایع میں کتاب المغازی میں
اس پر بہت ہی تفصیل سے کلام کیا ہے۔ پھر جب اونٹنی آپ کو لے کر بیداء کی بلندی پر چڑھی راستہ
بھی تلبیہ پڑھا (رض) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تلبیہ پڑھنے کی جگہ کی تعیین میں جو مختلف روایات
مردی ہیں ان میں یہی تطبیق ہے اور یہ تطبیق حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں صراحۃً مذکور ہے، جیسے امام
ابوداؤد، طحاوی، حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے، اور امام حاکم نے کہا ہے کہ یہ مسلم کی شرط پر صحیح
ہے۔ ائمہ اربعہ بلکہ ائمہ ستہ اور ان کے اصحاب کا یہی قول ہے۔ جیسا کہ حافظہ عینیؒ نے نقل کیا ہے۔ لیکن ابی
نے ”الاکمال“ میں امام مالکؒ کا قول نقل کیا ہے کہ سوار اس وقت تلبیہ کہے جب اس کی سواری اٹھے اور
پیدل اس وقت کہے جب چلنے لگے۔ سوار کے مسئلہ میں امام شافعیؒ ان کے موافق ہیں اور امام ابوحنیفہؒ
فرماتے ہیں کہ دونوں جب نماز سے فارغ ہو جائیں تو تلبیہ پڑھیں۔ اور جن میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔
اور اس میں امام احمدؒ سے نقل کیا ہے کہ تینوں صدقوں کی گنجائش ہے کیونکہ تینوں صحیح روایات سے ثابت
ہیں۔ البتہ بہتر ہے کہ تلبیہ نماز کے فوراً بعد ہو۔

اور آپ کبھی توجّ و عمرہ دونوں کا تلبیہ کہتے تھے اور کبھی صرف حج کا۔ ”الہدی“ میں صرف ان دونوں
صورتوں کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔ اور صاحب مرآۃ نے اسی کی پیروی کی ہے۔ بظاہر اس کے بعد یہ
بھی کہنا چاہیے اور کبھی صرف عمرہ کا عجیب بات یہ ہے کہ شیخ ابن قیمؒ نے اس صورت کو ذکر نہیں کیا۔ اور
ادبام احرام میں اس شخص کا مذہب بھی ذکر کیا ہے جس کا قول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف
عمرہ کا تلبیہ کہا اور اسی پر قائم ہے۔ اور اس سے بھی عجیب تر یہ ہے کہ موصوف نے اس صورت کا انکار
کیا ہے جیسا کہ آگے آتا ہے۔ کو کتب میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج مبارک میں راویوں کا

وكان الاهدال بعد الظهور.

ترجمہ: اور آپؐ نے ظہر کے بعد احرام باندھا تھا۔

جو اختلاف ہے کہ آپؐ نے صرف حج کا احرام باندھا تھا یا حج و عمرہ دونوں؟ یا پہلے عمرہ کا احرام تھا پھر اس پر حج کا احرام داخل کر لیا تھا؟ _____ اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تلبیہ کے الفاظ مختلف تھے۔ کبھی صرف حج کا تلبیہ کہتے تھے، کبھی حج و عمرہ دونوں کا، اور کبھی صرف عمرہ کا۔ جس نے جیسا سنا ویسا نقل کر دیا۔ مگر الہدیٰ کی عبارت سے اس پر اشکال ہو گا چنانچہ اس میں کہا ہے کہ ”کسی نے یہ نہیں کہا کہ آپؐ نے صرف عمرہ کا احرام باندھا، یا صرف عمرہ کا تلبیہ پڑھا۔ یا صرف عمرہ ادا کیا“ الخ الہدیٰ کی یہ عبارت بہت ہی مشکل ہے۔ جیسا کہ ابھی گذرا۔ نیز احصام کی جو تفسیر قسم میں ان لوگوں کا قول ذکر کیا ہے جو کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے عمرہ کا احرام باندھا تھا پھر اس پر حج کا احرام داخل کر لیا تھا، اور اس قول کی تائید میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث جو صحیحین میں مروی ہے، ذکر کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا پھر حج کا، اور ظاہر ہے کہ جو شخص عمرہ کا احرام باندھے وہ اس کا تلبیہ بھی پڑھے گا۔ شیخ قدس سرہ کے کلام کی تائید ملا علی قاری کے قول سے بھی ہوتی ہے جو موصوفی نے مرقاۃ میں حدیث منامی اہل بیح و عمرہ کے تحت ذکر کیا ہے، وہ فرماتے ہیں ”احتمال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قادن ہوں اور آپؐ کبھی حج کا تلبیہ کہتے ہوں، کبھی حجرہ کا اور کبھی حج و عمرہ دونوں کا“ اور ہر ایک نے جو سنایاں کر دیا۔ اور اوچتر میں حجر سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے، صاحب بحر فرماتے ہیں کہ ”ہاں اسے ائمہ نے مختلف روایات میں یہی تطبیق ذکر کی ہے“ اور یہی تطبیق ابن ہمام نے ذکر کی ہے۔ نیز اس کی تائید امام طحاوی کے اس قول سے ہوتی ہے جو حاشیہ کو کتب میں بذیل سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ”ہو سکتا ہے کہ یہ حج مفرد کا تلبیہ، عمرہ مفرد کے تلبیہ کے بعد ہوا ہو، وہ اس طرح کہ آپؐ نے پہلے صرف عمرہ کا احرام باندھا ہو جیسا کہ قاسم اور محمد بن عبدالرحمن عن عروہ کی حدیث میں ہے، بعد ازاں حج کا احرام باندھ لیا ہو۔ یہ تاویل اس بنا پر ضروری ہے تاکہ یہ تمام روایات متحد و متفق ہو جائیں۔“ انتہی اور ان تمام دلائل میں قومی تردیل ابن عباس کی کی حدیث ہے جو صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا، اور آپؐ کے صحابہ کرام نے حج کا، اور آپؐ نے ظہر سے قبل نہیں بلکہ ظہر کے بعد احرام باندھا۔

وکان حجه علی رحل۔

اور آپ کا حج پالان پر ہوا

جیسا کہ اس سے پہلے گذر چکا ہے اور ابن حزم کو دم ہوا چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ آپؐ نے ظہر سے ذرا پہلے احرام باندھا تھا البتہ میں تو اسی طرح ہے اور ہمارے شیخ المشائخ حضرت گنگوہی قدس سرہ کو کب میں حدیث: "اہل دبر الصلوٰۃ کے تحت فرماتے ہیں: "یہ نفل نماز ہے۔ اگر صرف فرض پر اکتفا کیا جائے تب بھی کوئی مضائقہ نہیں لیکن بہتر نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نفل نماز چاشت کے وقت پڑھی تھی۔ آپؐ نماز فجر پڑھ کر انتظار میں بیٹھے رہے جب سورج طلوع ہوا تو غسل فرمایا اور احرام باندھا۔ میں کہتا ہوں اس کی تائید بخاری کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو پہلے گذر چکی ہے کہ آپؐ نے صبح کی نماز ادا کی پھر سوار ہوئے۔"

اور آپؐ کا حج پالان پر ہوا۔ امام بخاری نے اس پر یہ ترجمہ الباب قائم کیا ہے "باب الحج علی الرحل حافط فرماتے ہیں: "رحل یعنی نعلین اور سکون حائے ہملہ اوٹ کے کچا دے کو کہتے ہیں جس طرح کہ گھوڑے کیلئے زین ہوتی ہے مصنف اس ترجمہ سے اس طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ حج میں سادگی تنعم سے افضل ہے۔ تنعم نہ محمل میں ہونے کچا دے میں نہ عمارت میں نہ کہتا ہوں کہ مرآۃ کے حاشیہ میں ہے کہ محمل بروزن مجلس اوٹ کے کچا دے کی دونوں جانبوں کو کہتے ہیں جن میں دونوں طرف آدی سوار ہوں اور ہودج: عورتوں کی سواری جس پر قبہ بنا ہوا ہو اور عمارت ہودج کو کہتے ہیں۔"

اور کیا محرم کے لئے ہودج وغیرہ میں سوار ہونا محرم کا ہودج میں سوار ہونا اور سائے میں جائز ہے؟ اس میں امام احمد سے دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جائز ہے۔ اور یہی امام شافعی اور امام ابو حنیفہ

کا مذہب ہے، دوم یہ کہ جائز نہیں اور یہ امام مالک کا مذہب ہے تفصیل اجزاء میں ہے۔ نیز نعل کے باب المحرم یطلق میں بھی ہے شیخ ابن قیمؒ اس مجرم کے قصد میں جس کا عرف میں انتقال ہوا تھا فرماتے ہیں کہ محرم کے لئے سر ڈھانکنا ممنوع ہے۔ اور اس کے تین درجے ہیں، ایک بالاتفاق ممنوع ہے، دوسرا بالاتفاق جائز ہے اور تیسرا مختلف فیہ ہے، اول درجہ میں ہر وہ چیز ہے جو سر سے متصل اور مالس ہو اور جو سر ڈھانکنے کے لئے مقصود ہو، جیسے عمامہ وغیرہ۔ دوسرے درجہ میں خیمہ، مکان اور درخت وغیرہ ہیں البتہ امام مالک کے نزدیک محرم کیلئے یہ ممنوع ہے کہ درخت پر کپڑا ڈال کر سایہ حاصل کرے۔ اور اکثر علماء کو ان سے اتفاق نہیں۔ تیسرا درجہ محمل اور ہودج کا ہے، اس میں امام احمد کے تین قول ہیں۔ اول:

رقلت، وقال اللهم اجعله حجاً لا يأتى فيه ولا مسعته قال، وخيرهم رسول الله صلى الله عليه وسلم بين الانساك الثلاثة عند الاحرام وولدت اسماء محمد بن ابى بكر رقلت، وانا جبريل وامره ان يامر اصحابه برفع الاصوات
 ترجمہ: (رش) اور آپ نے دعا کی کہ اے اللہ اس کو ایسا حج بنا جس میں ریاد و سمعہ نہ ہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھنے کے وقت صحابہ کو اختیار دیا کہ وہ حج کی تینوں اقسام میں جس قسم کا چاہیں احرام باندھ لیں۔ اور اسرار کے بطن سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔
 (رش) اور حضرت جبریل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ اپنے صحابہ کو آوازیں بلند کرنے کا حکم فرمائیں۔

جواز۔ یہ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ دوم یہ کہ ممنوع ہے۔ اور اگر اس نے اس کا ارتکاب کیا تو فدیہ دے۔ یہ امام مالک کا قول ہے۔ سوم یہ کہ ممنوع ہے لیکن اگر اس کا ارتکاب کیا تو فدیہ واجب نہیں۔
 (رش) اور آپ نے دعا کی کہ اے اللہ اس کو ایسا حج بنا جس میں ریاد و سمعہ نہ ہو۔ جیسا کہ شامل میں ہے۔ اور اسی کی مثل فتح اور البیاد و النہایہ میں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو تینوں مناسک اختیار دیا
 (رق) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھنے کے وقت صحابہ کو اختیار دیا کہ وہ حج کی تینوں اقسام میں جس قسم کا چاہیں احرام باندھ لیں۔ پھر مکہ کے قریب پہنچے تو جن لوگوں کے پاس ہدی کے جانور نہیں تھے آپ نے ان کو ترغیب دی کہ وہ حج کو فسخ کر کے عمرہ بنالیں، پھر مرہ کے پاس اس کا قطعی حکم فرمایا۔

اور ذوالحلیفہ میں حضرت اسماء بنت عیسٰی زوجہ ابی بکر رضی اللہ عنہ کے بطن محمد بن ابی بکر کی ولادت
 سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے پس راہبوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی معرفت مسئلہ دریافت کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم فرمایا کہ غسل کر کے احرام باندھ لیں۔ ان کے اس قصد میں بہت سے مسائل ہیں۔ ان میں سے شیخ ابن قیمؒ نے تین مسائل ذکر کئے ہیں۔ اول مجرم کا غسل کرنا۔ دوم یہ کہ حائضہ بھی احرام کے لئے غسل کرے۔ سوم یہ کہ حائضہ کا احرام صحیح ہے۔
 حیض و نفاس والی عورت کا احرام کیلئے غسل کرنا تمام علماء کے حائضہ کا احرام کیلئے غسل کرنا
 نزدیک مستحب ہے، مگر ابن حزم کے نزدیک فرض ہے کہانی البیہ۔

(رش) اور حضرت جبریل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ اپنے صحابہ کو آوازیں بلند کرنے کا حکم فرمائیں۔ یہ بات ابن باواز بلند تبلیہ کہنے کا حکم

مذکورہ میں سے بعض ان الفاظ سے منع ہے جو کہ لفظ تلبیس سے نکال دیئے گئے ہیں۔
 وقال ثم سار تلبی
 ترجمہ (ق) پھر تلبیس کہتے ہوئے چلے۔

عربی نے کبھی ہے اور اس سلسلہ میں روایت مشہور ہے امام مالک بخلاف اس سائب سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جس طرح علیہ السلام آئے ہیں انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں اپنے صحابہ کو اس بات پر مقرر فرمایا ہے کہ وہ تلبیس میں اپنی آوازیں بلند کریں۔ اور جس میں اس حدیث پر مفصل کلام کیا ہے، اور اس میں آپ کے ارشاد و کلام میں اپنے صحابہ کو حکم کروں: بلکہ سخت نکال دیا ہے کہ جو حدیث کے نزدیک یہ حکم استحب کے لئے ہے اور ظاہرہ کے نزدیک یہ حکم وجوب کے لئے ہے۔ اور ابناؤ تلبیس کہنے میں ان کے اختلاف کی تفصیل بھی اور جزیں مذکور ہے۔ خلاصہ یہ کہ امام ابو حنیفہ اور اقوال جزیں امام شافعی کے نزدیک بلند آواز سے تلبیس کہنا مستحب ہے۔ اور ان کا قول قلم یہ ہے کہ مسجد جماعت میں بلند آواز سے تلبیس نہ کہا جائے، البتہ مسجد حرام، مسجد منیٰ اور مسجد عرفہ اس سے مستثنیٰ ہیں اور امام مالک سے اس مسئلہ میں روایات مختلف ہیں۔ ابن قاسم کی روایت ہے کہ مسجد حرام اور مسجد منیٰ کے علاوہ اگر بلند کی جائے تو ایسا درست فرماتے ہیں: اہل علم کا اجماع ہے کہ غور کا تلبیس ہے بلکہ اس کی آواز نہ دے۔ اپنے آپ کو سنائی دے۔ اسی طرح ظاہرہ کے نزدیک بلند آواز سے تلبیس کہنے کے وجوب کو منہ سے نکالیں۔ مگر جب نے ذکر کیا ہے۔

حنیفہ نے اس حدیث سے ایک اختلافی مسئلہ پر تلبیس کے الفاظ زبان کہنا ضروری یا نہیں؟
 اللہ تعالیٰ اعلم، وہ یہ کہ احرام کے وقت تلبیس کے الفاظ زبان سے کہنے کا حکم ظاہر ہی ہے، چنانچہ وجہ میں معنی سے نقل کیا ہے کہ آدمی کے لئے احرام کے الفاظ زبان سے کہنے اور کہنا مستحب ہے تاکہ اللہ سے قربت ہو۔ اگر زبان سے کہنا نہیں کیا بلکہ صرف نیت پر کفایت کی تو جائز ہے۔ امام فخر الدین مالک اور امام شافعی کے نزدیک کافی ہے۔ اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں صرف نیت کافی نہیں جب تک کہ نیت کے ساتھ تلبیس کے الفاظ زبان سے ادا نہ کئے جائیں یا اس کے بجائے ہدی کے جائزوں کو کہنا چاہئے۔ اور تلبیس کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فو الخلیفہ میں احرام نہ کرنا چاہئے۔

ترجمہ (ق) پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تلبیس کہتے ہوئے چلے۔
 تلبیس کے الفاظ اور ان میں کی بیشی کا حکم
 اللہ تعالیٰ اعلم، تلبیس کا لفظ ہے یعنی لیسک اللهم لیسک لیسک

قلت و اجتمع علی ظہر القدم بمثل

الحمد والثناء

ترجمہ: (رش) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مثل میں اپنے قدم کی نشت پر کھینچنے لگوا ہے۔

لا شريك لك لبيك ان الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك۔ آپ کے تلبیس کی وضاحت

صاحب البدایہ والنہایہ نے تفصیل سے ذکر کی ہیں۔ اور صحابہ ان الفاظ سے کسی بھی چیز پر کھینچے گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کسی چیز نہیں فرمائی۔ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے جس کی تفصیل اور جز میں

ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تلبیس میں باقی جاننے سے یا مکروہ ہے؟ اور بعض روایات میں

آپ کے معروف تلبیس کچھ زائد الفاظ بھی مروی ہیں۔

(رش) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مثل میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل میں کھینچنے لگوانا

میں اپنے قدم کی نشت پر کھینچنے لگوائے، ملا علی قاری

شرح شمائل میں فرماتے ہیں: مثل یعنی سیم و لام اولیٰ، مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے جو

مدینہ طیبہ سے ستر میل ہے، جیسا کہ اجز میں ہے اور مرآۃ کے حاشیہ میں ہے کہ یہ مدینہ سے ایک رات کی

مسافت پر ہے، عزیز محمد رابع نے اپنے مقالہ میں جس کا ذکر ذوالحلیفہ میں گزر چکا ہے ذکر کیا ہے کہ یہاں

سجکل بھی اسی نام سے معروف ہے۔ مگر منزل نہیں۔ اور محمد البدایہ میں ہے کہ یہ مدینہ سے چار میل ہے۔

مکہ و مدینہ کے درمیان میں ایک منزل ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ مثل اور مدینہ کے درمیان دو دن کی مسافت

ہے۔ اس کو مثل اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ چلنے والا مدینہ سے چل کر وہاں مشقت اور ٹھکنے کے بعد

یہ پہنچ سکتا ہے۔

اور ملا علی قاری کے قول اور صاحب معجم البدایہ کے قول میں اختلاف کی وجہ غالباً یہ ہے کہ مختلف

زمانوں میں مختلف راستے ہوتے تھے، چنانچہ آج بھی اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ یہاں سیڑھی راستوں

میں اگر پیادہ کے اوپر سے جائیں تو راستہ لاتبا ہو جاتا ہے اور اگر پیادہ کے زانوں سے گزر جائیں تو راستہ

مختصر ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے سفر میں کھینچے لگوائے تھے یا کسی عمر کے

سفر میں؟ دونوں کا احتمال ہے۔ جیسا کہ شرح شمائل میں کھینچنے لگوانے کی جگہ اور حصہ بدل کے بات سے

جو مختلف روایات مروی ہیں ان کے مابین تطبیق کی یہی صورت اختیار کی ہے تفصیل اور جز میں ہے۔

نیز اجز میں ہے کہ امام ترمذی اور تاج العین کی ایک جماعت کا

حجر مکینے کھینچنے لگوانا جائز ہے یا نہیں | قول ہے کہ احرام کی حالت میں کھینچنے لگوانا مطلقاً جائز ہے، امام

ر قال، فلما كانا بالروحاء

توجه: رق، پس جب روحا پہنچے

ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد، اور امام اسحاق فرماتے ہیں۔ کہ اگر بال نہ لگیں تو جائز ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ محرم کے لئے بلا ضرورت احتجام جائز نہیں۔ یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اور امام مالک اسی کے قائل ہیں، مؤلف ابن قدامہ فرماتے ہیں: ”رہی حجامت یعنی پچھنے لگوانا، سو اگر بال نہ لگیں تو جہور کے قول میں بغیر فدیہ کے مباح ہے کیونکہ یہ ایک علاج ہے جس میں خون نکالا جاتا ہے۔ اس لئے فصد کے مشابہ ہے، اور امام مالک فرماتے ہیں کہ بلا ضرورت پچھنے نہ لگوائے۔“ نیز اوجز میں ہے کہ اگر سینگیان لگانے کیلئے بال کاٹنے کی ضرورت ہو تو کاشنا جائز ہے۔ چنانچہ عبد اللہ ابن نجیحہ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کے درمیان سینگیان لگوائیں۔ ظاہر ہے کہ اتنی جگہ سے بال صاف کرنے پڑے ہونگے۔ امام مالک، ابو حنیفہ، شافعی اور امام احمد کا یہی قول ہے اور صاحبین فرماتے ہیں کہ کچھ صدقہ کر دے۔ تفصیل اوجز میں ملاحظہ فرمائیں۔

پھر جب روحا پہنچے، روحا، دوسری منزل ہے، اور یہ مدینہ سے دو دن

دوسری منزل روحا | کے فاصلے پر ہے، جیسا کہ حاشیہ لایع میں ہے۔ بخاری کی حدیث میں اس کا ذکر

اُن مساجد کے ضمن میں آیا ہے جو مکہ و مدینہ کے مابین واقع ہیں، حاشیہ لایع میں اس پر مفصل کلام کیا ہے۔ اس میں ہے کہ زخشری کی کتاب الحبال میں ہے کہ مدینہ اور روحا کے درمیان تین میل کم چار برید کا فاصلہ ہے اور صحیح مسلم میں ۳۶ میل کا فاصلہ مذکور ہے، اس کا نام روحا اس بنا پر ہے کہ یہ بہت عمدہ اور پُر فضا جگہ ہے، عزیز محمد ربیع لکھتے ہیں کہ ”یہ آج کل بھی اسی نام سے معروف ہے۔ مگر اس زمانے میں منزل نہیں۔ اور یہ مدینہ سے ۱۱ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔“ اھ۔

ترمذی شریف میں عمرو بن عوف کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی روحا میں نماز پڑھی اور فرمایا کہ اس مسجد میں ستر بیویوں نے نماز پڑھی ہے۔ کذا فی الفتح۔ وفاد الفار میں مسجد عرقہ النطیبة کے بیان میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بدر سے جہاد کا مشورہ اسی مسجد میں فرمایا تھا اور یہ روحا سے دو میل اُدھر ہے۔ اسی کتاب میں اس کے بعد مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے پہلے یہاں ستر انبیاء نے نماز پڑھی ہے۔ صلوات اللہ وسلامہ

رأى حمار وحش عقيراً - ثم مضى حتى اذا كان بالاثناية
توجه - تو ایک حمار وحشی دیکھا، جو زخمی تھا، پھر آپ چلے یہاں تک کہ جب "اثناية" پہنچے

عليہم اجمعین" اس مسجد اور موضع کو اس کتاب میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

تو ایک حمار وحشی دیکھا۔ یہاں طبری کو وہم ہوا ہے کہ یہ حمار وحشی حضرت ابو قتادہؓ نے شکار کیا تھا۔ حالانکہ ابو قتادہؓ کے شکار کا واقعہ عمرہ حذیبیہ کا ہے۔ کذا فی الہدی۔ غالباً وہم کا منشاء بخاری کی روایت ہے جس میں "حاجاً" کا لفظ ہے۔ حافظؒ نے اس کو ذکر کر کے یہ جواب دیا ہے کہ یہ مجاز ہے اور عینیؒ نے اس کو غلط قرار دیا ہے۔ شیخ ابن ہمامؒ اس طرف مائل ہیں کہ یہ منفرج کا واقعہ ہے۔ صاحب "ذفا" نے حمار کا قصہ تمام عرج میں ذکر کیا ہے۔ جو زخمی تھا۔ آپؐ نے فرمایا اسے رہنے دو۔ عنقریب اس کا مالک آئے گا۔ چنانچہ حقوڑی ویر بعد قبیلہ بنہز کا ایک شخص آیا جس نے اسے زخمی کیا تھا۔ اس نے عرض کیا رسول اللہ! اس حمار کو آپ جو چاہیں کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا اور انہوں نے وہ تقسیم کر دیا۔ بہزی کی یہ حدیث امام مالکؒ نے مؤطا میں انہی الفاظ میں۔ اور امام مالکؒ کی سند سے نسائیؒ نے بھی روایت کی ہے امام طحاویؒ نے اس کو کئی سندوں سے روایت کیا ہے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: "بہزی آیا، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ میرا شکار ہے اسے کھاؤ پس آپؐ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تقسیم کرنے کا حکم فرمایا اللہ! اور وفادار الوفا! میں جو ہے کہ "ایک بہر کا آدمی آیا" غالباً یہ تحریف ناقل ہے، اس حدیث کے مختلف طرق اور میں مفصل مذکور ہیں۔ اور ایک حمار وحشی کا قصہ صعب بن جنادہؒ کی حدیث میں عنقریب آتا ہے۔ نیز محرم کو شکار کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا اختلاف بھی آگے آتا ہے۔

پھر آپؐ چلے یہاں تک کہ جب "اثناية" پہنچے۔ "تیسری منزل ہے۔ تیسری منزل اثناية" اور بخاری کی حدیث المساجد سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تیسری منزل رویشہ ہے۔ صاحب وفادانے "اثناية" کو رویشہ کے بعد ذکر کیا ہے۔ اور الہدی میں ہے کہ "اثناية" رویشہ اور عرج کے درمیان ہے اور مؤطا کی روایت میں بھی اسی طرح ہے، حموی نے اس کا ضبط خوب بسط سے ذکر کیا ہے۔ اور اس میں اختلاف نقل کیا ہے کہ یہ یا "کیا تہ دثا ئیہ" ہے یا "کیا تہ دثا ئیہ" (ثا تہ) ہے یا "نوں کے ساتھ اثنا تہ" ہے۔ نون کو غلط قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ صحیح اول ہے یعنی یا کے ساتھ اثنا تہ۔ مرقاۃ میں ہے

اذا ظبی حاقف۔ ہر ان کے لئے ایک ہرن ریت کے ٹیلے میں بیٹھا ہے۔
توجہ: نو دیکھا کہ ایک ہرن ریت کے ٹیلے میں بیٹھا ہے۔

کہ ہنزہ پر مینوں حرکتیں صحیح ہیں۔ اور معجم البلدان سے نقل کیا ہے کہ یہ جو جگہ کے راستے میں ایک جگہ ہے،
مدینہ سے اس کا فاصلہ ۵۴ فرسخ ۲۵ میل ہے لیکن معجم کا جو نسخہ ہمارے سامنے ہے اس میں ۲۵ فرسخ
(۵۷ میل) مذکور ہے۔ اس کی تائید محلی کی عبارت سے بھی ہوتی ہے جو اجز میں نقل کی ہے کہ یہ ایک جگہ
کا نام ہے جو جو جگہ کے راستے میں مدینہ سے ۵۴ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ "اھ اور حاشیہ بخاری میں ہے کہ
رویشہ اور حار کے درمیان ۴۲ میل کا فاصلہ ہے۔ عزیز محمد رابع نے لکھا ہے کہ یہ تحقیق نہیں ہو سکی کہ
آجکل اس کا نام کیا ہے۔" اھ

تو دیکھا کہ ایک ہرن ریت کے ٹیلے کے سائے میں بیٹھا ہے۔ اور اس
ترجمی ہرن کا واقعہ میں تیر پیوست ہے، آپ نے ایک شخص کو حکم فرمایا کہ اس کے پاس کھڑا ہے
تاکہ کوئی شخص اس سے تعرض نہ کرے یہاں تک کہ تمام رفقاء یہاں سے گزر جائیں۔ اس ہرن کے درمیان
اور گذشتہ بالا حار وحشی کے درمیان فرق یہ ہے کہ حار وحشی کا شکار کرنے والا احرام میں نہیں تھا۔ اسلئے
اس کے کھانے سے منع نہیں فرمایا۔ اور اس ہرن کے شکار کنندہ کے بارے میں معلوم نہیں تھا کہ وہ بغیر
احرام کے ہے یا نہیں؟ اس لئے اس کے کھانے کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ ایک شخص کو وہاں کھڑا کر دیا تاکہ
کوئی اس کو پکڑے نہیں۔ کنافہ الہدی۔ اور جز میں ان دونوں کے درمیان وجہ فرق تفصیل سے ذکر
کئے ہیں۔ ایک ان میں سے یہی جو الہدی سے نقل کیا ہے۔ اور اس میں یہ بھی کہیں کہیں کہ ان دونوں
کے درمیان فرق ظاہر ہے وہ یہ کہ ہرن زندہ تھا جیسا کہ اس کی تصریح موجود ہے، اور یہ وجہ فرق
سب سے بہتر ہے۔ بلکہ یہی متعین ہے۔ باجی نے دونوں کے درمیان دو وجہ سے فرق بیان کیا ہے۔ ایک
یہی جس کو میں نے اختیار کیا ہے۔ دوسرا یہ کہ جس شخص نے تیر سے اس ہرن کا شکار کیا تھا وہ اس کا مالک
ہو گیا تھا لہذا اس کی اجازت کے بغیر اس میں تصرف کا حق نہیں تھا۔ اھ

اس قصہ میں اس سلسلہ کی دلیل ہے کہ محرم نے جس شکار کو قتل کیا ہو وہ
محرم کا شکار حرام ہے۔ مردار کی طرح ہے، کیونکہ اگر حلال ہوتا تو اس کی مالیت ساقط نہ ہوتی۔ کنافہ
الہدی۔ اور جز میں حق تعالیٰ کے ارشاد ولا تقتلوا الصيد وانتم حرم سے متعلقہ اباحت کے ضمن

رحلت) و احقر علی راستہ الجحی جمل۔
توجہ رشتہ اور اپنے سر پر الجحی جمل نامی جگہ میں سینگ لگوائی۔

میں ذکر کیا ہے کہ غالباً اللہ تعالیٰ نے تعیم کی خاطر ذبح کے بجائے قتل کا لفظ ذکر فرمایا ہے۔ ابوجہا
فرماتے ہیں: یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ ہر وہ شکار جس کو حرم قتل کرے وہ حلال نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ
نے اس کو قتل کہا ہے اور مقتول کا کھانا جائز نہیں۔ صرف مدبوح کا کھانا حلال ہے۔ اور جس کو ذبح
کیا جائے اسے مقتول نہیں کہتے۔ پوری تفصیل اور جز میں دیکھئے۔

رشتہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر پر اور ابن جعفر
لجیحی جمل میں سینگ لگوانا کی حدیث میں ہے: ”سر کے درمیان سینگ لگانے کی جگہ کا بیان ہے کیونکہ

وہ مختلف جگہوں میں مختلف ہوتی ہے اور سر میں سب سے سخت ہوتی ہے۔ لجیحی جمل نامی جگہ میں سینگ
لگوائی۔ لجیحی: فتح لام و سکون حائے ہمد و یائے مقصورہ و یائے ساکنہ بلفظ ثقیہ اور جمل: فتح جیم و
میم یہ مکہ کے راستے میں ایک جگہ کا نام ہے جیسا کہ موطا امام مالک کی روایت میں ہے موطا امام محمد کے
نقطہ یہ ہیں کہ مکہ کے راستے میں ایک جگہ میں جس کو ”لجیحی جمل“ کہا جاتا ہے۔ یہ یک فرماتے ہیں: ”لجیحی جمل“

بعض روایات میں بلفظ ثقیہ ہے اور بعض میں بلفظ مفرد لام مفتوح ہے۔ اور اس کا سر و لجیحی جمل ہے۔

اور حاد ساکن ہے۔ بغوی نے اس کو اپنی معجم میں اسم عقیق کے ذیل میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ وہ

سر جمل ہے جس کا تذکرہ ابو جہم کی تمیم والی حدیث میں آیا ہے ابن وضاح وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ جحفہ کے بعد

تھیلے سات میل کے فاصلہ پر ایک مغرب جگہ ہے۔ کنانی الاوجہ۔ اور معجم میں ہے کہ لجیحی جمل کی جگہوں

کا نام ہے پھر ان کی تفصیل ذکر کی ہے۔ یہ جگہ مکہ مدینہ کے درمیان ہے اور مدینہ سے قریب تر ہے۔

کنانی المعجم والفتح والعیش۔

بعض کا خیال ہے کہ لجیحی جمل سے مراد وہ آٹھ ہے جس سے سینگ لگائی جاتی ہے یعنی اونٹ کے

دونوں جبڑوں کی ہڈی سے احجام کیا۔ معجم میں ہے: ”لجیحی جمل ہر جبڑے والے جانور کی دو ہڈیاں
جس میں دانٹ ہوتے ہیں۔ جمع لجحی“ اصر اوجز میں ہے: ”ہاں“ (مراد لینا) ہم ہے اور پہلے معنی ہی محمد
ہیں۔ یعنی یہ جگہ کا نام ہے۔ جیسا کہ موطا امام مالک موطا محمد بخاری شریف اور دیگر کتابوں میں اس کی

رقال، ثم سار حتى نزل بالعرج. وكانت زاملته وزاملته ابى بكر واحد
 توجده (رق) پھر چلے یہاں تک کہ "عرج" میں فروکش ہوئے۔ اور آپ کی اور ابو بکرؓ
 کی سامان بردار اونٹنی ایک ہی تھی۔

قصرتح موجود ہے۔ حازمی فرماتے ہیں کہ وسط میں احجام کا واقعہ حجة الوداع کا ہے۔ کذافی الاوجز
 اور محرم کے سنگی لگوانے کا حکم قریب ہی گندل ہے۔ یہاں "ملک" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں
 کی پشت پر سنگی لگوانے کا ذکر ہوا۔

رق) پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چلے یہاں تک کہ "عرج" میں فروکش
 ہوئے۔ "عرج" کا ذکر بخاری شریف کے باب المساجد میں ہے بخاری کے
 حاشیہ میں عینی سے نقل کیا ہے کہ یہ نفتح عین و سکون را ہے اس کے بعد جمیم ہے۔ مکہ اور مدینہ کے راستے میں
 ایک بڑی بستی ہے۔ انتہی۔ یہ چوتھی منزل ہے۔ اس کے اور رویشہ کے درمیان ۴۴ میل کا فاصلہ ہے۔ یہ
 انس عرج کے علاوہ ہے جو طائف کے پاس ہے۔ کذافی معجم البلدان۔ بیوری بحث تلخیص بدل میں ہے۔
 یاقوت حموی نے اس نام کی کسی جگہ نہیں ذکر کی ہیں۔ منجمدان کے ایک یہی ہے جو جرین کے درمیان ہے۔
 اور ایک طائف کے علاقہ میں ہے۔ نیز ایک یمن کے شہر کا نام ہے۔ اور اسکی وجہ تسمیہ میں متعلقہ اقوال نقل کئے ہیں۔
 اور آپ کی اور ابو بکرؓ کی سامان بردار اونٹنی
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کا
 سامان ایک ہی اونٹنی پر تھا
 ایک ہی تھی حاشیہ امراء میں ہے کہ زاملہ وہ اونٹ کہلاتا
 ہے جس پر قتلہ اور سامان لاوا جائے۔ یزدل سے ماخوذ
 ہے جس کے معنی ہیں لادنا۔ اور زمیل وہ شخص کہلاتا ہے جس کا سامان تمہارے سامان کے ساتھ ایک ہی اونٹ

پر ہو۔ اس حدیث پر یہ اشکال ہوگا کہ امام بخاری نے "باب الحج علی الرجل" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی
 روایت ذکر کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی پر حج کیا۔ اور وہی آپ کی زاملہ (سامان بردار) تھی،
 شامین میں سے کسی نے اس اختلاف سے تعرض نہیں کیا۔ میرے نزدیک اس اشکال کا حل یہ ہے کہ یہ
 مختلف اوقات پر محمول ہے، چنانچہ ابو داؤد کی روایت (جو یہاں متن میں ذکر کی گئی ہے اس) میں تصریح ہے
 کہ یہ مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے راستہ کا واقعہ ہے۔ اور حدیث بخاری سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ وہ مکہ سے

فاضلہا علامہ خلیفہ ابو بکر بصریہ د قال بعید واحد تفضلہ،
ترجمہ: حضرت ابو بکرؓ کے غلام نے اس کو گم کر دیا۔ پس ابو بکرؓ اسے مارنے لگے۔ اور فرمایا: ایک ہی تو
اونٹ تھا تو نے وہ بھی گم کر دیا؟

عرفات کے راستہ کا قصہ ہے۔ پہلا سفر جو تکہ طویل تھا۔ اس بنا پر بہت سامان اور بہت سی ضروریات توشتہ
وغیرہ ساتھ ہوئی۔ لہذا وہ ایک مستقل سواری پر ہوئی۔ اس لئے تمام سامان حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
کے سامان والی اونٹنی پر تھا لیکن مکہ سے عرفات کا سفر مختصر تھا۔ اس میں بستر اور سامان وغیرہ کی زیادہ
ضرورت نہ تھی۔ اس لئے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی اونٹنی پر ہوگا۔ اس کی تائید حضرت جابرؓ
کی حدیث طویل سے بھی ہوتی ہے، اس میں مقام غزوہ کے بارے میں یہ لفظ ہیں: پس جب یوحنا ڈھلا تو اپنے
قصوار کی تیاری کا حکم دیا چنانچہ اس پر کچا وہ رکھا گیا اور ظاہر یہ ہے کہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا
سامان بھی ہوگا۔ اور اس پر حدیث ابن ماجہ سے اشکال نہیں ہوتا، جو حضرت اسامہؓ سے بایں الفاظ مروی ہے کہ
ہم ہمارے اور ابو بکرؓ کے سامان کے لئے ایک ہی اونٹنی تھی۔ جو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے غلام کے پاس تھی، کیونکہ ان
دونوں باتوں کے درمیان کوئی منافات نہیں کہ آنحضرتؐ کا سامان بھی امیر معاویہؓ کے سامان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سامان
بھی، اس کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ البدایہ والنہایہ میں منہاجہ سے حدیث ابن ماجہ کی مثل روایت نقل
کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں: کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اور حضرت ابو بکرؓ کی سامان بردار اونٹنی ایک
ہی تھی۔

حضرت ابو بکرؓ کے غلام نے اس اونٹنی کو گم کر دیا۔ ابو داؤد کے لفظ یہ
حضرت ابو بکرؓ کا غلام کو مارنا | پس ابو بکرؓ کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سامان بردار اونٹنی حضرت
ابو بکرؓ کے غلام کے پاس تھی۔ ابو بکرؓ بیٹھے انتظار کر رہے تھے کہ غلام اونٹنی کو لے کر نکلتے گا۔ وہ آیا تو اس کے
پاس اونٹنی نہیں تھی۔ فرمایا تمہارا اونٹ کہاں ہے؟ عرض کیا کہ وہ تو گزشتہ رات سے گم ہو گیا ہے۔ پس
ابو بکرؓ اسے مارنے لگے، شیخ بطل فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خادم کی گوشمالی، حق تعالیٰ کے
ارشاد و دلائل فی الحجہ کے ضمن میں نہیں آتی، ورنہ ابو بکرؓ کبھی اس کی جرأت نہ کرتے۔ اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو اس سے منع کر دیے۔ لیکن آپ کا ارشاد کہ: ان محرم صاحب کو دیکھو یہ
کیا کر رہے ہیں؟ اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ محرم کے لئے یہ بھی مناسب نہیں؟

اور فرمایا: ایک ہی تو اونٹ تھا تو نے وہ بھی گم کر دیا؟ نہ قافی میں ہے کہ فضالہ سلمیٰ کی آل کو

ثم مضى حتى اذا كان بلالاً بوا.
پھر آپ چلے یہاں تک کہ جب ابوا پیچھے

جب خبر پہنچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سامان بردار اونٹنی گم گئی ہے تو حلوے کا ایک ڈبر لائے اور خدمت اقدس میں پیش کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے گئے: ”اُو ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے عمدہ غذا ہیا فرمادی ہے“ مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ غلام پر غیظ و غضب کا اظہار فرما رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر بس تسلی پکڑو، کیونکہ معاملہ نہ تمہارے اختیار میں ہے نہ ہمارے۔ اتنے میں حضرت سعد اور اور ابوقیس ایک سامان بردار اونٹنی، جس پر توشہ تعائن کر حاضر ہوئے، سعد نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمیں خبر ملی ہے کہ آپ کی سامان بردار اونٹنی گم گئی ہے دہندہ اس کے بدلے میں یہ اونٹنی پیش خدمت ہے۔“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے ہماری اونٹنی واپس بھیج دی ہے۔ اب تم اپنی اونٹنی لے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے۔“

پھر آپ چلے یہاں تک کہ جب ابوا پیچھے ابوا: ”نفث الف و سکون بار۔ اسکے پانچویں منزل ابوا“ بعد وافر الف ممدودہ۔ کنفانی الجمع۔ پانچویں منزل ہے۔ زرقانی فرماتے ہیں: اس کے اور محقق کے درمیان ۳۴ میل کا فاصلہ ہے۔ ”مرآۃ میں بھی اسی طرح ہے اور اس میں اتنا اور اضافہ ہے۔ کہ ان دونوں کے درمیان رابع ہے۔ ابوا مدینہ کی طرف ہے اور حفہ مکہ کی طرف۔ اور کہا گیا ہے کہ وہاں ایک بلند پہاڑ ہے۔ اسی جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی وفات ہوئی اور ابوا مدینہ کی جانب سے رابع سے پہلے ہے۔ زرقانی فرماتے ہیں: اس کو ابوا اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہاں سیلاب ٹھکانا پکڑتے ہیں۔ اس وجہ سے نہیں کہ یہاں دبار بہت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس صوفت میں اس کا نام ابوا ہونا چاہیے تھا، یا یہ کہا جائے کہ ابوا ابوا سے مقلوب ہے۔ حموی نے اور بھی وجوہ تسمیہ ذکر کی ہیں۔ اور اس بستی کے بارے میں مفصل کلام کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے یہاں دفن ہونے ابوا: حضورؐ کی والدہ ماجدہ کا دفن کی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے ان کا یہاں انتقال ہو گیا تھا۔ اس لئے یہیں دفن ہوئیں۔ عزیز محمد رابع لکھتے ہیں: ”کہ ابوا ایک وادی کا نام ہے جس میں دان ہے جیسا کہ ابھی آتا ہے۔ ودان: نفث واد تشدید فال پہلے حفہ کے قریب میں ایک جگہ کا نام ہے جو ابوا

ہو گیا تھا۔ اس لئے یہیں دفن ہوئیں۔ عزیز محمد رابع لکھتے ہیں: ”کہ ابوا ایک وادی کا نام ہے جس میں دان ہے جیسا کہ ابھی آتا ہے۔ ودان: نفث واد تشدید فال پہلے حفہ کے قریب میں ایک جگہ کا نام ہے جو ابوا

اھدیٰ لہ الصعب بن جثامہ عجز حمار وحشی فردہ علیہ۔

توجہ۔ تو صعب بن جثامہ نے آپ کی خدمت میں حمار وحشی کی ران کا ہدیہ پیش کیا جسے آپ نے واپس فرمادیا۔

کی نسبت جحفہ سے قریب تر ہے ان دونوں کے درمیان آٹھ میل کا فاصلہ ہے۔ زیر بحث واقعہ ابو ادی میں پیش آیا یا ودان میں؟ اس میں راوی کو شک ہے بعض راویوں نے ابو ادی ذکر کیا ہے اور بعض نے ودان۔ کذا فی الزرقانی۔ اور جن میں مختلف روایات ذکر کرنے کے بعد حافظ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ بظاہر یہ شک ابن عباس کی جانب سے ہے۔ نیز اور جن میں ایک اور اختلاف بھی ذکر کیا ہے کہ یہ واقعہ قدید میں پیش آیا یا جحفہ میں؟ یہ تمام مقامات قریب قریب ہیں۔ اور اور جن میں اس پر مفصل کلام کیا ہے۔

یا قوت حموی لکھتے ہیں کہ ودان تین جگہوں کا نام ہے۔ جن کو انہوں نے تفصیل سے ذکر کیا ہے نیز حموی لکھتے ہیں کہ بوضع ودان کی طرف صعب بن جثامہ کی نسبت کی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ یہاں قیام کیا کرتے تھے اس لئے اسی کی طرف منسوب ہوئے۔ عزیز محمد رابع لکھتے ہیں کہ ابو ادی ایک وادی کا نام ہے جس میں ودان ہے۔ نیز اس وادی میں ایک خاص موضع کا نام بھی ابو ادی ہے۔ شام کے راستہ میں مشرق کی طرف واقع ہے۔ البتہ ودان آجکل "مستورہ" کے نام سے معروف ہے جو دینہ سے ۲۲۸ کیلومیٹر پر واقع ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ جگہ ان دنوں بہت بڑی منزل ہے۔ یہاں تلی ہوئی مچھلیوں کی فروخت خوب ہوتی ہے، حجاج کرام یہاں سے گزرتے ہیں تو پھل کھائے بغیر اگے نہیں جاتے کہ یہاں کی مچھلیاں بہت عمدہ ہوتی ہیں۔

توصعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت

صعب بن جثامہ کو زخیر ہدیہ کرنا واقعہ میں حمار وحشی کی ران کا ہدیہ پیش کیا۔ روایات اور کتب تاریخ

میں معروف ہیں کہ صعب بن جثامہ کا واقعہ حجة الوداع میں پیش آیا۔ مگر شیخ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ صعب بن جثامہ کی حدیث کا واقعہ حجة الوداع میں پیش آنا ہمارے نزدیک ثابت نہیں۔ الیٰ آخر ما بحث فیہ جسے آپ نے واپس فرمادیا۔ اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ سالم نیل گائے کا ہدیہ پیش کیا گیا تھا یا اس کے ایک ٹکڑے کا؟ اور یہ کہ آپ نے اسے قبول فرمایا تھا یا رد کر دیا تھا؟ اور یہ کہ یہ واقعہ ابو ادی کا ہے یا ودان کا یا جحفہ کا؟ ان مباحث میں وسیع اختلاف ہے۔ جو فتح وغیرہ مطولات میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور اور جن میں

ان کے کلام کا خلاصہ دیا ہے، اولامع کے حاشیہ میں اس پر اجمال کلام کیا ہے۔ امام بیہقی نے ان روایات کیوں جمع کیا ہے کہ زندہ نیل گائے کو واپس کر دیا گیا اور اس کے ٹکڑے کو قبول فرمایا، جیسا کہ فتح، مواہب

قلت، واعتل بعير لصفية نامر زینب ان تعطيها بعيرا۔ فقالت انا ا فقير
بهدوتيك؟ فغضب۔

ترجمہ: دش اور حضرت صفیہ کا اونٹ بیمار ہو گیا تو آپ نے حضرت زینب کو حکم فرمایا کہ انہیں
ایک اونٹ دے دیں۔ انہوں نے کہا کہ میں آپ کی یہودن کو دے دوں؟ اس پر آپ ناراض ہو گئے۔

اور شرح مواہب میں ہے مگر نسائی کی روایت جس میں ٹکڑے کا واپس فرمانا مذکور ہے اس تطبیق کے خلاف
ہے، البتہ کہ اس میں تاویل کی جائے۔ علامہ زر قانیؒ نے حافظ کی متابعت میں کہا ہے کہ قبول کرنے کی روایت
کو مکہ سے واپسی پر محمول کرنا چاہیے۔ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ یہ قصہ حنفیہ میں پیش آیا۔ امام
بیہقی کی ذکر کردہ تطبیق کو حافظ کا ذکر ناقابل اعتقاد نہیں کیونکہ یہ ان کے فقہی مسلک کے خلاف ہے۔

محرم کے شکار کے مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ جیسا کہ اوپر جز میں
محرم کے شکار میں اختلاف | مفصل ذکر کر چکا ہوں، شیخ قدس سرہ نے الکوکب الدرعی میں اس پر بہت
عمدہ کلام کیا ہے: فرماتے ہیں: جاننا چاہیے کہ اس مسئلہ میں ہماری اور امام شافعیؒ کے درمیان اختلاف ہے
اگر محرم نے خود شکار کیا یا شکار کو ذبح کیا تو بالاتفاق حرام ہے، اور اگر غیر محرم نے محرم کے حکم سے شکار کیا
تب بھی بالاتفاق حرام ہے۔ اور اگر غیر محرم نے شکار کیا اور اس کی نیت یہ تھی کہ محرم کو کھلائے گا مگر محرم نے
اس کا حکم نہیں کیا تو امام شافعیؒ کے نزدیک حرام ہے اور ہماری نزدیک حرام نہیں، "اللی اخر ما افاد۔ میں
کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں تین مذہب ہیں۔ اول یہ کہ مطلقاً ممنوع ہے، یہ قول حافظ عینیؒ نے بعض سلف
سے نقل کیا ہے۔ دوم یہ کہ اگر محرم کی خاطر شکار کیا گیا ہو تو ممنوع ہے، ائمہ ثلاثہ اسی کے قائل ہیں۔ سوم
یہ کہ اگر محرم نے خود شکار کیا ہے یا اس کی اجازت یا دالالت سے شکار ہوا ہو تو بالاتفاق حرام ہے۔ یہ اجمالی
بات ہے، ورنہ امام مالکؒ وغیرہ کے مختلف اقوال مروی ہیں۔ جیسا کہ اوپر جز میں تفصیل بیان کر چکا ہوں۔

دش، اور اشعار راہ میں ائمہ المؤمنین حضرت صفیہ بنت جحش
حضرت صفیہ کے اونٹ کا بیمار ہونا | رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیمار ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ائمہ المؤمنین
حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو حکم فرمایا کہ انہیں ایک اونٹ دے دیں۔ انہوں نے جواب میں کہا
کہا کیا میں آپ کی یہودن کو دے دوں؟ یہ اس لئے کہا کہ حضرت صفیہؒ حضرت عمرؓ کی بیٹی تھیں اور علیؓ کی بیوی تھیں
والسلام کی اولاد سے تھیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے۔ چنانچہ اتنا سفر اور ایام منی میں ان

گئے گفتگو نہیں فرمائی یہاں تک کہ مدینہ واپسی ہوئی، مدینہ اگر بھی محرم اور صفر میں نہ ان سے بات کی نہ ان کی باری پر ان کے گھر گئے۔ جب ربیع الاول کا مہینہ آیا تو آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے، جیسا کہ مسند احمد کی روایت سے ابھی آتا ہے۔ مجھے ابھی تک اس کی تحقیق نہیں ہو سکی کہ یہ واقعہ کس جگہ پیش آیا تھا۔ حافظ ابن قیمؒ اور ان کے تابعین صاحب مرآۃ وغیرہ قسطلانی اور ان کے شاہرح زرقانی پر تعجب ہے کہ کسی نے بھی حجۃ الاولیاء کے واقعہ میں اس قصہ کا ذکر نہیں کیا۔ ابو داؤد نے یہ قصہ حضرت عائشہؓ سے مختصر اُتار لیا ہے کہ حضرت صفیہ بنت خیثمیؓ کا اونٹ بیمار ہو گیا۔ اور حضرت زینبؓ کے پاس زائد سواری تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ انہیں (صفیہؓ کو) ایک اونٹ دے دو، حضرت زینبؓ نے کہا: میں اس بچوں کو دے دوں؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے، اور ذوالحجہ، محرم اور صفر کے کچھ حصہ میں اور مجمع الزوائد میں ہے کہ صفر میں ان سے قطع تعلق کئے رکھا، ربیع الاول میں ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اس کی تائید مسند احمد کی روایت سے ہوتی ہے جس میں خود حضرت صفیہؓ سے اس قصہ کا مفصل روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کے ہمراہ حج کیا۔ سفر کے دوران ایک شخص ان کی سواریوں کو تیز ہینکانے لگا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگینوں۔ یعنی خورتوں۔ (کی سواریوں) کو یوں ہینکایا کرتے ہیں؟ وہیں اثنائے سفر جاری تھا صفیہ بنت خیثمیؓ کا اونٹ (بیمار ہو کر) اچانک بیٹھ گیا۔ حالانکہ انہی کی سواری سب سے عمدہ تھی۔ وہ روئے لگیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی۔ تو ان کے پاس تشریف لائے، اور اپنے دست مبارک سے ان کے آنسو صاف کرنے لگے، مگر ان کے گریز میں اور اضافہ ہو گیا۔ آپؐ ان کو رونے سے منع فرمایا۔ تاہم جب انہوں نے زیادہ رونا شروع کیا تو آپؐ نے ڈانٹا۔ اور مجبوراً لوگوں کو اترنے کا حکم فرمایا۔ حالانکہ آپؐ کا ارادہ وہاں اترنے کا نہیں تھا۔ بہر حال لوگ اتر گئے، اور یہ میری باری کا دن تھا۔ جب لوگ اترے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ نصب کیا گیا۔ اور آپؐ اس میں فروکش ہوئے۔ مجھے خبر تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے میرے ساتھ کیا برتاؤ ہوگا۔ اور مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں آپؐ کے دل میں کوئی ناگواری نہ ہوئی حضرت عائشہؓ کے پاس گئی، اور ان سے کہا: آپؐ کو معلوم ہے کہ میں کسی بھی چیز کے بدلے اپنی باری کے دن کا سودا کبھی

نہیں کر سکتی۔ مگر آج میں اپنا دن تمہیں اس شرط پر مہیا کرتی ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے راضی کر دو۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: بہت اچھا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ نے اپنے مرکا پر لایا اسے غفر

وایضاً علم من حدیث المستند ان قصۃ انجشۃ المشہورۃ وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم یا انجش رويدك موقوفك یا لقواریر ایضاً وقع فی ہذا السفر ترجمہ: نیز مسند کی حدیث سے معلوم ہوا کہ انجشہ کا مشہور قصہ بھی جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ اے انجشہ آگینوں کو ذرا آہستہ چلاؤ۔ اسی سفر میں پیش آیا تھا۔

سے ملا، پھر اسپر پانی چھڑکا تاکہ اس کی خوشبو مہک جائے۔ پھر اپنے کپڑے پہنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں۔ نیچے کا کنارہ اٹھایا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ کیا بات ہے؟ آج تمہاری باری کا دن نہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتے ہیں عطا کر دیتے ہیں۔ بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ قبولہ فرمایا۔ جب چلنے کا وقت ہوا، تو حضرت زینب سے فرمایا کہ اپنی ہن کو ایک اونٹ دے دو۔ ازواج مطہرات میں انہی کے پاس سب سے زیادہ سواریاں تھیں۔ حضرت زینب نے کہا: میں آپ کی بیہودوں کو دوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی یہ بات سن کر ناراض ہوئے۔ ان سے گفتگو ترک کر دی، مکہ مکرمہ جانے تک ایام منیٰ میں۔ اور مدینہ کی واپسی تک، نیز مدینہ طیبہ میں محرم اور صفر گزرنے تک نہ آپ ان کے پاس تشریف لے گئے، نہ انہیں باری کا حصہ دیا۔ اور وہ آپ سے بالکل ہی یایوس ہو گئیں جب بیع الاول شروع ہوا تو آنحضرت ان کے پاس تشریف لیگے جب انہوں نے آپ کا سایہ دیکھا تو دل میں کہنے لگیں کہ یہ کسی آدمی کا سایہ ہے۔ اور نبی کریم تو میرے پاس تشریف لائے نہیں۔ پھر یہ شخص کن ہوگا؟ جب انہوں نے آپ کو دیکھا تو کہنے لگیں: یا رسول اللہ! جب آپ میرے پاس تشریف لائے تو میں جیت میں ہوں کہ کیا کروں راؤ کس طرح آپ کی نالائقی کی تلافی کروں، ان کے پاس ایک باندی تھی۔ جسے وہ آنحضرت سے پردہ میں کھتی تھیں، اس کے بارے میں عرض کیا کہ فلاں باندی آپ کو مہمہ کرتی ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب کی چار پائی کے پاس گئے وہ اٹھا کر رکھی ہوئی تھی۔ اپنے دست مبارک سے لے بچایا۔ پھر اپنی اہلیہ محترمہ سے ملے اور ان سے راضی ہو گئے۔

نیز مسند کی اسی حدیث سے معلوم ہوا کہ انجشہ کا مشہور قصہ بھی جس میں

انجشہ کیلئے حکم نبوی | آپ نے فرمایا تھا کہ اے انجشہ آگینوں کو ذرا آہستہ چلاؤ۔ اسی سفر میں پیش آیا

تھا۔ مگر تعجب ہے کہ شیخ ابن قیم نے اس کو بھی قصہ حجۃ الوداع میں ذکر نہیں کیا۔ یہ قصہ معروف ہے۔ بخاری وغیرہ کتب صحاح میں مروی ہے۔ امام بخاری نے چند مواضع میں اس کی تخریج کی ہے۔ منہملان کے

رِقال، فَلَمَّا مَرَّ بِوَادِي عُسْفَانَ

ترجمہ: (ق) پھر جب آپ وادی عسفان سے گزرے۔

”باب مایجوز من الشعر والرجز“ میں اس کو ذکر کیا ہے۔ اور حافظ نے اس باب میں اس حدیث کے الفاظ اور طرق کو خوب بسط سے ذکر کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض بیویوں کے پاس تشریف لے گئے ان کے ساتھ ام سلیم بھی تھیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ سفر میں تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ اپنی فرودگاہ میں تھے کہ حدی خواں نے حدی پڑھی۔ نسائی کی روایت میں ہے کہ ان کے ساتھ ایک اونٹوں کو ہنکانے والا تھا اور ایک حدی خواں تھا، ابو داؤد طیالسی کی روایت میں ہے کہ انجستہ مستورات کے حدی خواں تھے۔ اور برابن مالک مردوں کے۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ کسی سفر میں تھے۔ ان روایات کی پوری تفصیل فتح الباری میں ہے۔ مگر حافظ نے کسی روایت سے سفر کی تعبیر نہیں کی۔ تعجب ہے کہ انہوں نے مسند احمد کی مذکورہ بالا روایت ذکر نہیں کی جس میں تصریح ہے کہ یہ قصبہ سفر ج کا ہے۔ تاحال مجھے یقین نہیں کہ یہ دونوں واقعے کس منزل میں پیش آئے۔ اس کی تحقیق کر لی جائے۔

یہ آٹھ منزلیں جو شیخ ابن قیم نے ذکر کی ہیں۔ بیشتر ان مساجد کے مطابق ہیں جو حضرت ابن عمرؓ نے بتائی ہیں۔ اور امام بخاری نے ”باب المساجد التي على طرق المدينة“ میں۔ نیز صاحب البدایہ والنہایہ نے انہیں ذکر کیا ہے اور صاحب البدایہ والنہایہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے بیشتر مواضع کے تبدیل ہو چکے ہیں اور بہت مقامات آج کل غیر معروف ہیں۔ پہلی چار منزلوں کے نام تو بخاری کی روایت کے موافق ہیں۔ اور یہ پانچویں منزل اور اسی طرح آئندہ منازل کے نام ان ناموں سے مختلف ہیں۔ جو بخاری شریف میں ذکر کئے گئے ہیں۔

بخاری کی روایت میں ”عرج“ کے بعد پانچویں منزل موضع ”ہرشی“ مذکور

موضع ہرشی ہے۔ بفتح اول و سکون را۔ اور اس کے بعد شین منقوط اور اس کے بعد الف

مقصود ہے۔ کذا فی الفتح۔ اور معجم میں ہے کہ یہ شام اور مدینہ سے مکہ کے راستوں کے سنگم پر ہے۔ اس سے نیچے مغربی جانب موضع ودان و وسیل کی مسافت پر واقع ہے۔

(ق) پھر جب آپ وادی عسفان سے گزرے۔ عسفان: بروزن عثمان چھٹی منزل عسفان کہ اسے دوسرے پر ہے۔ کذا فی القاموس۔ اور مرآۃ کے حاشیہ میں ہے کہ ”یہ جگہ

قال یا ہابکر ائی وادھذا قال وادی عسفان، قال لقد مریتہ ہود وصالح
تو آپ نے فرمایا: اے ابو بکر! یہ کونسی وادی ہے؟

حجفہ اور مکہ کے درمیان واقع ہے، مکہ سے دوسرے چلے یا ۲۴ میل۔ اور حجفہ سے تین مرحلوں پر واقع ہے۔ اور
عسفان سے مل تک کو ساحل کہا جاتا ہے۔ اور مل مدینہ شریف سے ایک دن کی مسافت پر ہے۔ اور
مجمع میں ہے کہ کہا جاتا ہے کہ عسفان ایک قریہ جامعہ ہے جہاں منبر ہے۔ اور کھجوروں کے باغات اور
کھیت ہیں۔ مکہ سے ۳۶ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور یہ تہامہ کی آخری حد ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ان
منزل میں سے چھٹی منزل ہے۔ جنہیں حافظ ابن قیمؒ نے ذکر کیا ہے۔ اور بخاری کی حدیث المساجد
میں چھٹی منزل عسفان کے بجائے مرائظہ ان مذکور ہے۔ حافظ فرماتے ہیں۔ یہ میم کے فتح، راکئی تشدید
خار کے فتح اور مل کے سکون کے ساتھ ہے۔ یہ وہی وادی ہے جس کو عام لوگ ”بطن مروہ“ ملو راکے سکون
کے ساتھ اور اس کے بعد واؤ کہتے ہیں۔ ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ اس کے اور مکہ کے مابین ۱۶ میل کا فاصلہ
ہے۔ اور مجمع میں ہے کہ مرائظہ ان مکہ مکرمہ سے ایک مرحلہ پر ایک جگہ کا نام ہے۔ عزیز محمد رابع لکھتے
ہیں کہ مرائظہ ان کو آج کل ”وادی فاطمہ“ کہا جاتا ہے۔ اور یہ نام کوئی دو سو سال سے پڑا ہے۔ فاطمہ ایک
مشہور ترک خاتون کا نام ہے۔ اس جگہ اس کے باغات اور زمینیں تھیں۔ یہ مکہ سے ۲۵ کلومیٹر پر واقع ہے

تو آپ نے فرمایا: اے ابو بکر! یہ کونسی وادی ہے۔ عرض کیا: وادی عسفان، زرتخانی فرماتے ہیں۔
”دریافت فرمانے سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو معلوم نہیں تھا کہ یہ وادی عسفان ہے۔ اور یہ بھی
احتمال ہے کہ حضرت ابو بکرؓ سے کہلوانا مقصود ہو۔ اور یہاں یہ سوال نہیں ہوگا کہ ایسے موقعوں پر تو
صحابہ کرام کی عادت اللہ و رسولہ اعلم کہنے کی تھی۔ کیونکہ یہ عادت علمی امور میں تھی اور یہاں ایک محسوس
کی خبر ہے۔ رہا یہ سوال کہ جب آپ نے خطبہ منیٰ میں فرمایا تھا ”اسی بلدنا“ یہ کونسا شہر ہے؟ اسی شہر کا
یہ کونسا مہینہ ہے؟ یا وجودیکہ یہ دونوں محسوس تھے۔ پھر صحابہ رہنے لگے اللہ و رسولہ اعلم کیوں کہا؟
اس کا جواب یہ ہے کہ اس موقع پر صحابہ کرامؓ کا اللہ و رسولہ اعلم کہنا اس بنا پر تھا کہ شاید آپ ایسی خبر دیں
جس کا انہیں علم نہ ہو۔ اتنی دیکھو نہ اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔“

آپ نے فرمایا: اس وادی سے حضرت ہود
اور حضرت صالح علیہما الصلوٰۃ والسلام
گذرے ہیں۔ درنثور میں ہے کہ عسفان میں حضرت

وادی عسفان سے حضرت ہود اور حضرت صالح
علیہما السلام کا تبلیہہ کہتے ہوئے گزرنا

علی بک بن احمد بن خطا صہا اللیف یلبون یحجون۔
دونوں جوان سچ اوٹوں پر سوار تھے جگہ جگہ کی چال کی تھی تلبیہ کہتے ہوئے حج بیت اللہ کو جا رہے تھے۔

ہود اور حضرت صالح علی نبینا علیہما الصلوٰۃ والسلام کی قبریں ہیں۔ دونوں درجوان اور سرخ اونٹوں پر سوار تھے یعنی ہر ایک اپنے اپنے زمانے میں سرخ اور جوان اونٹ پر سوار تھے۔ کیونکہ حضرت ہود کا زمانہ حضرت صالح علی نبینا علیہما الصلوٰۃ والسلام سے پہلے کا ہے۔ جن کی جہاز خطام، بکسر خائے معجمہ و فتح طائے ہملہ۔ وہ رسی جو اونٹ کے منہ اونٹانک میں ڈالی جاتی ہے۔ کھجور کی چھال کی تھی۔ یہ ان حضرات کی تواضع مع اللہ تھی اور یہ تواضع اور سادگی انبیاء کرام علیہم السلام کی فطری جبلت ہے۔ کذا فی الزرقانی تلبیہ کہتے ہوئے حج بیت اللہ کو جا رہے تھے۔ یہ حدیث امام احمد نے مسند میں ذکر فرمائی ہے۔ اور وہاں سے قسطلانی نے مواہب میں لی ہے۔

میں کہتا ہوں اس پر رد و منشور کی روایت سے اشکال ہوتا ہے جس میں ہے کہ ہرنی نے حج کیا۔ بحر۔ ہود اور صالح علیہما السلام کے کیونکہ یہ دونوں اپنی قوم کی مشغولی کی وجہ سے حج نہیں کر سکے۔ جواب یہ ہو سکتا ہے کہ رد و منشور کی روایت، مسند احمد کی روایت کے مقابل نہیں ہو سکتی کیونکہ مسند احمد نے اس کو دو طریقوں سے ذکر کیا ہے۔ اول یہ تہقیقی الدلائل ازرقانی اور ابن اسحاق کے حوالے سے عروہ کا قول نقل کیا ہے۔ دوم حجر۔ حج ازرقانی، عروہ سے منسلک نقل کی ہے اور ہمز میں کتاب الحج کے آغاز میں اس پر مفصل کلام کیا ہے۔ اس میں ہے کہ عروہ بن الزبیر کے قول پر یہ اعتراض ہے کہ بہت سی احادیث میں آیا ہے کہ حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام نے حج کیا ہے۔ نیز ایک جماعت کا قول ہے کہ تمام انبیاء نے حج کیا۔ نیز اس میں روضۃ المحتاجین کے حاشیہ سے نقل کیا ہے کہ آپ کا یہ ارشاد کہ ہرنی نے حج کیا۔ اس میں قول معتقد کے مطابق ہود اور صالح علیہما السلام بھی داخل ہیں۔ نیز اس میں ہے کہ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب عسفان پہنچے تو آپ نے فرمایا: یہاں سے ہود اور صالح علیہما السلام گزرے ہیں۔ یہاں انہوں نے مسند احمد کی حدیث ذکر کی ہے۔

دقلت، وهناك سألہ سراقۃ بیانا واضحا فی الحج وقال، فلما کان بسرف
ترجمہ: (ش) اسی جگہ حضرت سراقہؓ نے آپ سے حج کے مسائل میں واضح بیان کی درخواست کی۔

وق، پس جب کہ آپ موضع سرف پہنچے

سراقہ کی جانب سے واضح بیان کی درخواست | (ش) اسی جگہ حضرت سراقہؓ بن مالک بن حشتم
رحیم اور شہین کے ضمہ کے ساتھ ان دونوں کے درمیان

عین ہملہ۔ مشہور صحابی ہیں۔ فتح مکہ میں اسلام لائے۔ یہ وہی صاحب ہیں جنہوں نے ہجرت مدینہ کے
راستے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تعاقب کیا تھا۔ اس کا قصہ مشہور
ہے۔ کذا فی البدل۔ میں کہتا ہوں اس واقعہ کو امام بخاری نے باب الہجرت میں ذکر کیا ہے۔ اس میں
ہے کہ سراقہ فراتے ہیں کہ ہمارے پاس کفار قریش کے قاصد آئے۔ ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گرفتاری پر سو سو اذیت کا انعام رکھا تھا۔ یہ حدیث طویل ہے۔ اور
اس میں سراقہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کرنے، ان کے گھوڑے کے دھنس جانے اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے امان طلب کرنے کے واقعات مذکور ہیں۔ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے
حج کے مسائل میں واضح بیان کی درخواست کی۔ چنانچہ امام ابو داؤد نے باب الاثران میں یہ الفاظ ذکر
کئے ہیں کہ جب ہم عثمانؓ پہنچے تو سراقہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارے لئے مسائل حج کو ایسا
بیان کر دیجئے، جیسا کہ ان لوگوں کے سامنے کیا جاتا ہے جو گو یا آج پیدا ہوئے۔

پس جب کہ آپ موضع سرف پہنچے، سرف، سین کے فخر اور رار کے کسر کے
منزل سرف | ساتھ منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔ مکہ سے چھ میل یا

ستہ میل یا بارہ میل پر ایک جگہ کا نام ہے۔ آخری دو قول صحیح نہیں۔ کذا فی المرقاة۔ صاحب جمیس نے
۹ میل پر مزاحمتی ذکر کیا ہے۔ یہ ایک معروف جگہ ہے۔ اس مقام کے عجائب میں سے یہ ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرۃ القضا میں اسی جگہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ واپسی پر اسی
جگہ ان کی رخصتی ہوئی۔ اور جس درخت کے نیچے رخصتی ہوئی وہیں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی تدفین
ہوئی ان کی ذوات صحیح قول کے مطابق تمام ازواج مطہرات کے بعد اس میں ہوئی، جیسا کہ میرے
رسالہ حکایات صحابہ میں ہے۔ دلائل ان کی قبر مشہور زیارت گاہ ہے۔

حاضت عائشہ رضی اللہ عنہا
تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو باہواری شروع ہوئی۔

تو حضرت عائشہ کو باہواری شروع ہوئی۔ طبقات سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں پہنچے مگر یہ واضح طور پر غلط ہے کیونکہ اس پر اجاب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں انوار کے دن داخل ہوئے۔ نووی نے ابن حزم سے نقل کیا ہے کہ حیض کا آغاز ۱۲ روزی الحجہ کو بروز ہفتہ ہوا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ حج و احرام میں علماء

حضرت عائشہ کے حج میں اختلاف کا نزاع ہے کہ آیا ان کا احرام حج مفرد کا تھا یا قرآن کا؟ اس

اسکی تفصیل اوجز میں ہے۔ اور اس کا خلاصہ لایع کے حاشیہ میں ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: "تو ائیر باننا چاہیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے احرام اور کیفیت حج میں روایات مختلف ہیں۔ اسی بنا پر اس میں ائمہ کا اختلاف ہے جس کی تفصیل اوجز میں ہے۔ اور اس میں ہے کہ شیخ ابن قیمؒ الہدیٰ میں فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ کے قصہ میں علماء کا نزاع ہے کہ ان کا احرام تمتع کا تھا یا صرف حج مفرد کا؟ اور اگر تمتع کا تھا تو کیا انہوں نے عمرہ فصیح کر دیا تھا اور حج مفرد کا احرام باندھ لیا تھا یا عمرہ پر حج کا احرام باندھ کر قرآن کر لیا تھا؟ اور جو عمرہ انہوں نے متبعیم سے کیا وہ ان پر واجب تھا یا نہیں؟ اور حضرت عائشہ کے قصہ پر جو مسئلہ مبنی ہے۔ اس میں بھی علماء کا اختلاف ہوا۔ اور وہ یہ ہے کہ جب عورت نے عمرہ کا احرام باندھا ہو اور اسے حیض آجائے اور غرات میں جانے سے پہلے طواف ذکر سکتی ہو تو کیا اسے عمرہ کا احرام فصیح کر کے حج مفرد کا احرام باندھنا چاہیئے۔ یا عمرہ پر حج کا احرام باندھ کر قرآن کر لے؟ چنانچہ فقہار کوفہ جن میں امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب بھی شامل ہیں رحمہم اللہ پہلے قول کے قائل ہیں۔ اور فقہار حجاز امام شافعیؒ اور امام مالکؒ رحمہم اللہ۔ دوسرے قول کے قائل ہیں اور یہی مذہب اہل حدیث مثلاً امام احمد اور ان کے متبعین کا ہے۔"

اوجز میں حضرت عائشہ کے احرام کی روایات پر تفصیل سے بحث کی ہے اور اس میں ہے کہ شیخ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: صحیح بات جس سے عدول نہیں کیا جاسکتا یہ ہے کہ ابتدائاً ان کا عمرہ کا احرام تھا۔ جیسا کہ جہور اس کے قائل ہیں اگرچہ ان میں اختلاف ہے کہ انہوں نے عمرہ کو فصیح کر دیا تھا یا اس پر حج کا احرام باندھ کر قرآن کر لیا تھا۔ اہم میں کتبائمول کہ پہلا قول ضعیفہ کا ہے، اور دوسرا ائمہ ثلاثہ کا جیسا کہ ابھی گزر لے اور یہ اختلاف ایک دوسرے اختلاف پر مبنی ہے، وہ یہ کہ ضعیفہ کے نزدیک قارن عمرہ اور حج۔

دونوں کے افعال الگ الگ مستقل ادا کرتا ہے۔ چونکہ حضرت عائشہؓ کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وقت حج سے پہلے عمرہ کے افعال ادا کر سکیں لامحالہ انہیں عمرہ فریضہ کے حج کا احرام باندھنا پڑا۔ اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ عمرہ کے افعال حج کے افعال میں داخل ہو جائیں گے۔ چونکہ حج سے پہلے وہ عمرہ کے افعال ادا نہیں کر سکتی تھیں اس بنا پر ان کے لئے گنجائش تھی کہ عمرہ کے احرام پر حج کا احرام باندھ لیں۔ تاکہ عمرہ کے افعال حج کے افعال میں داخل ہو جائیں۔

حضرت عائشہؓ نے عمرہ فریضہ کر دیا تھا اس میں خفیہ کے دلائل | خفیہ نے اپنے اس مدعا پر کہ حضرت عائشہؓ

ہے۔ ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا: اپنے عمرہ کو چھوڑ دو۔ دوم یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا: اپنا سر کھول کر کنگھی کر لو۔ ظاہر ہے۔۔۔ کہ احرام میں کنگھی کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ بالوں کے جھڑنے کا اندیشہ ہے۔ سوم یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: یہ تیرا عمرہ ہے اس عمرہ کی جگہ چہام یہ کہ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا تھا: تم لوگوں نے عمرہ کر لیا میں نے نہیں کیا۔ پنجم یہ کہ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں: تم تو حج و عمرہ کر کے واپس جاؤ اور میں صرف حج لے کر جاؤں؟ مسند احمد کے لفظ جیسا کہ فریضہ میں ہے، یہ ہیں: اور میں صرف حج لے کر جاؤں جس کے ساتھ عمرہ نہ ہو؟ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں نہ فرمایا کہ: عائشہؓ میں بھی تیری مثل ہوں؟ کیونکہ آپ بھی قارن تھے۔ اور بقول ائمہ ثلاثہ کے حضرت عائشہؓ نے بھی آپ کی طرح قرآن کیا تھا پھر حضرت عائشہؓ نے کیوں نہ فرمایا کہ تم حج و عمرہ لے کر جاؤ اور میں صرف حج لے کر جاؤں؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں نہ فرمایا کہ جس طرح میرا قرآن ہے اسی طرح تیرا بھی قرآن ہے۔ علاوہ ازیں بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے عمرہ فریضہ کر دیا تھا۔ ان روایات کی تفصیل اوپر میں ہے۔ جامع الدارسی میں۔ ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات پر مختصر مگر بہت عمدہ کلام کیا ہے۔

حضرت عائشہؓ کے عمرہ فریضہ میں چار مسلک | پھر شیخ ابن قیمؒ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فریضہ

ان کی دلجوئی کے لئے تھا۔ یہ امام شافعیؒ اور امام احمد کا قول ہے۔ دوم یہ کہ یہ فریضہ عمرہ کی قضائی۔ یہ خفیہ کا مسلک ہے۔ سوم یہ کہ جیب انہوں نے قرآن کر لیا تو ایک مستقل عمرہ کا ادا کرنا ضروری تھا کیونکہ

رقال) اما موضع حیضہا فهو بسرف بلا ریب۔ و اختلف فی موضع طہوہا
توجہ: (رق) ان کے حیض کی جگہ تو بلاشبہ موضع سرف تھی۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کب
پاک ہوئیں۔

قرآن کا عمرہ، عمرۃ الاسلام کی جگہ کافی نہیں ہوتا۔ یہ امام احمدؒ سے ایک روایت ہے۔ چہارم یہ کہ حضرت
عائشہ رضی اللہ عنہا نے شروع ہی سے حج مفرد کا احرام باندھا تھا۔ اور وہ اسی احرام پر قائم رہیں۔
اس لئے یہ عمرہ، عمرۃ الاسلام تھا۔ یہ قاضی اسماعیل وغیرہ مالکیہ کی رائے ہے، اور یہ سب ضعیفہ فی لہ ہے۔
میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام کی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے احرام کی
تعیین بھی شدید مشکل مسئلہ ہے۔ زرقانی نے شرح موطایں اکمال کی پیروی کرتے ہوئے نیز حافظ نے
فتح میں اور قاضی عیاضؒ، نوویؒ اور ابن قیمؒ نے اس پر بحث کی ہے۔ امام محمدؒ موطایں فرماتے ہیں اگر
حائضہ نے عمرہ کا احرام باندھ رکھا ہو اور فوت حج کا اندیشہ ہو تو اسے چاہئے کہ عمرہ فسخ کر دے، حج کا احرام
باندھ کر ووقوف عرفہ کرے اور اس عمرہ کی قضا کرے جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا ۱۱

رق) ان کے حیض کے آغاز کی جگہ تو بلاشبہ موضع سرف ہی تھی۔ یہی
ان کے طہر کی جگہ میں اختلاف

کہتا ہوں کہ حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ماہواری کی شکا
موضع سرف میں کی تھی؛ جیسا کہ شیخ ابن قیمؒ نے اس پر حرم کیا ہے۔ یا یوم الترویہ میں؛ جیسا کہ حضرت جابر
رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث کا متفقہی ہے اور اسی طرف زرقانی کا میلان ہے۔ یا کسی اور دن؛ جیسا کہ
اوجز میں مفصل ذکر کیا ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ وہ کہاں اور کب پاک ہوئیں؛ چنانچہ بعض کا قول
ہے کہ عرفہ کے دن اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ان کو اسی حالت میں عرفہ کا دن آگیا تھا۔
اور قاسم نے ذکر کیا ہے کہ یہ یوم النحر تھا۔ جیسا کہ الہمدیؒ میں ہے اسی طرح نوویؒ نے ابن حزمؒ سے
نقل کیا ہے کہ ان کا طہر یوم النحر کو بروز مہربہ ہوا تھا، حافظ نے مختلف روایتوں میں تطبیق اس طرح دی
ہے کہ عرفہ میں انہوں نے طہر دیکھا لیکن منیٰ آنے سے پہلے غسل کا موقع نہ ہوا۔ یا یہ کہ خون عرفہ میں منقطع
ہو چکا تھا۔ مگر طہر منیٰ میں آکر دیکھا۔ اور یہ توجہ زیادہ مناسب ہے۔ اور شیخ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ ابوداؤد
کی ایک روایت میں ہے کہ وہ بطحا کی رات پاک ہوئیں۔ اور اس کی سند صحیح ہے۔ لیکن ابن حزمؒ
نے کہا ہے کہ یہ منکر ہے۔ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ اس میں ناقل سے تصحیف ہوئی ہے۔ صحیح

وَقَالَ لاصْحَابِهِ مَنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ هَدًى فَاحْبَبْ أَنْ يَجْعَلَهَا عُمْرَةً فَلْيَفْعَلْ وَ
مَنْ كَانَ مَعَهُ هَدًى فَلَا

ترجمہ: اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا: جس کے ساتھ ہدی کے جانور نہیں
اگر وہ اس کو عمرہ بنا چاہتا ہے تو بنا لے اور جس کے ساتھ ہدی ہے وہ نہیں۔

واؤ حایہ کے اضافہ کے ساتھ ہے یعنی بطحار کی رات آئی ورنہ ایک حضرت عائشہؓ پاک ہو چکی تھیں۔ چنانچہ
ابو داؤد سی کی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں: فلما كانت ليلة بطاء وطهرت عائشة قالت
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارجو

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موضع سرف
موضع سرف میں صحابہ کرام کو فسح حج کا اختیار دینا۔ میں اپنے صحابہؓ سے فرمایا: جس کے ساتھ ہدی کے جانور
نہیں وہ اگر اس کو عمرہ بنا چاہتا ہے تو بنا لے اور جس کے ساتھ ہدی ہے وہ نہیں۔ کذا فی البدی
اور صحیحین کی روایت میں بھی اسی طرح ہے۔ اور سیرت ابن ہشام کے لفظ یہ ہیں: ”آپ جب موضع
سرف پہنچے تو لوگوں کو حکم فرمایا کہ وہ عمرہ کر کے احرام کھول دیں۔ سوائے ان لوگوں کے جن کے ساتھ
ہدی کے جانور ہیں۔ اور یہ تخییر تہہ میں بالاتر تھی اس تخییر سے جو میقات میں دی گئی، کیونکہ میقات کی
تخییر تھی کہ احرام کی مینوں صورتوں میں کوئی سی صورت اختیار کی جاسکتی ہے۔ مگر یہاں فسح حج کرنے یا نہ
کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ بعد ازاں صفا پر پہنچ کر فسح حج کا قطعی حکم فرمایا جیسا کہ آگے آتا ہے۔

یہاں شیخ ابن قیمؒ نے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے۔ کہ
حج کا احرام فسح کر کے عمرہ بنالینے کا حکم | حج کو فسح کر کے عمرہ بنالینا قیامت تک کیلئے جائز ہے اور اس
کے منسوخ نہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے اس کے دلائل دیئے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ کے ذکر کرنا
یہ موقع نہیں تھا۔ اس کا موقع وہ تھا جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پر پہنچ کر فسح حج کا حکم فرمایا
تھا۔ اور حضرت سراقہؓ نے آپؐ سے اس کے بارے میں سوال کیا تھا۔ مگر مصنف شیخ ابن قیمؒ نے یہ مسئلہ چونکہ
یہاں چھیڑا ہے اس لئے ان کی متابعت میں میں بھی اس کو ہمیں ذکر کرتا ہوں ملاح کے حاشیہ میں ”باب
من اہل فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ کے ذیل میں اور حزن سے نقل کیا ہے کہ امام نووی فرماتے ہیں کہ اس
فسح میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا یہ صحابہ کرام کے ساتھ اسی سال کیلئے مخصوص تھا یا ان کے لئے

اور دوسروں کے لئے قیامت تک باقی ہے؟ امام احمد اور اہل ظاہر کے ایک گروہ نے دوسرے قول کو لیا ہے۔ اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام ابو حنیفہؒ اور جمہور سلف و خلف نے پہلا قول اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ صحابہؓ کے ساتھ اسی سال کے لئے مخصوص تھا۔ جاہلیت میں خیال کیا جاتا تھا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ حرام ہے، جاہلیت کے اس خیال باطل کی تردید کے لئے صحابہ کرامؓ کو فسخ حج کا حکم فرمایا۔ جمہور کی دلیل مسلم شریف میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ متع فی الحج صرف اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھا۔ یعنی حج کو فسخ کرنے کے عمرہ بتالینا۔ اور نسائی میں ہے کہ عمارت بن حلال اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: فسخ حج صرف ہمارے لئے خاص ہے یا سب لوگوں کیلئے عام ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ ہمارے لئے خاص ہے۔ اور حدیث مرقۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارکؐ لایند کا مطلب یہ ہے کہ اشرہ حج میں عمرہ جائز ہے۔

ابن رشد فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ہمارے بعد کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ حج کا احرام باندھ کر اسے فسخ کر دے اور اسے عمرہ میں تبدیل کر دے۔ انتہی مختصراً حضرت مرقۃ کی اس حدیث پر رسمی عقیدہ میں کچھ مفصل بحث ہوگی۔ نیز حاشیہ لایع میں باب عمرۃ التبعیم کے ذیل میں بھی حدیث مرقۃ کا جواب دیا گیا ہے۔ اور زرقانی نے بھی شرح مواہب میں اس پر خوب مفصل کلام کیا ہے۔ میں کہتا ہوں حقیقہ پر خصوصیت سے یہ اشکال ہوتا ہے کہ حج کے احرام کو فسخ کر کے عمرہ میں تبدیل کرنے سے جو مقصود تھا وہ ان کے مذہب کے مطابق یوں بھی حاصل ہو سکتا ہے کہ حج پر عمرہ کے احرام کا اضافہ کر کے قرآن کریم لیا جائے۔ دوسرے ائمہ پر یہ اشکال نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے نزدیک حج کے احرام پر عمرہ کا اضافہ صحیح نہیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام کے ذیل میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ حنفیہ کی طرف سے یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ فسخ الی العمرہ سے مقصود عمرہ جاہلیت کو باطل کرنا اور اس پر شدید رد و تکرار کرنا تھا۔ ورنہ نفس جواز تو اسی سے ثابت تھا کہ بغض صحابہ کرامؓ نے میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھا، اور اس سے بھی واضح تریہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سے پہلے مہینوں عمرے زمانہ حج میں ہوئے تھے۔ مگر اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فسخ حج کا حکم فرمایا تاکہ جاہلیت کے رواج کا پوری طرح قلع قمع ہو جائے۔

رَقَالَ ثُمَّ نَهَضَ إِلَى أَنْ نَزَلَ بَذَى طُؤَى - فَبَاتَ بِهَا لَيْلَةَ الْاِحْدِلَارِ رُبْعَ خَلَوْنٍ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ وَصَلَّى بِهَا الصُّبْحَ ثُمَّ اغْتَسَلَ مِنْ يَوْمِهِ -

ترجمہ: رَق (پھر آپ چلے یہاں تک کہ ذی طوئی میں نزول فرمایا پس وہاں رات کو قیام فرمایا۔ یہ چاندی الحجہ اتوار کی رات تھی۔ اوّل دن نماز صبح ادا کی۔ پھر اسی دن غسل فرمایا۔

ذی طوئی میں آپ کا غسل کرنا اور مکہ مکرمہ

میں داخلہ کی تفصیل

کے ضبط میں چند اقوال ہیں جو فتح میں مفصل مذکور ہیں۔ لامع کے حاشیہ میں ہے کہ اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ ذی طوئی محصب، ابطح، بطحاء اور حنیفہ، بنی کنانہ یہ سب ایک ہی جگہ کے نام ہیں یا متعدد مقامات کے؟ نیز اس میں ہے کہ ذی طوئی اسفل مکہ میں عمرہ کے معتاد راستہ کی جانب ایک جگہ ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ مکہ اور تنعیم کے مابین ہے۔ اھ۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے الجامع الصحیح میں النزول بذی طوئی کا باب باندھا ہے، اور حاشیہ بخاری میں ہے کہ طوئی طاء کی بیانیوں حرکتوں کے ساتھ ایک جگہ ہے جو باب مکہ کے پاس ہے بمنصرف بھی ہے اور غیر منصرف بھی۔ کذا فی الجمع۔ تلامذہ تاریخی شرح مؤطا میں فرماتے ہیں: تنعیم کے راستہ میں ایک داوی ہے یہاں امیر الحج کا قیام ہوتا ہے، اور المرأة کے حاشیہ میں ہے مکہ کی غریب جانب ایک جگہ ہے پس وہاں دونوں گھاٹیوں کے درمیان رات کو قیام فرمایا۔ کذا فی الواہب۔ اور بخاری کی حدیث المساجد کے الفاظ یہ: ”ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذی طوئی میں نزول فرماتے تھے اور وہاں صبح تک قیام کرتے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز گاہ ایک بڑے شیلے پر ہے، وہاں جو مسجد بنی ہے، اس میں نہیں، بلکہ اس سے نیچے ہے۔“ یہ چار ذرا الحجہ اتوار کی تھی۔ اور یہ جمع علیہ ہے۔ اور وہاں نماز صبح ادا کی۔ پھر اسی دن غسل فرمایا۔ اور اجز میں بروایت بخاری ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے: ”یہاں تک کہ جب وہ دہریہ عمر ذی طوئی آتے تو صبح تک وہاں رات بسر کرتے، پھر جب صبح کی نماز پڑھتے تو غسل کرتے، اور فرماتے تھے کہ ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی کیا تھا،“ یہ غسل بالیکہ کے نزدیک طواف کیلئے ہے۔ اس لئے عائشہ نہیں کرے گی۔ اور آئمہ ثلاثہ کے نزدیک دخول مکہ کیلئے ہے۔ جیسا کہ اجز میں ان کی فقہی کتابوں سے

ونہض الی مسکتہ (قلت) ماراً علی وادی الازرق وقال کافی انظر الی موسیٰ
توجہ: اور مکہ کی طرف چلے دش) وادی ازرق سے گزرتے ہوئے اور فرمایا: گویا میں موسیٰ علیہ السلام
کو دیکھ رہا ہوں۔

بالتفصیل نقل کیا ہے۔ اسی طرح حاشیہ کو کب میں بھی۔ اور غیسل دخول مکہ کیلئے مستحب۔ ابن منذر فرماتے
ہیں کہ دخول مکہ کے وقت غسل کرنا تمام علماء کرام کے نزدیک مستحب۔ اور ان کے نزدیک اس کے ترک
سے فدیہ نہیں۔ اور اکثر علماء نے کہا ہے کہ اس کی بجائے وضو بھی کافی ہے۔ کذا فی الفتح۔

اور مکہ کی طرف چلے دش) وادی ازرق سے گزرتے

ارشاد نبوی: گویا میں موسیٰ کو دیکھ رہا ہوں | ہوئے۔ جو مکہ سے ایک میل ہے، حافظ فرماتے ہیں: یہ

آج سے چھپے ہے۔ اور اس ج: ہمزہ اور میم کے فتح اور جیم کے ساتھ۔ وہاں ایک کھیتوں والی بستی ہے۔ اور
فرمایا گویا میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں۔ کافی المواہب۔ یہ مسلم شریف کے الفاظ ہیں۔ اور

بخاری میں بھی قریناً یہی مضمون ہے یعنی اما موسیٰ فکافی انظر الیہ اذا اخذ رنی الوادی یلبی)
حافظ فرماتے ہیں کہ مہلب نے کہا ہے کہ اس روایت میں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کسی راوی کا وہم ہے۔

کیونکہ کسی روایت میں یہ نہیں آیا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں اور یہ کہ وہ حج کریں گے، البتہ
یہ مضمون عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے جس وارد ہوا ہے اس لئے راوی کو اشتباہ ہو گیا۔ حافظ فرماتے
ہیں: یہ تقد راویوں کی روایت کو محض وہم کی بنا پر غلط ٹھہرانا ہے۔ اسی مذکورہ سند سے یہ روایت کتاب

الہباس میں آ رہی ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام کا اضافہ ہے۔ کیا یہاں بھی یہی کہا جائیگا کہ
راوی نے غلطی سے اس نام کا اضافہ کر دیا؟ اور امام مسلم نے یہ حدیث بطریق ابوالعالیہ حضرت ابن عباس

رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے جس میں موسیٰ علیہ کے علاوہ حضرت یونس علیہ السلام کا بھی ذکر ہے۔ کیا یہ کہا
جاسکتا ہے کہ دوسرے راوی نے غلطی سے یونس علیہ السلام کے نام کا اضافہ کر دیا؟ اور اہل تحقیق نے ارشاد

نبوی: گویا میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں کی مختلف توجہات کی ہیں۔ اول یہ کہ یہ ارشاد حقیقت پر
محمول ہے۔ انبیاء علیہ السلام اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ لہذا کوئی مانع

نہیں کہ وہ اس حالت میں حج بھی کرتے ہوں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
موسیٰ کو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ گمراہ توجہ کا نتیجہ یہ ہے کہ کہا جائے کہ آپ

فَلَهُ جُؤَارِ إِلَى اللَّهِ بِالْتَلْبِيَةِ رَقَالَ، فَدَخَلَ نَهَارًا

ترجمہ: درانحالیکہ وہ تلبیہ کہتے ہوئے بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑاہے ہیں۔

رق، پس آپ مکہ میں دن کو داخل ہوئے

کو انبیاء علیہم السلام کی ارواح کا مشاہدہ ہوا۔ غالباً وہ دنیا میں آپ کے سامنے اسی طرح متمثل ہوئی ہوں گی جس طرح شب سراج میں ہوئی تھیں۔ مگر ان کے اجسام قبروں میں تھے۔ دوم یہ کہ ان حضرات کے ذریعہ حالت آپ کے سامنے متمثل ہوئے یعنی دنیا میں جس طرح انہوں نے عبادت کی تھی حج کیا تھا، تلبیہ پڑھا تھا، اس کا کشف آپ کو ہوا۔ اسی وجہ سے آپ نے فرمایا: گویا میں دیکھ رہا ہوں: سوم یہ کہ بذریعہ وحی آپ کو ان امور کی اطلاع دی گئی اور وحی کی قطعیت کی بنا پر فرمایا: گویا میں دیکھ رہا ہوں۔ چہاں یہ کہ یہ ویت شاید آپ کو کسی گذشتہ خواب میں ہوئی ہوگی۔ پھر جب آپ نعرہ حج کیا تو وہ خواب کا اقعہ یاد آیا اور اس کا تذکرہ آپ نے فرمایا۔ ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔ میرے نزدیک یہی توجیہ معتد ہے۔ حافظ کلام مختصر ختم ہوا۔ یہ توجیہات نووی نے شرح مسلم میں قاضی عیاض سے بھی نقل کی ہیں۔

درانحالیکہ وہ تلبیہ کہتے ہوئے بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑاہے ہیں۔ رزقانی کہتے ہیں: ”جُؤَار“ بضم جیم اور ہمزہ مفتوحہ ممدودہ اور راء کے ساتھ یعنی بلند آواز۔ ابو نعیم کہتے ہیں: جُؤَارُ ایسی آواز کہ کہتے ہیں جس میں فریاد طلبی اور گڑگڑانا پایا جائے۔ اور بخاری کی حدیث مساجد میں ذی طویل میں رات کے قیام کے بعد مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پہاڑ کے دو کونوں کی طرف رخ کیا جو آپ کے اور طویل پہاڑ کے درمیان کعبہ کی جانب تھا، پس اس مسجد کو جو وہاں بنائی گئی ہے، اس مسجد کے جو ٹیلے کے کنارے پر ہے، بائیں جانب کیا۔“

پس آپ مکہ میں دن کو داخل ہوئے جہور کے نزدیک

مکہ میں دن کو داخل ہونا بہتر ہے یا رات کو؟

اس میں چار مذاہب جو اجز میں دو جگہ یعنی باب غسل المحرم اور باب الحلاق میں ذکر کئے ہیں۔ اس میں ہے کہ امام مالک، اور حنفیہ کے نزدیک مکہ میں دن کو داخل ہونا مستحب ہے۔ شافعیہ سے بھی صحیح تر روایت یہی ہے۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ دن رات برابر ہیں۔ علامہ موفق اسی طرف مائل ہیں۔

من اعلیٰها۔ ترجمہ: بالائی جانب سے۔

اور نودی نے بعض تابعین سے رات کی افضلیت نقل کی ہے۔ اور بعض نے امام اور غیر امام کے مابین فرق کیا ہے۔ یعنی جو شخص امام اور مقتدی ہو اس کے لئے دن کو داخل ہونا مستحب ہے۔ تاکہ لوگ اسکے عمل کو دیکھیں۔ امام بخاری نے الجامع الصحیح میں ترجمۃ الباب قائم کیا ہے۔ ”باب دخول مکہ نہائاً اولیلاً“ اور اس کے تحت ابن عمرؓ کی حدیث ذکر کی ہے جس میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دن کو داخل ہوئے اور اس میں رات کو داخل ہونے کی حدیث ذکر نہیں کی۔ میرے تراجم بخاری میں اس ترجمہ کے ثبوت کی متعدد توضیحات مذکور ہیں۔

بالائی جانب سے یعنی ثنیۃ علیا سے۔ عزیز محمد رابع مدنی لکھتے

آنحضرت کا اعلیٰ مکہ سے داخل ہونا میں یہ جگہ ”آجکل“ معاہدہ کے نام سے معروف ہے یہاں شاہی محل ہے اور وہ آج کل رابطہ عالم اسلامی کا صدر دفتر ہے۔ اور یہی گھائی جبل جحون پر جڑھتی ہے۔ الہدیٰ میں اسی طرح ہے۔ اور اوجز میں ہے کہ ثنیۃ علیا وہ گھائی ہے جو اعلیٰ مکہ میں واقع ہے اور وہاں سے معلیٰ اور مقابر مکہ کی طرف اترتے ہیں۔ یہ محصب کے پہلو میں ہے۔ اور اسی کو جحون۔ حائے جملہ کے فتح اور حیم کے ضمہ کے ساتھ کہا جاتا ہے۔ ”اصہ اور معجم میں ہے کہ ”جحون“ مکہ کی بالائی جانب ایک پہاڑ کا نام ہے جس کے پاس قبرستان ہے۔ بکری کہتے ہیں یہ جگہ بیت اللہ سے ڈیڑھ میل ہے۔ حافظ دہلتے ہیں جحون کی چڑھائی دشوار تھی۔ حضرت معاویہؓ اور ان کے بعد دیگر سلاطین نے اسے آسان بنایا حافظ نے اس سلسلہ میں اپنے زمانے تک ان سلاطین کے نام بھی ذکر کئے ہیں۔ اعلیٰ مکہ سے داخل ہونا جمہور کے نزدیک مطلقاً مندوب ہے۔ اور مالکیہ کے نزدیک صرف ایسے شخص کے لئے مندوب ہے جو راہ مدینہ سے آئے۔ خواہ وہاں کا باشندہ ہو یا نہ ہو۔ اور جو شخص کسی اور راستے آئے اس کے لئے یہاں سے داخل ہونا مستحب نہیں خواہ وہ مدینہ طیبہ کا ہی باشندہ کیوں نہ ہو۔ کذا فی الاوجز۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ میں سفلیٰ

آنحضرت عمرہ میں اعلیٰ مکہ سے داخل ہوئے یا سفلیٰ مکہ سے مکہ سے داخل ہوئے تھے کذا فی المدی۔ اور شخص

بذل میں ہے کہ اس سلسلہ میں حافظ ابن قیمؒ کا استدلال غالباً ابو داؤد کی اس روایت سے ہے جو بطریق ہشام بن عروہ عن عائشہؓ مروی ہے اور جس میں یہ لفظ ہے کہ عمرہ میں آپؐ کدنی سے داخل ہوئے۔ مگر شیخ قدس سرہ نے بذل میں تفصیل سے بتایا ہے کہ یہ روایت مضطرب ہے۔ اور علامہ عینی نے اس حدیث

(قلت) وهل رفع يديه الكريمتين لما
توجه: اور جب بیت اللہ شریف پر آنحضرت صلی اللہ

پڑ جس میں یہ ہے کہ آپ کداری یعنی اعلیٰ مکہ سے داخل ہوئے تھے، بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس
سے معلوم ہوا کہ مکہ میں نذیہ علیا سے داخل ہونا مستحب ہے۔ اور خروج پائیں جانب سے بہتر ہے۔ حج
وغیرہ کرنے والے اس میں یکساں ہیں: اظہ تفصیل ذیل میں ہے۔

آپ کس دن مکہ میں داخل ہوئے | شیخ ابن قیم فرماتے ہیں جن لوگوں نے کہا کہ آپ منیٰ کو مکہ میں
داخل ہوئے یہ ان کا وہم ہے، طبری نے یہ قول نقل کیا ہے: ”آج
میں کہتا ہوں کہ ابن سعد کی جو روایت ابھی گذری کہ حضرت عائشہؓ مقام سرف میں سو ہوار کے دن حائضہ
ہوئیں، اس کا مقتضی بھی یہی ہے لہذا یہ بھی صریح غلط ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، کیونکہ تمام روایات
اس پر متفق ہیں کہ آپ مکہ مکرمہ میں ۴ ذی الحجہ کو بروز اتوار داخل ہوئے، منجملہ ان کے بخاری کی طویل
حدیث ہے جو بروایت کریم بن عباسؓ مروی ہے۔ اس میں تصریح ہے کہ ”پس آپ مکہ میں تشریف
لائے جب کہ ذی الحجہ کی چار راتیں گزر چکی تھیں“ نیز بخاری میں ابن طاووسؓ عن امیہ کی سند سے ابن
عباسؓ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ”آپ ۴ ذی الحجہ کی صبح کو حج کا تلبیہ پڑھتے ہوئے تشریف لائے“
یہ روایت امام مسلم نے بھی ذکر کی ہے۔ اور نسائی میں بطریق ابی العالیہ ابن عباسؓ کی روایت کے
لفظ یہ ہیں: ”جب کہ ذی الحجہ کی چار راتیں گزر چکی تھیں“ نیز اسی میں حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے:
”آپ مکہ میں ذی الحجہ کی چوتھی رات کی صبح کو تشریف لائے“ حضرت جابرؓ کی یہ حدیث ابوداؤد نے بھی
دو طریقوں سے روایت کی ہے اور صاحب مشکوٰۃ نے بروایت مسلم اس کو ذکر کیا ہے۔ اور امام
بخاری نے بھی احکام میں اس کو روایت کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسفل مکہ سے نکلنے
کے بیان میں آئے گا کہ آپ نے داخل ہونے اور نکلنے کے راستے کس مقصد کے لئے تبدیل فرمائے۔
نیز اس کا کچھ حصہ اس بحث میں آئیگا کہ آپ عونات کو ”ضب“ کے راستے سے تشریف لے گئے۔ اور
”مانہ میں“ کے راستے سے مراجعت فرمائی۔

شیخ اور جب بیت اللہ شریف پر آنحضرت صلی اللہ

بیت اللہ کو دیکھنے کے وقت ہاتھ اٹھانا

وقع بصرہ علی البیت؛ اختلف فیہ الروایا، قال، ثم سارحتی دخل المسجد
توجہ: سلیم کی نظر پڑی تو آپؐ نے ہاتھ مبارک
مختلف میں (رق) پھر آپؐ چلے یہاں تک کہ مسجد میں داخل ہوئے

علیہ السلام کی نظر پڑی تو آپؐ نے ہاتھ مبارک اٹھائے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں۔ جن
کی تفصیل بدل اس کی تمخیص نیز البیہار والنہایہ میں ہے، یہ رفع یدین ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مستحب ہے، امام
مالک کے نزدیک مکروہ ہے۔ عجیب بات ہے کہ ملا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں رفع کو اور شرح باب
میں عدم رفع کو ترجیح دی ہے۔ مختلف روایات میں تطبیق شیخ نے بدل میں ملا علی قاری سے اس طرح نقل
کی ہے کہ اثبات کو اول روایت پر اور نفی کو ہر مرتبہ کی روایت پر محمول کیا جائے شیخ قدس سرہ فرماتے
ہیں: "تطبیق بھی ممکن ہے کہ اثبات کی روایات سے مراد یہ ہے کہ دعا کے لئے دونوں ہاتھ پھیلائے اور ان
کو سینے تک اٹھایا، اور ترک رفع سے مراد ہے کہ جس طرح تحریر میں کانوں تک ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں
اس طرح تعظیم بیت اللہ کی خاطر نہیں اٹھائے"

رق) پھر آپؐ چلے یہاں تک کہ مسجد میں باب السلام سے داخل ہوئے مشکوٰۃ میں بحوالہ صحیحین حضرت
عائشہؓ سے مروی ہے کہ "آپؐ جب مکہ میں تشریف لائے تو آپؐ نے سب پہلا کام یہ کیا کہ وضو فرمایا: ملا علی
قاریؒ فرماتے ہیں: "یعنی وضو کی تجدید کی۔ کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ آپؐ دخول مکہ کے لئے غسل فرماتے
تھے، یا معنی لغوی مراد ہیں: "اے امام بخاریؒ! نے اس پر الطواف علی وضو کا باب باندھا ہے۔ گویا امام
بخاریؒ کے نزدیک حدیث کا محمل یہ ہے کہ آپؐ نے طواف کی خاطر وضو پر وضو کیا تھا۔

طواف کے لئے طہارت ضروری ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں اختلاف
طواف کے لئے طہار کا حکم ہے۔ موفق کہتے ہیں: "امام احمد کی مشہور روایت یہ ہے کہ طواف کے
لئے حدیث اور نجاست سے پاک ہونا شرط ہے۔ یہی امام مالکؒ اور شافعی کا قول ہے۔ اور امام احمدؒ
کی ایک روایت میں طہارت شرط نہیں، امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ طہارت شرط نہیں۔ ان کے اصحاب
میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک واجب اور بعض کے نزدیک سنت، اہم مقرر اور صاحب باب نے حدیث سے پاک ہونے
کو مطلقاً طواف کے واجبات میں شمار کیا ہے۔

وذلك ضعی واستقبل ودعا۔ فلما دخل عمد الى البيت ولم يركع تحية المسجد فلما حاذى الحجارا سود استلمه۔

ترجمہ: اور یہ چاشت کا وقت تھا اور آپ نے بیت اللہ کا استقبال کیا اور دعا فرمائی پس داخل ہوئے ہی بیت اللہ کا قصد کیا اور تحیۃ المسجد پڑھی اور جب حجر اسود کے سامنے آئے تو اس کا استلام کیا۔

باب السلام کی جانب سے مسجد میں داخل ہونا قاطعی قاری نے ذکر کیا ہے، اور البدی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے داخل ہوئے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں ایک ہیں۔ اور مرآۃ میں ہے کہ طبرانی نے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی عبد مناف کے دروازے سے داخل ہوئے۔ جسے آج کل باب بنی شیبہ یا باب السلام کہا جاتا ہے۔ اور یہ چاشت کا وقت تھا۔ اور آپ بیت اللہ کا استقبال کیا۔ اور دعا فرمائی۔ اور طبرانی نے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلعم جب بیت اللہ کو دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔

اللهم زد بیتک هذا تشریفاً وتعظیماً اے اللہ اپنے اس گھر کی شرافت و عظمت اور تکریم و مہابت۔

بیت اللہ کو دیکھنے کی بوقت کی مختلف دعائیں روایات میں آئی ہیں، جیسا کہ البدایہ والنہایہ وغیرہ میں مذکور ہیں۔

پس داخل ہوئے ہی بیت اللہ کا قصد کیا اور تحیۃ المسجد نہیں مسجد حرام میں تحیۃ المسجد کا حکم پڑھی۔ کیونکہ کعبہ کا سلام طواف ہے، جیسا کہ البدی اور بذل میں ہے۔

موفق فرماتے ہیں: جو شخص مسجد حرام میں داخل ہوا اس کے لئے مستحب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرتے ہوئے طواف سے ابتدا کرے جیسا کہ حضرت جابرؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے۔ اور یہی حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ وغیرہ سے بھی منقول ہے۔ اور اس لئے کہ طواف مسجد حرام کا سلام ہے۔ پس جس طرح دوسری مساجد میں داخل ہو کر سب سے پہلے تحیۃ المسجد پڑھنا مستحب ہے اسی طرح یہاں طواف مستحب ہے۔

اور جب حجر اسود کے سامنے آئے تو اس کا استلام کیا حجر اسود کا استلام اور اس کے آداب اور اسے بوسہ دینا، استلام کے معنی ہیں ہاتھ سے چھونا اور

حجر اسود کو بوسہ دینے کی روایات البدایہ والنہایہ میں مذکور ہیں اور ایک روایت میں سب سے کا بھی ذکر ہے، اور جن میں اس پر بڑی مفصل بحث کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے کہ گذشتہ بحث سے معلوم ہوا کہ یہاں چند مسائل میں اختلاف ہوا ہے، اول یہ کہ جب مورعہ اسلمہ اسلام میں طواف واجب نفل کے دینا

فرق نہیں کرتے۔ مالکیہ کی ایک جماعت بھی اسی کی قائل ہے۔ مگر المدونہ میں اسے طواف واجب کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ دوم تقبیل بالصوت یعنی اس طرح بوسہ لینا کہ اس کی آواز اُٹے اس کے جواز و عدم جواز میں اختلاف ہے، بہت سے مالکیہ کے نزدیک یہ مباح ہے اور جمہور علماء کے نزدیک نہیں۔ چوتھ: حجر اسود پر سجدہ کرنا امام مالکؒ کے نزدیک مکروہ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مستحب ہے۔ حنفیہ کے اقوال اس میں مختلف ہیں۔ رابع یہ ہے کہ مندوب ہے۔ چہارم: ہاتھ وغیرہ سے حجر اسود کا استلام کرنے کے بعد اس کا پو منا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مندوب ہے۔ اور امام مالکؒ کے نزدیک یہ مندوب نہیں بلکہ نفی تقبیل کے ہاتھ چھوڑ دے۔ پنجم: اگر استلام ممکن نہ ہو تو امام مالکؒ کے نزدیک بغیر اشارے کے تکبیر کہے، اور امام احمدؒ کے نزدیک صرف اشارہ کر دے مگر جس چیز سے اشارہ کیا ہے اسے چومے نہیں۔ اور امام شافعیؒ اور حنفیہ کے نزدیک اس چیز کو چوم لے: اھ

شیخ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: استلام کے وقت ہاتھ نہ اٹھائے نہ اسے تکبیر کے ساتھ شروع کرے۔ جیسا کہ نماز کیلئے تکبیر کہی جاتی ہے۔ بلکہ ایسا کرنا بدعت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بدعت نہیں بلکہ تکبیر جمہور علماء کے نزدیک ثابت ہے۔ بلکہ بالاجاز ثابت ہے۔ اور تقبیل کے وقت ہاتھ اٹھانا حنفیہ اور بعض شافعیہ کے نزدیک ثابت ہے۔ چنانچہ ہایہ میں ہے: پھر حجر اسود سے ابتدا کرے پس اس کا استقبال کرے اور تکبیر و تہلیل کہے۔ کیونکہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو حجر اسود سے ابتدا کی، پس اس کا استقبال کیا۔ اور تکبیر و تہلیل کہی۔ اور اپنے ہاتھوں کو اٹھائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صرف سات موقعوں پر ہاتھ اٹھائے جلتے ہیں۔ من جملہ ان کے استلام کو ذکر فرمایا: اور مفکرۃ العالم و طبوہ و حلب (۱۳۸۹ھ) میں ہے کہ: استلام کے وقت ہاتھ اٹھانا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سنت ہے۔ البتہ امام مالکؒ کے نزدیک مستحب نہیں: اھ اور المدونہ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ علامہ ندائی شرح مواہب میں لکھتے ہیں: امام شافعیؒ، حنابلہ اور ابن حبیب مالکی کے نزدیک یہ مستحب ہے کہ ابتدا طواف اور استلام چھو کے وقت یہ دعا پڑھے، بسم اللہ واللہ اکبر الخ رہماں پوری دعا تین کی ہے، اور وہ دہر فرماتے ہیں کہ تقبیل کے ساتھ تکبیر کہنا معتد ہے۔ مگر درویراد شارح اقناع نے رفع یدین کا ذکر نہیں کیا۔ اور نووی اپنے مناسک میں فرماتے ہیں: استلام حجر سے پہلے نیز طواف شروع کرتے وقت بسم اللہ واللہ اکبر کہنا مستحب ہے۔ ابن حجر اس کے حاشیہ

ورمحل فی طوافہ هذا۔

ترجمہ: اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طواف میں رمل کیا۔

میں لکھتے ہیں: ”محب طبری نے کہا ہے کہ طواف کو تکبیر سے شروع کرنا واجب ہے۔ بعض لوگوں نے ان کی پیروی کی ہے۔ مگر یہ قول ضعیف ہے، غالباً انہوں نے یہ قول دلیل کی وجہ سے اختیار کیا ہے۔ اور شیخ ابو حامد کا یہ قول بھی کہ ”ابتداء طواف میں نماز کی طرح کندھوں تک اٹھانا مسنون ہے“ ضعیف ہے۔ مگر یہ قول نقل کے اعتبار سے ضعیف ہے دلیل کے اعتبار سے ضعیف نہیں۔ اگرچہ ابن جاعہ نے اسے بدعت کہا ہے، کیونکہ مذاہب اربعہ اس پر متفق ہیں۔ مگر استقبال حجر کے وقت ہاتھ اٹھانا خفیہ کے نزدیک اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ سلف کی ایک جماعت سے یہ عمل ثابت ہے۔ اور ابو ذر ابھرہی نے اس سلسلہ میں ایک حدیث بھی نقل کی ہے اور ان کا طواف کو نماز پر قیاس کرنا، اس کے شروط اور اکثر سنن میں اس کا مؤید ہے“ ۱۱۸

اور آپ نے اس طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کیا، البدایہ والنہایہ نے اس سلسلہ کی روایات کی تفصیل سے ذکر کی ہیں۔ اور ردل کے مسئلہ پر ابو جریز میر سے حاشیہ بدل میں سات بحثیں ذکر کی گئی ہیں۔

اول: اس کے ضبط اور معنی میں۔ پس رمل پہلا اور میم کے فتح کے ساتھ اور بقول بعض میم کے کون کے ساتھ ۱۲ کے معنی یہ ہیں کہ چھوٹے چھوٹے قدم لے کر کندھے ہلاتے ہوئے تیز تیز چلے، مگر دوڑے نہیں۔ اس کی تفسیر میں علماء کا اختلاف البحر العقیق میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

دوم: اس کی مشروعیت میں۔ جمہور کے نزدیک یہ مشروع ہے، البتہ ابن عباسؓ سے اس کے خلاف منقول ہے۔ علامہ ابی فراتے ہیں کہ ابن عباسؓ کا مذہب یہ ہے کہ یہ سنت نہیں۔ مگر دیگر علماء اسے سنت قرار دیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ امام ابو داؤد نے ابو الطفیل سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابن عباسؓ سے عرض کیا کہ آپ کی قوم کا خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے طواف میں رمل کیا تھا، اور یہ سنت ہے، فرمایا: انہوں نے ایک بات صحیح کہی اور ایک غلطی میں نے کہا صحیح کیا اور غلط کیا؟ فرمایا: یہ تو صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمل کیا تھا، مگر یہ غلط ہے کہ یہ سنت ہے، ایک روایت میں ان سے ابتدا اور رمل کا یہ سبب منقول ہے کہ قریش مسلمانوں کے بارے

واضططبع بردائہ،

توجہ: اور اپنی چادر کا اضططباع کیا۔

چھڑی کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کرتے اور استلام کرتے اور اسے جوم لیتے۔

میں یہ کہتے تھے کہ یہ تو جہنوں کی طرح لاغر ہیں، ابن عباسؓ نے فرمایا اس بنا پر رمل مسنون ہوا۔

سوم: اس کے حکم میں جمہور کے نزدیک یہ سنت ہے مگر اس کے ترک سے کوئی چیز واجب

نہیں ہوگی۔ البتہ امام مالکؒ سے ایک روایت ہے کہ جب تک مکہ میں رہے اس کا عادیہ کرے۔ بعد

میں انہوں نے اس روایت سے رجوع کر لیا تھا۔ ابن الماجشون سے روایت ہے کہ اس کے تارک

پر دم واجب ہے۔ اور ابن حزم اس کے وجوب کی طرف مائل ہیں۔

چہام: رمل جمہور کے نزدیک چاروں طرف ہوگا؛ اگر باربعہ کا مسلک بھی یہی ہے البتہ تابعین

کی ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ رکنین کے درمیان رمل نہیں۔ یہی امام شافعیؒ کی ایک ضعیف

روایت ہے۔

بنجم: آیا یہ صرف آفاقی کے ساتھ مخصوص ہے یا مکئی بھی رمل کرے؟ اگر ثلاثہ کے نزدیک مکئی اور غیر مکئی کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ مگر امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اہل مکہ کے ذمہ رمل نہیں۔

ششم: خائبہ کے نزدیک رمل صرف طوافِ قدوم میں ہو سکتا ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی ایک

قول یہی ہے، مگر ان کا صحیح قول یہ ہے اور ہمارا قول بھی یہی ہے کہ رمل ہر اس طواف میں ہو سکتا ہے،

جس کے بعد سعی ہو۔ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ طوافِ قدوم میں کرے، اگر اس میں نہیں کیا تو طوافِ زیارت میں کرے۔

ہفتم: جس طرح پہلے تین چکروں کا وظیفہ رمل ہے۔ اسی طرح بقیہ چار چکروں کا وظیفہ سکون و

وقار ہے۔

اسی بنا پر حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ: رمل کا تدارک مشروع نہیں، پس اگر پہلے تین چکروں میں

رمل نہیں کیا تو باقی چار میں اس کی قضاء کرے کیونکہ انکی ہیئت سکون ہے۔ اس میں تبدیلی نہ کی جائے۔

اور اپنی چادر کا اضططباع کیا، بدل میں مجمع سے نقل کیا ہے کہ اضططباع کے

اضططباع کا حکم | معنی یہ ہیں کہ چادر کا درمیانی حصہ داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر اس کے دونوں

کنارے بائیں کندھے پر آگے پیچھے لٹکائے جائیں۔ اس کو اضططباع اس لئے کہتے ہیں کہ اس نے دونوں

وكلما حاذى الحجر الاسود اشار اليه واستلمه بالمحجن وقبله
مترجمہ : اور جب (طواف کرتے ہوئے) حجر اسود کے برابر آئے تو

پہلو ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اور حاشیہ اوجز میں ہے کہ موقوف لکھتے ہیں: اضطباع طواف قدوم میں مستحب ہے۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ اور امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ سنت نہیں: خفیہ بھی اس کی سنیت کے قائل ہیں۔ جیسا کہ ہادیہ میں ہے۔ اور جب (طواف کرتے ہوئے) حجر اسود کے برابر آتے تو چھری کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کر کے اس کا استلام کرتے اور اسے جوم لیتے۔ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف گذر چکا۔ (حق ان لوگوں کو دوہم ہوا ہے جنہوں نے یہ کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طواف میں رکن یمانی کی تقبیل فرماتے تھے، تقبیل تو حجر اسود ہی کی ہے، چونکہ حجر اسود کو اور اس کے پاس والے رکن کو ملا کر یمانیین کہا جاتا ہے، اس لئے بعض نے یہنا حجر اسود کو بھی یمانی سے تعبیر کیا۔ البتہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکن یمانی کا استلام کیا، مگر یہ ثابت نہیں کہ اس کو بوسہ بھی دیا۔

(ش) بعض روایتوں میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی پر طواف کیا۔ جیسا کہ ہادیہ میں ہے شیخ ابن ہکاج نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ آپؐ نے اس حج میں متعدد طواف کئے تھے۔ صاحب البدایہ والنبایہ نے یہی توجیہ امام شافعیؒ سے نقل کی ہے تفصیل آگے آتی ہے۔

رہا یہ کہ طواف پیدل کرنا واجب ہے یا مستحب؟ ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ پیدل چلنا مستحب ہے اور لماعی قاری کے مناسک میں ہے کہ واجب ہے۔ اوجز میں اس پر مفصل کلام کیا ہے۔ اور اس میں ہے کہ موقوف فرماتے ہیں: اس میں اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ غدر کی حالت میں سواری پر طواف کرنا صحیح ہے۔ باقی رہا بغیر غدر کے سواری پر یا کسی کے کندھے پر سوار ہو کر طواف کرنا؟ سو خرقی کے کلام کا مفہوم یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں یہ امام احمد کی ایک روایت ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ صحیح ہے۔ اور یہی امام مالک کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ مگر وہ فرماتے ہیں کہ جب تک مکہ میں ہے اس کا اعادہ کر لے اور اگر اعادہ کئے بغیر واپس آگیا تو دوم دے کر اس کی تلافی کرے۔ امام احمد کی میسر ہی روایت یہ ہے کہ صحیح ہے اور اس کے ذمہ کچھ لازم نہیں۔ یہی امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔ اس میں اختلاف نہیں کہ پیدل طواف کرنا افضل ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ موقوف نے

فلتأ فرغ من طوافه۔

ترجمہ: پس جب طواف سے فارغ ہوئے۔

امام ابو حنیفہؒ کا جو مذہب نقل کیا ہے امام مالک کے مذہب میں بھی یہی رائج ہے کہ جب تک کہ میں ہوا عادیہ کرے اور اگر کوئی نہیں لوٹ آیا تو دم واجب ہوگا۔ جیسا کہ وسوقی نے لکھا ہے: تفصیل اور جزئی ہے۔ شیخ قدس سرہ نے کوکب میں اس پر نہایت عمدہ کلام کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر طواف کیا یہ ہمارے نزدیک غدر کی بنا پر جائز ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غدر تھا کہ ہجوم کی وجہ سے لوگ آپ کے پیدل طواف کرنے میں تنگی محسوس کرتے تھے۔ نیز اسکی ضرورت بھی تھی تاکہ لوگ آپ کے افعال کو دیکھیں اور آپ ان کے سوالات کا جواب دیں اور یہ ساری چیزیں سواری پر ہونے بغیر ممکن نہیں تھیں۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہی سمجھا تھا، چنانچہ آپ کے بعد انہوں نے بلا عذر سواری پر طواف نہیں کیا۔

حضرت شیخ قدس سرہ کے کلام کی تائید مندرجہ ذیل روایات سے ہوتی ہے۔ امام مسلم اور ابو داؤد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اوشنی پر طواف کیا۔ آپ چھڑی کے ساتھ حجر اسود کا استلام کرتے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ آپ کو دیکھ سکیں اور آپ ادب نہ کریں اور لوگ آپ سے مسائل دریافت کر سکیں، کیونکہ آپ کے گرد انسانوں کا ہجوم تھا اور ابو داؤد میں حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ آپ کو یہ گوارا نہیں تھا کہ لوگوں کو بار بار کر آپ سے بٹایا جائے اور ابو داؤد میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لائے درآئیں ایک آپ علیل تھے پس آپ نے اپنی اوشنی پر طواف کیا، اللہ! اس حدیث کو یہ بھی سنئے ضعیف اور زیلعی نے قوی کہا ہے۔ اس علت کی طرف امام بخاریؒ نے باب الریض بطواف راكبا میں اشارہ کیا ہے جیسا کہ قاضی عیاضؒ نے کہلے اور نوویؒ نے انکی پیڑہ کہتے ہوئے فرمایا: احتمال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر طواف کرنا ان تمام اسباب کی وجہ سے ہوا ہوتا ہے۔

پس جب آپ طواف سے فارغ ہوئے۔ ہمارے نزدیک یہ طواف عمرہ

طواف قدم کا حکم تھا، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو فتح میں داؤدی سے نقل کیا ہے کہ یہ طواف نرائض حج میں سے تھا اور دیگر حضرات کے نزدیک یہ طواف قدم تھا۔ طواف قدم کے حکم

جاء الی خلف المقام توجہ: تو مقام ابراہیم کے پیچھے آئے

میں اختلاف ہے جیسا کہ اجزاء اور میرے حاشیہ بذل میں اس پر مختصر کلام کیا گیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ امام احمد کے نزدیک سنت ہے۔ جیسا کہ المغنی میں ہے۔ امام مالک کے نزدیک واجب ہے۔ امام شافعی سے موقوف نے وجوب نقل کیا ہے۔ مگر شافعیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہ سنت ہے جیسا کہ شرح ہندب اور مناسک نودی میں ہے۔ اور ہمارے (حنفیہ کے) نزدیک سنت ہے جیسا کہ تمام معتبر کتابوں میں ہے، البتہ ترازۃ المغنی میں اس کا وجوب نقل کیا ہے، جیسا کہ شرح لباب میں ہے۔ یہی یہ بحث کہ آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف قدوم کیا تھا؟ طحاوی کا جواب بظاہر نفی میں ہے، اور جن حضرات نے یہ کہا ہے۔ جیسا کہ آگے آتا ہے۔ کہ اس طواف مذکور کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے قریب نہیں گئے ان کے قول کا مفہوم بھی یہی نفی ہے، مگر حنفیہ کے مسلک کے مطابق یہ اصل اشکال ہے کیونکہ ان کے نزدیک قارن کے لئے آتے ہی دو طواف ضروری ہیں۔ طواف عمرہ اور طواف قدوم۔ جیسا کہ فقہ حنفی کی کتابوں میں مذکور ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان چار دنوں میں کئی طواف کئے ہوں گے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامت منی کے دوران بھی طواف ترک نہیں کیا۔ جیسا کہ آگے آتا ہے، لہذا یہ بعد از قیاس ہے کہ اقامت مکہ کے دوران چھوڑ دیا ہو۔ تو مقام ابراہیم کے پیچھے آئے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ صحیح قول کے مطابق مقام ابراہیم آج بھی اسی جگہ ہے۔ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔ اور سالم کی وہ روایت غریب ہے جس میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو پیچھے ہٹا کر موجودہ جگہ رکھا تھا، اھ حافظ فرماتے ہیں کہ ازرقی نے اخبار مکہ میں صحیح سندوں سے روایت کیا ہے کہ مقام ابراہیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں اسی جگہ تھا جہاں آج ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں سیلاب آیا تھا جو اس کو بہا کر لے گیا یہاں تک کہ اسفل مکہ سے۔ ستیاب ہوا۔ اور اسے لاکر کعبہ شریف کے خلاف سے باندھ دیا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر تشریف لائے پس اس کے معاد میں تفتیش فرمائی، جب اس کی پہلی جگہ کی تحقیق ہو گئی تو اسے دوبارہ اسی جگہ رکھا اور اس کے گرد تعمیر ہوئی۔ پس جب سے اب تک اسی جگہ قائم ہے۔ اھ میں کہتا ہوں کہ آج ۱۳۹۰ھ تک وہ اپنی جگہ موجود ہے۔

قراءۃً“ واتخذوا من مقام ابراہیم مصلیٰ“ و صلی رکعتین قلما فرغ من صلواتہ
استلم الحجر الاسود،

ترجمہ: پس یہ آیت پڑھی اور بناؤ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ اور دو رکعتیں ادا کیں پس جب اپنی
نماز سے فارغ ہوئے تو حجر اسود کا استلام کیا۔

پس یہ آیت پڑھی: اور بناؤ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ اور دو رکعتیں یا اس کیفیت ادا کیں
کہ مقام ابراہیم آپ کے اور بیت اللہ شریف کے درمیان تھا۔ اور ان دو رکعتوں میں سورۃ الکافرون
اور سورۃ الاخلاص پڑھی جیسا کہ مسلم اور ابوداؤد وغیرہ میں حضرت جابرؓ کی طویل حدیث میں ہے۔

دو گانہ طواف کے حکم میں اختلاف ہے۔ جس کی تفصیل اوچتر میں ہے۔
دو گانہ طواف کا حکم خلاصہ اس کا یہ ہے کہ خفیفہ کے نزدیک واجب اور امام احمد کے نزدیک

سنت ہے۔ شافعی کے دو قول تو یہی ہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ طواف واجب ہو تو یہ بھی واجب ہے
ورنہ سنت۔ مالکیہ کے تین قول تو یہی ہیں۔ اور ان کا چوتھا قول یہ ہے طواف واجب کے بعد ہو
تو واجب ہے ورنہ نذر دے۔ امام شافعی کے نزدیک فرض نماز دو گانہ طواف کے قائم مقام
ہو سکتی ہے، امام ابو حنیفہ اور مالک کے نزدیک نہیں ہو سکتی۔ اور امام احمد سے دونوں روایتیں ہیں۔

پس جب اپنی نماز سے فارغ ہوئے
طواف سے فارغ ہو کر حجر اسود کا استلام کرنا اور زمزم پینا تو حجر اسود کا استلام کیا۔ یہ استلام ائمہ

اربعہ سب کے نزدیک مستحب ہے۔ موقوف فرماتے ہیں کہ ہمیں اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں جیسا
کہ اوچتر میں ہے، اور اوچتر میں بدایہ سے نقل کیا ہے کہ ”جس طواف کے بعد سعی ہو اس میں استلام مستحب
ہے، کیونکہ جس طرح طواف استلام سے شروع ہوتا ہے اسی طرح سعی بھی“ احمد۔ ملا علی قاریؒ
استلام کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں: بلکہ یہ بھی صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود کی طرف لوٹنے کے
بعد زمزم پر آئے اور پانی پیا اور اپنے سر مبارک پر بھی ڈالا۔ پھر لوٹ کر حجر اسود کا استلام کیا۔ احمد میں
کہتا ہوں کہ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمزم پینے کی روایت مناسک حج کی کتابوں میں
تو ابھی تک مجھے نہیں ملی۔ البتہ الدرر الدیر نے سنن سعی میں دو گانہ طواف کے بعد قبیل حجر کا ذکر کرنے
کے بعد کہا ہے: اور مندوب ہے کہ زمزم پر جائے اور اس سے پانی پئے، پھر سعی کے لئے نکلے۔

ثم يخرج الى الصفا. فلما دنا منه قرا: "ان الصفا والمروة من شعائر الله" ابداً بما بدأ الله به. فركب عليه.

ترجمہ: پھر صفا کی طرف نکلے۔ پس جب اس کے قریب پہنچے تو یہ آیت پڑھی: "ان الصفا والمروة من شعائر الله" اور فرمایا میں اسی سے ابتدا کروں گا جس کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ذکر کیا ہے، پس صفا پر چڑھے۔

یہ سطور زیر قلم تھیں کہ منہاج میں حضرت جابرؓ کی حدیث دیکھی جس میں طواف کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمرم شریف پینے کا ذکر ہے، جس سے ملا علی قاریؒ کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ طوافِ افاضہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمرم شریف پینا معروف ہے، اس کا ذکر آگے آتا ہے۔ اور وہیں یہ بات بھی آئے گی کہ زمرم شریف کوثر سے افضل ہے اور زمرم شریف ساتھ لانے کا بیان آخر رسالہ میں آئیگا۔

پھر صفا کی طرف باب صفا سے نکلے، چنانچہ طبرانی کی باب صفا سے صفا کی طرف نکلنا معجم صغیر میں حدیث جابرؓ کے لفظ یہ ہیں پھر نکلے باب صفا ہے: اور نسائی میں ابن عمرؓ سے مروی ہے: "پھر نکلے صفا کی طرف اس دروازے سے جس سے صفا کی طرف نکلا جاتا ہے" نوویؒ اپنے مناسک میں فرماتے ہیں کہ اس دروازے سے نکلنا سنت ہے۔ مگر صاحب ہدایہ نے اس سے انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ: "اور جس دروازے سے چاہے نکلے" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باب صفا سے اس لئے نکلے تھے کہ صفا کو جانے کا قریب تر دروازہ یہی تھا، نہ اس لئے کہ یہ سنت ہے: اور صاحب کتاب نے بدائع وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ یہ مستحب ہے، اسی طرح الموفق نے بھی المغنی میں اس کا استحباب ذکر کیا ہے۔

پس جب اس کے قریب پہنچے تو یہ آیت پڑھی: "ان الصفا والمروة من شعائر الله" اور فرمایا: میں اسی سے ابتدا کروں گا۔

صفا سے سعی کی ابتدا کرنا جس کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ذکر کیا ہے۔ صفا سے سعی کی ابتدا کرنا جمہور کے نزدیک واجب ہے، ائمہ اربعہ بھی اس پر متفق ہیں، بلکہ اس پر اجماع نقل کیا گیا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے مروه سے ابتدا کی تو اس پیرے کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ صفا سے مروه تک پہلا پیرا شمار ہوگا، اس میں بعض تابعین اور بعض غائبوں کا اختلاف ہے، جیسا کہ اوپر میں مفصل مذکور ہے۔ پس صفا پر چڑھے۔ صفا پر اترے۔

ودعا، ثم نزل الى المروة يمشي فلما انصبت قدماه في بطن الوادي سعى -
 اور دعائیں کیں۔ پھر مروہ کی طرف اتر کر مقدارِ قنار سے چلے۔ اور جب قدم مبارک وادی کے
 اندر پہنچے تو تیز رفتاری سے چلے۔

پڑھنا کہ بیت اللہ شریف نظر آئے ائمہ اربعہ کے نزدیک سنت ہے، البتہ بعض شوافع کا اس میں اختلاف
 ہے۔ جس کی تفصیل اوجز میں ہے۔ اور بدایہ میں ہے کہ مپس اتنا چڑھے کہ بیت اللہ نظر آنے لگے کیونکہ
 چڑھنے سے مقصود صرف بیت اللہ کا استقبال ہے، "اھ اور مختلف دعائیں کیں۔ جو احادیث میں
 وارد ہیں، بہیقی کی روایت میں ہے کہ صفائیں جو شگاف ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس پر کھڑے
 ہوئے اور فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، جن پر سورۃ بقرہ
 نازل ہوئی اسی جگہ کھڑے تھے۔ پھر اتر کر مروہ کی طرف مقدارِ قنار سے چلے اور جب قدم مبارک وادی
 کے اندر پہنچے تو تیز رفتاری سے چلے، جیسا کہ حضرت جابر کی طویل حدیث میں ہے۔ وادی کی ڈھلان
 سے مراد اس زمانہ میں میلین اخضرین کا درمیانی حصہ ہے۔ کیونکہ یہ ڈھلان ایک زمانے سے باقی نہیں رہی۔
 اس حصہ کے اندر قدسے تیز رفتار سے دوڑنا سنت ہے۔

میلین اخضرین کے درمیان دوڑنا اور اس سے پہلے صفا کی جانب اور اس کے بعد مروہ کی
 طرف مقدارِ قنار سے چلنا جمہور کے نزدیک سنت ہے۔ جیسا کہ اوجز میں تفصیل سے ذکر کیا گیا
 ہے، اور اس میں اقوال مختلف ہیں، ان کی تفصیل بھی اوجز میں ہے۔ اوجز میں باجی سے نقل کیا ہے
 کہ اگر کسی نے بطن وادی میں سعی نہیں کی تو اس کے بارے میں امام مالک کے قول مختلف ہیں۔ ان سے
 ایک روایت یہ ہے کہ اس کے ذمہ دم واجب ہوگا۔ پھر اس قول سے رجوع کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کے
 ذمہ کچھ نہیں، ابن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ "جو شخص سعی کے دوران دوڑا نہیں اس کے بارے میں امام مالک
 کے قول مختلف ہیں، کبھی فرمایا کہ اعادہ کرے، کبھی فرمایا کہ اعادہ کی ضرورت نہیں، کبھی فرمایا کہ اس کے ذمہ دم
 ہے، کبھی فرمایا کہ اس کے ذمہ کچھ نہیں، "فقہ مالکی کی کتابوں میں تیز چلنے کو سنون لکھا ہے۔ اور نو دوی فرماتے
 ہیں کہ "اس مقام میں تیز چلنا ساتوں چکروں میں مستحب ہے، اور اس کے قبل و بعد میں مقدارِ قنار سے
 چلنا مستحب ہے، تاہم اگر تمام سعی آہستہ چل کر کی یا تمام دوڑ کر کی تب بھی کفایت کرے گی، مگر اس سے
 فضیلت فوت ہوگئی یہ امام شافعی اور ان کے موافقین کا مذہب ہے، "اھ موفق فرماتے ہیں، بطن وادی

کے اندر دوڑ کر چلنا سنت مستحبہ ہے اور اس کے تارک پر کچھ نہیں کیونکہ اگر بیت اللہ کے طواف میں رمل نہ کرے تو کچھ لازم نہیں آتا، پس صفارہ کے درمیان اگر رمل نہ کرے تو بدرجہ اولیٰ کوئی چیز واجب نہیں ہونی چاہیے۔ میں کہتا ہوں کہ یہی حکم حنفیہ کے نزدیک ہے۔ جیسا کہ ان کی فقہی کتابوں میں موجود ہے۔ انتہیٰ مخصوصاً من الادجز۔

اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طواف اور سعی دونوں پیدل تھے۔ اور مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ آپ نے طواف اور سعی سواری پر کی تھی۔ ایشیخ ابن عربی نے محاضرة الابرار میں اسی پر جزم کیا ہے، ابن حزم نے ان دونوں کے درمیان یو تطبیق دی ہے کہ جب اونٹ سوار کو لے کر وادی میں اترا تو گویا سوار خود اتر گیا اس لئے یہ کہنا صحیح ہوا کہ آپ کے قدم بطن وادی میں اترے، اور حافظ ابن قیم نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ آپ نے پہلے پیدل سعی شروع کی ہوگی، بعد میں سوار ہو گئے ہوں گے۔ صاحب البدایہ والنہایہ نے اسی پر جزم کیا ہے۔ اور اس کی تائید مسلم شریف کی اس روایت سے ہوتی ہے جو ابوالطفیل سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ مجھے یہ بتائیے کہ صفارہ کی سعی سوار ہو کر سنت ہے یا کہ نہیں، کیونکہ آپ کی قوم کا خیال ہے کہ سنت ہے، آپ نے فرمایا کہ انہوں نے کچھ صحیح کہا اور کچھ غلط۔ میں نے کہا کچھ صحیح اور کچھ غلط کا کیا مطلب فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد لوگ زیادہ جمع ہو گئے تھے۔ جب لوگ زیادہ ہوئے تو آپ سوار ہو گئے، انہیں کہتا ہوں کہ ابوالطفیل کی روایت کے الفاظ جوابدہ ابوداؤد میں مروی ہیں وہ اس تاویل کے منافی ہیں۔ اور وہ لفظ یہ ہیں: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنی سواری پر بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے اور چھڑی کے ساتھ حجر اسود کا استلام کر کے اسے جوم لیتے تھے، محمد بن رافع کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ”پھر آپ صفارہ کی طرف نکلے پس اپنی سواری پر صفارہ کے سات پھرے کٹے، اور تعالیٰ قاری نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ سوار ہونے کی حدیث کو عمرۃ القضا پر محمول کیا ہے، میں کہتا ہوں کہ مسلم و ابوداؤد کی حدیث جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کے الفاظ اس تاویل کی تصدیق نہیں کرتے اور وہ یہ ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں سواری پر بیت اللہ کا طواف کیا اور صفارہ کی سعی کی، میں کہتا ہوں

ولما وصل الى المروة استقبل البيت وكبر، فلما اكمل سعيه عند المروة
توجه: اور جب مروہ پر پہنچے تو بیت اللہ کا استقبال کیا اور تکبیر کہی پس جب مروہ پر سعی پوری ہوئی۔

کہ خفیہ کے مطابق جواب کی حاجت نہیں کیونکہ ان کا یہ قول کہ آپ نے دو طواف اور دو مرتبہ سہاگن۔ ان
تاویلات سے بے نیاز کر دیتا ہے اور روایات میں تارن کیلئے دو مرتبہ سہاگن تصریح موجود ہے جس کی
تفصیل اوچتے میں ہے۔ اور اس رسالہ کے شروع میں یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے بارے
میں چھ قول گزرے ہیں، وہاں اس کو اجمالاً ذکر کیا جا چکا ہے۔

رق، اور یہاں ابن حزم کو کھلا دہم ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
ابن حزم کا دہم | سعی کے تین چکروں میں رمل کیا تھا اور چار چکروں میں بمقادیر قرار سے چلے اور
اس پر طرہ یہ کہ وہ اس قول پر جس کا کوئی ایک بھی قائل نہیں، علماء کا اتفاق نقل کرتے ہیں۔

رق، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طوافِ قدم
آنحضرت کا طواف پیدل کیا تھا یا سواری پر | پیدل کیا تھا یا سواری پر؟ اس میں اختلاف ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ سواری طوافِ افاضہ میں تھی، طوافِ قدم میں نہیں تھا۔ مختصراً شیخ مقدس صرف نے بدل میں حدیث
ابن عباس کی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ اس حدیث میں جس طواف کے سواری پر کرنے کا ذکر ہے یہ کونسا
طواف تھا؟ طوافِ عمرہ یا طوافِ قدم یا طوافِ زیارۃ؟ اس سلسلہ میں کسی کی تصریح میری نظر سے
نہیں گذری، بظاہر یہ طواف جو سواری پر لگایا تھا زیارۃ تھا۔ اہل نووی نے بھی اپنے مناسک میں اسی
کو اختیار کیا ہے، میں کہتا ہوں کہ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو ابو داؤد نے حضرت ابن عباس
سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طوافِ افاضہ میں رمل نہیں کیا۔

اور جب مروہ پر پہنچے تو بیت اللہ کا استقبال کیا اور تکبیر کہی۔
سعی کے متعلق تین بحثیں | اور وہی رمل کیا جو صفا پر کیا تھا پس جب مروہ پر آکر سعی پوری

ہوئی، یہاں تین بحثیں ہیں۔ اول یہ کہ صفا سے سعی شروع کرنا اور مروہ پر ختم کرنا جمہور کا مذہب ہے،
وہ صفا سے مروہ تک کو ایک پھیرا اور مروہ سے صفا تک واپسی کو دوسرا پھیرا شمار کرتے ہیں، اس
میں بعض شافعیہ کا اختلاف ہے اور خفیہ میں سے امام طحاوی کا میلان بھی اسی طرف ہے کہ صفا
سے مروہ تک جانے اور مروہ سے صفا تک واپس آنے سے ایک پھیرا شمار ہوگا۔ موقوف فرماتے ہیں:

”صفا سے مروہ تک جانا ایک پھیرا ہے اور مروہ سے صفا تک آنا دوسرا پھیرا ہے۔ ابن جریر اور بعض شافعیہ سے منقول ہے کہ جانے آنے سے ایک پھیرا مکمل ہوگا۔ مگر یہ غلط ہے الخ“ پوری تفصیل اوپر میں ہے۔

دوسری بحث یہ کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعی کے بعد سعی کے بعد دو گانہ کا حکم | دو رکعتیں پڑھی تھیں؟ مطلب بن ابی وادعہ کی روایت میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سعی سے فارغ ہوئے تو مطاف کے کنارے پر دو رکعتیں پڑھیں۔ یہ حدیث امام احمد اور ابن حبان نے روایت کی ہے اور شیخ ابن ہمام نے اس سے استدلال کیا ہے کہ سعی کے بعد دو گانہ مستحب ہے، صاحب ثباب صاحب بحر اور ابی عابدین نے بھی انہی کی پیروی کی ہے، لیکن ابن حجر مکی نے شرح مناسک نووی میں اس پر تعقب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حنفیہ سے حدیث کے لفظ میں غلطی تصحیف ہوئی، یہاں ”سبعۃ“ کا لفظ نہیں بلکہ سبعہ ہے۔ جس سے مراد طواف کے سات پھیرے ہیں، اہل حقبتا ہوں کہ ابن حجر مکی کے قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابن ماجہ نے اس حدیث پر یہ عنوان قائم کیا ہے ”طواف کے بعد دو رکعتوں کا بیان“ اور حدیث میں سبعۃ کا لفظ با کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور اس سے زیادہ واضح دلیل یہ ہے کہ امام نسائی نے یہی حدیث اس طرح روایت کی ہے۔
”طاف بالبيت سبعاً ثم صلی رکعتین“ ریت اللہ کے گرد سات پھیرے کئے پھر دو رکعتیں پڑھی (مگر یہ تصحیف صرف حنفیہ کی کتابوں میں نہیں بلکہ یہ حدیث صاحب عون المعبود اور صاحب مسند الغابہ نے بھی مسند ابوالعلیٰ سے اسی لفظ سبعۃ یا ثے تحتانیر کے ساتھ نقل کی ہے۔ تفصیل میرے حاشیہ بندل اور ”مختصر بندل میں ہے۔ یہاں اس کا خلاصہ درج کیا گیا ہے۔

تیسری بحث یہ ہے کہ سعی کا حکم کیا ہے؟ اوپر میں دلائل کے ساتھ اس پر مفصل سعی کا حکم | بحث ہوئی ہے۔ اور اس کا اجمال ماثیہ لایع میں یہ ہے کہ اس میں اہل علم کے بین قول ہیں۔ اول یہ رکن ہے اس کے بغیر حج صحیح نہیں ہوگا۔ امام شافعی اسی کے قائل ہیں۔ امام مالک کا مشہور قول اور امام احمد کی دو روایتوں میں سے صحیح روایت بھی یہی ہے۔ دوم: یہ واجب ہے اور دم کے ساتھ اس کی تلافی ہو سکتی ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ کا اور غنیہ میں امام مالک کا قول ہے۔ سوم یہ سنت مستحبہ ہے: یہ ابن عباس کا قول ہے۔ اور امام احمد کی ایک روایت ہے۔“ اھ

امر کل من لا ھدی معہ ان یحفل حتما۔ وھناک قال لو استقبلت من امری ما استبدت لما سقت الھدی۔

ترجمہ: تو قطعی حکم فرمایا کہ جن لوگوں کے ساتھ ہدی کے جانور نہیں وہ احرام کھول دیں۔ اور اسی موقعہ پر فرمایا کہ جو بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی وہ اگر پہلے معلوم ہو جاتی تو ہدی ساتھ نہ لاتا۔

تو قطعی حکم فرمایا کہ جن لوگوں کے پاس ہدی کے جانور نہیں وہ احرام کھول دیں۔ خواہ وہ مفرد ہوں یا قارن۔ قرآن والوں نے باوجودیکہ حج و عمرہ دونوں

کا احرام باندھ رکھا تھا۔ مگر ان کو بھی فسخ احرام کا حکم فرمایا۔ اس کی وجہ قریب ہی گزر چکی ہے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ ہدی کے جانور نہیں تھے اس لئے انہوں نے بھی احرام کھول دیئے، جیسا کہ بخاری مسلم اور نسائی کی روایت میں ہے اور عنقریب آگے آ رہا ہے۔ اور جن کے ساتھ ہدی کے جانور تھے وہ بتدریج احرام میں رہے۔ ان کے نام بھی آگے آ رہے ہیں۔ موضع "مصرف" میں احرام حج کو عمرہ میں تبدیل کرنے کا جو حکم فرمایا یہ اُس سے اوپر کے مرتبہ کا حکم تھا۔ اور اسی موقعہ پر فرمایا کہ جو بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی وہ اگر پہلے معلوم ہو جاتی تو میں ہدی ساتھ نہ لاتا۔ چنانچہ شیخین نے حضرت جابر

سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر ذی الحجہ کی صبح کو مکہ تشریف لائے، پس جب ہم مکہ پہنچے تو ہمیں حکم دیا کہ ہم احرام کھول دیں۔ اور فرمایا کہ بیویوں کے پاس جاؤ۔ عطا فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر یہ حکم لازم نہیں کیا تھا۔ بلکہ عورتوں کو ان کے لئے حلال قرار دیا تھا۔ پس آپ کو یہ خبر پہنچی کہ ہم و صحابہ یہ کہتے ہیں کہ اب جب کہ ہمارے اور عرفہ کے درمیان صرف پانچ راتیں باقی ہیں تو آپ نے یہ حکم فرمایا کہ ہم احرام کھول کر عورتوں کے پاس جائیں؟ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم عرفات میں ایسی حالت میں جائیں گے کہ ہماری شرمگاہوں سے منی ٹپک رہی ہوگی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا تم سب سے زیادہ سچا اور تم سب سے زیادہ نیکو کار ہوں۔ اگر ہدی کے جانور نہ ہوتے تو میں بھی تمہاری طرح احرام کھول دیتا، پس اگر یہ بات مجھے پہلے معلوم ہو جاتی جو بعد میں معلوم ہوئی تو میں ہدی کے جانور ساتھ نہ لاتا۔ پس ہم نے احرام کھول دیئے، اور سماع و طاعت بجالائے، نوویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت جابرؓ کا یہ ارشاد کہ ان پر یہ حکم لازم نہیں کیا تھا۔ اس کا مطلب

یہ سبہ کہ عورتوں سے مقاربت کو ضروری قرار نہیں دیا تھا۔ بلکہ اس کی اجازت دے تھی۔ اس کو واجب نہیں کیا تھا، باقی احرام کھول دینا ان لوگوں کے لئے واجب اور قطعی تھا جسکے پاس بدی نہیں تھی۔ اس میں اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ارشاد نبوی: لو استقبلت من امری **الکام مقصد اس ارشاد سے کیا تھا** خنخ بدل میں فرماتے ہیں کہ: "اس کے معنی یہ ہیں کہ میرے لئے اب ظاہر ہوئی ہے اگر پہلے سے ظاہر ہوئی ہوتی تو میں ہدی ساتھ نہ لاتا، کہا گیا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے لئے آپ کی اقتدار کا ترک کرنا گراں تھا، اس لئے صحابہ کرام کی دلوں کے لئے فرمایا تاکہ انہیں اطمینان ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو چیز کی ان کو دعوت دے رہے ہیں وہی ان کے لئے افضل ہے" الخ یہی بات ان سے پہلے نو دئی گئی تھی۔ اوشیخ المشائخ کو کب میں فرماتے ہیں کہ یہ بات اس لئے ارشاد فرمائی تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ گمان نہ کیا جائے کہ جس طرح صحابہ نے احرام کھول دیا ہے، آپ خود بھی کھول دیں گے، اور تاکہ حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ کے لہجہ پر کمر نہ کریں۔ اور تاکہ حضرت علیؓ کو معلوم ہو جائے کہ جس کے ساتھ ہدی کے جانور ہوں اس کو احرام کھولنے کا حکم نہیں۔ اور جن کے ساتھ ہدی نہیں وہ احرام کھول دیں گے۔ علاوہ ازیں اس قسم کے اور بھی فوائد ہیں۔ اصر یہ ساری بحث جمہور کی رائے کے مطابق ہے۔ اور یہ حدیث اس مسئلہ میں حنا بلکہ دلیل ہے کہ تمتع افضل ہے۔ چنانچہ موقوف لکھتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ وہ افراد اور قرآن کو چھوڑ کر تمتع کریں۔ ظاہر ہے کہ آپؐ نے انہیں افضل ہی کی طرف منتقل ہونے کا حکم دیا، یہ ناممکن ہے کہ آپؐ انہیں اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کی طرف منتقل ہونے کا حکم دیں۔ جب کہ آپؐ خیر کی طرف دعوت دینے والے اور اعلیٰ و افضل کی طرف راہنمائی کرنے والے تھے۔ پھر اس مضمین کو آپؐ نے یوں ٹوک دیا کہ خود اپنی ذات کے بارے میں اس کے قوت ہو جانے پر افسوس کا اظہار فرمایا کہ ہدی کی وجہ سے آپؐ احرام کھولنے اور قرآن سے تمتع کی طرف منتقل ہونے پر قادر نہیں ہو سق گئے کلام پر یہ اشکال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن آپؐ کی اپنی ذاتی رائے کی وجہ سے نہیں تھا۔ کہ آپؐ کو اس پر افسوس کرنے کی ضرورت ہوتی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے تھا۔ جیسا کہ وادعی عقیق کی بحث میں گند چکا ہے کہ آپؐ کے پاس ایک آنے والا فرشتہ آیا اور اس نے کہا: "کیسے عمرہ حج میں" ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو ماضی و مستقبل کی خبر ہے۔

دهناك دعا للخلق ثلاثا قد روى انه صلى الله عليه وسلم احل هو ايضا وهو غلط قطعاً -
توجهہ اور اسی جگہ حلق کرانے والوں کیلئے تین بار دعا فرمائی۔ اور روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہد کو کھولیا تھا یہ غلط

اور اسی جگہ حلق کرانے والوں کیلئے تین بار اور قصر
حلق کرانے والوں کیلئے تین بار دعا فرمانا کرانے والوں کے لئے ایک بار مغفرت کی دعا فرمائی۔ اور جز

میں اس سلسلہ میں روایات کا اختلاف بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ یہ دعا عمرو حیدیبہ میں فرمائی تھی یا
حجۃ الوداع میں؟ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ حیدیبہ میں دعا فرمانا ہی محفوظ ہے۔ نووی فرماتے ہیں کہ صحیح اور
اوشہد یہ ہے کہ یہ دعا حجۃ الوداع میں فرمائی تھی۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ بعید نہیں کہ دونوں جگہ یہ دعا کی
ہو۔ یعنی فرماتے ہیں کہ یہی صحیح اور صواب ہے۔ حافظ نے فتح میں اسی کو اختیار کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے
ہیں کہ یہی متبعین ہے کیونکہ دونوں جگہ دعا کرنے کی روایات بکثرت ہیں۔ البتہ سبب دونوں جگہ مختلف ہیں۔
جیسا کہ اوپر میں تفصیل سے وہ روایات ذکر کی گئی ہیں۔ اور یہی ظاہر ہے۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے
کہ حجۃ الوداع میں آپ نے یہ دعا کس موقع پر فرمائی، مرویہ پر یا منیٰ میں؟ صاحب الہدیٰ نے اس پر جزم
کیا ہے کہ مرویہ پر دعا فرمائی تھی، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اسی جگہ حلق کرانے والوں کے لئے دعا کی۔ اور زکافی
وغیرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ منیٰ میں دعا فرمائی کیونکہ ان حضرات نے یہ دعا منیٰ کے حلق کے بعد ذکر کی ہے۔
میرے نزدیک اس دعا کا مرویہ پر ہونا اوجہ ہے کیونکہ دلوں احرام کھولنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے حکم کا کمال اتباع تھا۔

حضرت معاویہ کی روایت کہ انہوں نے مرویہ
پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قصر کیا تھا
رق اور روایت ہے کہ آپ نے بھی احرام کھول
دیا تھا۔ مگر یہ قطعاً غلط ہے۔ یہ وہم حضرت معاویہ کی
اس روایت سے پیدا ہوا جو ابو داؤد میں ہے کہ حجۃ الوداع

میں مرویہ پر انہوں نے تیر کے بھالے کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قصر کیا تھا۔
قسطانی، الواہب میں کہتے ہیں کہ علماء نے حضرت معاویہ کی اس روایت کی صحت کو تسلیم نہیں کیا۔
پوری بحث بدل اور اوپر میں ہے، اور مشکوٰۃ کے حاشیہ میں لمعات سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں یہ کمال
ہے کہ اس کو حج پر محمول کرنا صحیح نہیں کیونکہ قارن کا حلق یا قصر مرویہ پر نہیں بلکہ منیٰ میں ہوتا ہے۔ نیز یہ طے شدہ
بات ہے کہ حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قصر نہیں بلکہ حلق ہوا تھا۔ ہذا یہ حدیث عمرو پر محمول

وہناك سألہ سراقۃ اِلِعامہم هذا اثمٌ لا بد۔

توجہ: اور حضرت سراقہؓ نے اسی موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یہ صرف اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے؟

ہو سکتی ہے۔ مگر یہ قصہ عمرہ حدیبیہ کا بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق کرایا تھا۔ اور اسے عمرہ القضاء پر محمول کرنا بھی ممکن نہیں کیونکہ باتفاق اہل بیت حضرت معاویہؓ فتح مکہ کے سال اسلام لائے، لہذا اس کو عمرہ جعزانہ پر جو ذی القعدہ ۳ھ میں ہوا۔ محمول کیا جاسکتا تھا، مگر یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ صحیح کے بعض الفاظ میں آتا ہے کہ یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے اور نسائی کی روایت میں بسند صحیح یہ لفظ ہیں: **وَذَلِكَ فِي أَيَّامِ الْعَشْرِ رَابِعِهِ عَشْرَةِ ذِي الْحِجَّةِ** کی بات ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ حجۃ الوداع ہی میں ہو سکتا ہے، اور یہ بھی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اس دن نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احرام کھانا ان لوگوں کا جن کے پاس ہدی کے جانور تھے۔ کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے حضرت معاویہؓ کی اس بات سے انکار کیا تھا۔ اور اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا سہو قرار دیا تھا۔ جس طرح انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اس بات سے انکار کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمرہ وجب میں ہوا۔

تورپشتی فرماتے ہیں کہ اس میں یس یہی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس میں سہو ہوا کہ یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے، اور یہ بات ایک ایسے شخص کے بارے میں کچھ بھی مستبعد نہیں جس پر مشاغل کا بھرم ہو اور جس کے کانوں آنکھوں اور حافظے پر پیرائے سالۃ اثر انداز ہو چکی ہو، ان کا سن مبارک اسی سے متجاوز تھا، اندریں صورت اسے عمرہ جعزانہ پر محمول کیا جائے اور ذی الحجہ اور عشرہ ذی الحجہ کے ذکر کو سہو قرار دیا جائے، **اح نو دمی** نے بھی اسے عمرہ جعزانہ پر محمول کیا ہے، اور محب طبریؒ نے اسکی تصویب کی ہے، اور ابن قیمؒ نے اس کو بطور احتمال ذکر کیا ہے۔ اور ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں اسی کو قطعی قرار دیا ہے۔

اور جب آپ نے فسخ احرام کا حکم فرمایا تو اس پر حضرت سراقہ بن مالک بن جعشمؓ جنہوں نے نقا اُمرہ میں آپ سے عرض کیا تھا کہ ہمیں ایسا صاف اور واضح حکم دیجئے جیسا ان لوگوں کو دیا جاتا ہے جو گویا آج پیدا ہوئے ہوں۔ انہوں نے اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حکم یعنی حج کے مہینوں میں عرو کرنا اسی سال کیلئے ہے یا ہمیشہ کیلئے؟ **بِإِثْرِ ثَلَاثَةِ أَفْرَافٍ** فرمایا، اور اٹھنے نزدیک اس سے مراد حج کو فسخ کر کے عرو کرنا ہے۔

حج کو فتح کر کے عمرہ بنالینے کی بحث اور حضرت سراقہ کی اس حدیث کا جواب منزل سرف کے بیان میں گند چکا ہے۔ آنحضرتؐ نے سراقہؓ کے مندرجہ بالا سوال کے جواب میں فرمایا: ”ہمیشہ کیلئے“ الہدیٰ میں اسی طرح ہے۔ اس کے برعکس بخاری کی روایت میں ہے کہ سراقہؓ نے یہ سوال دی جمرہ عقبہ کے وقت کیا تھا۔ اس کے لفظ ”باب عمرہ تنعم“ میں روایت جابرؓ یہ ہیں: ”سراقہ بن مالک بن جشم جمرہ عقبہ کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے جب کہ آپؐ اس کی رمی کر رہے تھے، پس عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ آپؐ لوگوں سے ہی سے مخصوص ہے؟ فرمایا: ”نہیں! بلکہ ہمیشہ کے لئے“ حافظ فرماتے ہیں کہ کتاب التمنیٰ میں یہ لفظ ہیں: ”ورآخا لیکہ آپؐ جمرہ عقبہ کی رمی کر رہے تھے“ اس حدیث میں اس جگہ کی تصریح ہے جہاں حضرت سراقہؓ نے یہ سوال کیا تھا اور امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی جو حدیث جعفر بن محمد عن ابیہ کے طریق سے ذکر کی ہے اس کے سیاق کا مقتضی یہ ہے کہ یہ سوال اس وقت کیا گیا جب کہ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو حج کا احرام کھول کر عمرہ بنانے کا حکم فرمایا: اسی سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے جو اس کے قائل ہیں کہ سراقہؓ کا سوال فتح حج الی العمرة سے متعلق تھا۔ ممکن ہے کہ سوال دونوں چیزوں کے متعلق ہوا ہو کیونکہ سوال متعدد جگہ ہوا تھا۔

ارشاد نبویؐ: ”عمرہ حج میں داخل ہو گیا کا مطلب“ مسلم شریف میں جعفر بن محمد کی روایت میں ہے کہ حضرت سراقہؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا

رسول اللہ! کیا یہ صرف اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کیلئے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دو مرتبہ فرمایا: کہ عمرہ حج میں داخل ہو گیا صرف اسی سال کے لئے نہیں! بلکہ ہمیشہ کے لئے۔ ”نوویؒ فرماتے ہیں کہ جہور کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ جابلی دستور کے برعکس حج کے ہینوں میں عمرہ کرنا جائز ہے اور بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن جائز ہے یعنی عمرہ کے افعال حج کے افعال میں داخل ہو گئے اور بعض نے اس کا مفہوم ایسا ہے کہ عمرہ کا واجب ماقط ہو گیا اور یہ قول ضعیف ہے کیونکہ پیغمبرؐ بلا دلیل کو مقتضی ہے بعض نے ان کا مطلب یہ ہے کہ:

حج کے احرام کو فتح کر کے اسے عمرہ بنالینا جائز ہے، مگر یہ بھی ضعیف ہے۔ نوویؒ کے قول پر تعقب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ سوال کا انداز و سیاق اس تیسری تاویل کے حق میں ہے۔ بلکہ ظاہر یہ ہے کہ سوال تو فتح حج ہی کے بارے میں تھا مگر جواب اس سے عام ہے جو باشتنا تیسری تاویل کے مذکورہ بالا تمام تاویلات کو شامل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ”تہذیب کلام الحافظ۔“

ان صحابہؓ کے نام جنہوں نے احرام نہیں کھولا حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت طلحہ

رقلت) وقد مر على من اليمن بمبدنه -

ترجمہ (ش) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں سے تشریف لائے آپ کی ہدی کے اوٹ لے کر۔

اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم نے احرام نہیں کھولا۔ کیونکہ ان کے ساتھ ہدی کے جانور تھے کفافی الہدی نام طحاوی نے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل ثروت کا اضافہ کیا ہے۔ اور اہل ثروت کے احرام نہ کھولنے کا ذکر امام مسلم نے بھی کیا ہے شیخ ابن عربی نے "المجاہدہ" میں لکھا ہے کہ: بالار حضرت نے احرام نہیں کھولا رقی الزواج مطہرات رضی اللہ عنہم نے بھی جن کا قرآن تھا احرام کھول دیا تھا البتہ حضرت عائشہؓ نے عند کی بنا پر احرام نہیں کھولا۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت عائشہؓ کے بارے میں شیخ ابن قیم کا یہ قول، "انہ ثلاثہ کی رائے پر سنبھلے، حقیر کے نزدیک حضرت عائشہؓ نے عمرہ کا احرام نہ کھولا تھا تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

(ش) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں سے تشریف لائے۔ آنحضرت

یمن سے حضرت علیؓ کی آمد | صلی اللہ وسلم نے ان کو تحصیل صدقات کیلئے یمن بھیجا تھا۔ جیسا کہ بخاری

شریف کی کتاب المغازی "باب بعث علی ابن ابی طالب و خالد بن الولید الی یمن قبل حجة الوداع" میں اس کی تفصیل ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ مال سعایت لے کر آئے اور مکہ مکرمہ میں آپ سے آکر ملے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ تم نے کیسا احرام باندھا؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے یہ نیت کی تھی کہ جو احرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے وہی میرا ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ ہدی تیار رکھو اور بدستور احرام کی حالت میں رہو۔ الی آخر الحدیث۔ اسی طرح حضرت ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا احرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام پر معلق رکھا تھا۔ مگر ان کے پاس چونکہ ہدی کا جانور نہیں تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم فرمایا کہ حج کا احرام فسخ کر کے عمرہ بنالیں اور احرام کھولیں۔

حاشیہ لایع بین باب من اهل زمن النبي صلى الله عليه وسلم الخ کے تحت

احرام مبہم و معلق | ان دونوں حضرات کے احرام نیز احرام مبہم اور معلق پر خوب بحث کی گئی ہے۔

احرام مبہم اور معلق کے مسئلہ میں جو مذاہب ہیں ان کے بیان میں شرح حدیث کے کلام میں الجھاؤ ہے جس کی تفصیل حاشیہ لایع میں ہے۔ خلاصہ یہ کہ احرام مبہم تو یہ ہے کہ حج یا عمرہ کی تعیین کے بغیر احرام باندھے۔ اور

معلق یہ ہے کہ یوں نیت کرے کہ جیسا احرام فلاں نے باندھا ہے ویسا ہی میرا ہوگا۔ ائمہ اربعہ کے اجماع اقوال میں احرام کی یہ دونوں صورتیں صحیح ہیں۔ اگرچہ بعض سے مختلف روایات بھی مروی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کی ہدی کے اوٹ لے کر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کے جانور جو آپ کے ساتھ تھے اور جو یمن

دقال، اقام بظاہر مکة اربعة ايام يقصر الصلوة

ترجمہ: (رق) پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر مکہ میں چار دن ٹھہرے۔ درآنحالیکہ آپ قصر کی نماز پڑھتے تھے۔

سے آئے تھے، ان سب کی مجموعی تعداد ایک سو تھی۔ جیسا کہ انہیں میں ہے اور صحیح مسلم اور ابوداؤد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں بھی اس کی تصریح ہے۔ زرقانی نے قاضی عیاض سے نقل کیا ہے کہ جو اونٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے لائے تھے اور جن کی تعداد تیسٹھ تھی، بظاہر ان ہی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک بخرد فرج کیا۔ جیسا کہ امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور بخوانٹ میں سے آئے تھے وہ آپ نے حضرت علیؓ کو عطا فرما دیئے تھے۔

حضرت علیؓ کا حضرت فاطمہؓ سے ناراض ہونا | احرام کے دیکھا تو ناراض ہوئے۔ زرقانی فرماتے ہیں کہ ترمذی، نسائی اور ابوداؤد میں حضرت برادر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہؓ کے پاس گئے تو دیکھا کہ انہوں نے نضوح دایک خاص قسم کی خوشبو لگا رکھی ہے جس کی خوشبو تک رہی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ناراض ہوئے تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا: آپ ناراض کیوں ہوتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو حکم فرمایا ہے اس لئے وہ احرام کھول چکے ہیں۔

حضرت علیؓ کی آمد اس وقت ہوئی جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ”الطبع“ میں فروکش تھے، اس سے اس روایت کی تردید ہو جاتی ہے جو طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے کہ حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دُحُفہ میں آکر ملے تھے۔ کذا فی البدایہ والنہایہ۔

پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر مکہ یعنی الطبع میں جو مکہ سے مشرقی

آنحضرتؐ کا مکہ سے باہر قیام کرنا | جانب ہے چار دن ٹھہرے۔ درآنحالیکہ آپ اسی جگہ قصر کی نماز پڑھتے تھے۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وہ اذان اسی جگہ ہوئی تھی جس پر امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ہے: باب المؤذن ینتبع فادہبنا وادہبنا اور اس کے تحت حضرت ابو حنیفہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے حضرت بلالؓ کو دیکھا کہ وہ اذان دے رہے تھے۔ پس اذان میں منہ ادھر ادھر کر رہے تھے۔ اور البدایہ والنہایہ میں بروایت احمد ابو حنیفہؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت بلالؓ کو دیکھا کہ اذان کہہ رہے تھے اور گھوم رہے تھے۔ اور منہ ادھر ادھر کر رہے تھے۔ اور ان کی انگلیاں کانوں میں تھیں، اور رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم سرخ خیمے میں فروکش تھے جو میرا خیال ہے کہ چمڑے کا تھا۔ پس حضرت بلالؓ آپ کے آگے آگے
 برہی نما عصا و عنزہ لے کر نکلے اور اس کو زمین میں گاڑ دیا پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی۔
 عبد الرزاق کہتے ہیں کہ میں نے ان سے یعنی اپنے شیخ سے، مکہ میں سنا، فرماتے تھے کہ یہ قصہ بطحا کا ہے۔
 صاحب بدایہ نے اس مضمون کی متعدد روایات ذکر کی ہیں۔ ایک روایت میں حضرت ابو جحیفہ سے مروی
 ہے کہ ظہر کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطحا کی طرف نکلے پس وضو کیا۔ الخ اور اسی روایت میں ہے
 کہ پھر لوگ کھڑے ہوئے پس انہوں نے آپؐ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے چہروں پر ملنا شروع کیا۔ اھ یہ حدیث امام
 بخاری نے بھی ذکر کی ہے۔

غالباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام

حضرت سعد کی غیاد اور ان کے سارے مال بطحا کے دوران ہی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ
 کی وصیت کے بارے میں دریافت کر لیا قصہ کی عیادت کرنے اور ان کے اپنے سارے مال کا
 وصیت کے بارے میں دریافت کرنے کا واقعہ پیش آیا جو روایات میں معروف ہے اور یہ تو جب
 ہے جب کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہو جیسا کہ راجح یہی ہے البتہ بعض روایات میں ہے کہ یہ قصہ فتح مکہ
 کا ہے، مگر اول ہی راجح ہے کیونکہ وہ صحیحین کی روایت ہے، اور فتح مکہ والی روایت ترمذی کی ہے۔
 اگرچہ حافظ نے ایک اور حدیث بھی اس کی مؤید نقل کی ہے، اور ان دونوں کے مابین تطبیق بھی مری
 ہے۔ جیسا کہ لامع کے حاشیہ میں کتاب الوصایا میں اس کی تفصیل ذکر کی گئی ہے۔

غالباً اسی مقام میں حدیث طبیطیہ کا وہ واقعہ بھی پیش آیا جو امام ابو داؤدؓ

حدیث طبیطیہ کا قصہ نے باب تزویج من لم یولدہ میں نقل کیا ہے۔ کیونکہ اس میں تصریح ہے کہ
 کرم کی آمد آپ کے حج میں ہوئی تھی، اور سناحہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں
 تھے۔ یہ حدیث امام ابو داؤد نے باب ما یؤمر بہ من وفاء النذر میں مختصراً ذکر کی ہے جس میں ہوا میں
 اونٹ ذبح کرنے کا قصہ مذکور ہے۔ امام احمد نے یہ دونوں قصے ایک ہی حدیث میں ذکر کئے ہیں۔

پھر میرے نزدیک ظاہر یہ ہے ان ایام میں
 کیا ان چار دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کہ آپؐ بطح میں فروکش تھے۔ طواف کعبہ کے لئے
 طواف کعبہ کے لئے گئے تھے؟ اتنے ربے بخلاف ان حضرات کے جو اس کے قائل

میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان ایام میں بیت اللہ کے قریب نہیں گئے، جیسا کہ پہلے گذرا،

اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو ابن عربی نے المحاضر
باب کعبہ کے پاس آپ کا خطبہ میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 نے اس حج میں باب کعبہ کا حلقہ پکڑا، پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے مسلمانوں کی جماعت!
 میں جملہ علامات قیامت کے یہ چیزیں ہیں۔ نماز کو غارت کرنا، نفسانی خواہشات کی پیروی کرنا خیانت
 پیشہ حاکموں اور بدکار وزیروں کا ہونا، اس طویل حدیث میں علامات قیامت اور ان گناہوں کا ذکر
 ہے جن میں یہ امت مبتلا ہوگی۔ اور یہ تو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب پہلے پہل بیت اللہ
 میں تشریف لائے تو بیت اللہ کا طواف کرنے کے بعد فوراً صفا کی طرف نکل گئے۔ اسی طرح یوم
 النحر کو منیٰ سے سواری پر تشریف لائے، اونٹ پر طواف کیا اور اس کے بعد خنیفہ کے نزدیک
 سعی کی، اور راجح قول کے مطابق ظہر سے قبل ہی منیٰ کو واپس تشریف لے گئے۔ جیسا کہ ابی عمر کی تائید
 ہے اور طواف و دارع آپؐ نے رات کے وقت نماز صبح سے پہلے کیا تھا جیسا کہ اپنی جگہ آتا ہے۔ اس
 لئے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطحائے طواف کے لئے تشریف لائے ہونگے
 اور یہ طویل حدیث جو ابن عربی نے ایک ورق میں نقل کی ہے، ارشاد فرمائی ہوگی۔ جس سے اس بات
 کی تائید ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ایام میں بھی طواف کیا، نیز اس کی تائید اس بات
 سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ کی راتوں میں طواف کیلئے مکہ تشریف لائے تھے جیسا
 کہ عقرب آتا ہے اور میرے نزدیک یہ بعید ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ سے تین میل کے
 فاصلے سے تو طواف کے لئے تشریف لائیں اور خود مکہ میں قیام کے دوران طواف نہ کرتے ہوں،
 امام بخاریؒ کے ترجمہ الباب باب منیٰ لم یقرّب الکعبۃ پر لایع کے حاشیہ میں مفصل گفتگو کی گئی ہے نیز اس
 کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ عرزی الحج کا خطبہ خنیفہ و مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک سنت ہے۔
 اور بظاہر وہ مسجد حرام ہی میں ہونا چاہئے۔ چنانچہ او جز میں ہے کہ ابن الموزان فرماتے ہیں کہ حج کے تین
 خطبے ہیں، پہلا عرزی الحج کو نماز ظہر کے بعد مسجد حرام میں، "اھ اب اگر یہ خطبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
 ابطح میں دیا ہوتا تو جو لوگ مکہ میں مقیم تھے وہ اس سے محروم رہ جاتے۔ نیز طبقات ابی سعد کی اس تائید
 سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ آپؐ کے لئے ابطح میں خیرہ نصب کیا گیا تھا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی

فلما كان يوم الخميس ضلعي توجه الى منى. احرم بالحج من كان احل منهم
توجه: پس جب جمعرات کو چاشت کا وقت آیا تو منی کا قصد کیا اور جو حضرات احرام کھول چکے تھے
انہوں نے بھی احرام باندھ لیا۔

فرد گاہ کی طرف لوٹ گئے اور جب یوم الترویہ سے پہلا دن آیا۔ یعنی ۷ ذی الحجہ تو آپؐ نے نماز ظہر کے
بعد مکہ معظمہ میں خطبہ دیا: اھ

خطبات حج میں اختلاف | علماء اس کے قائل ہیں کہ یہاں ۷ ذوالحجہ کا خطبہ مسنون ہے۔ البتہ
اس میں امام زفرؒ کا اختلاف ہے وہ اسے سنت نہیں کہتے بلکہ ان کے
تزدیک تینوں خطبے پے در پے ہوں گے اور پہلا خطبہ ۸ ذی الحجہ کو ہوگا، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک
بھی تین ہی خطبے ہیں، مگر پے در پے نہیں بلکہ پہلا خطبہ ۷ ذوالحجہ کو نماز ظہر کے بعد ہوگا، جیسا کہ اوپر گذرا۔
اور دوسرا ۹ ذوالحجہ کو عرفات میں نماز ظہر سے قبل ہوگا۔ اور تیسرا ۱۰ ذوالحجہ کو منیٰ میں نماز ظہر کے
بعد ہوگا۔ اور شافعیہ کے نزدیک چار خطبے ہیں، پہلے دو تو وہی ہیں جن کے حنفیہ اور مالکیہ قائل ہیں۔
اور تیسرا یوم النحر ۱۱ ذوالحجہ کو اور چوتھا ۱۲ ذوالحجہ کو۔ خاندل کی کتابوں میں مجھے ۷ ذوالحجہ کے خطبے
کی تصریح نہیں ملی۔ البتہ شافعیین نے ذکر کیا ہے کہ وہ چار خطبوں میں شافعیہ سے متفق ہیں۔

منیٰ کو روانگی | پس جب جمعرات کو چاشت کا وقت ہوا۔ الہدیٰ میں اس طرح ہے: اور ابی خزم
نے بھی اسی کو ذکر کیا ہے، جیسا کہ شرح مناسک للنووی میں ہے اور اسی طرح
"المحاضرہ" میں ہے، اور یہی معروف ہے۔ اس کے خلاف ایک قول آگے آتا ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ
وسلم ظہر کے بعد منیٰ کی طرف متوجہ ہوئے۔ تو اپنے رفقاء سمیت منیٰ کا قصد کیا۔ حضرت بلالؓ آپ کے
ساتھ تھے۔ ان کے ہاتھوں میں ایک لکڑی پر کبریا لگا ہوا تھا۔ جس سے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سایہ
کرتے تھے۔ جیسا کہ البدایہ والنہایہ میں ہے۔ محرم کے سایہ میں بیٹھنے میں آنکھ کا جو اختلاف ہے وہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پالان پر حج کرنے کے بیان میں گزر چکا ہے۔

ابطح سے احرام باندھنا | اور جو حضرات احرام کھول چکے تھے انہوں نے بھی ابطح ہی سے احرام
ابطح سے احرام باندھ لیا۔ امام بخاریؒ نے ترجمہ الباب قائم کیا ہے: باب الاھلال من
الابطحاء وغیرھا للمکي: اور منیٰ پہنچ کر وہاں قیام فرمایا اور نماز ظہر ادا کی، جیسا کہ الہدیٰ میں ہے،

و بات بہا حتی طلعت الشمس
مجمعہ: اور رات کو دوہل قیام رطلہ بانگ آفتاب طلوع ہوا۔

نیز زرقانی نے بھی یہی ذکر کیا ہے۔ اور جیسا کہ پہلے گذرا ہی معروف ہے۔ اور اجز میں ابو عبد اللہ قطبی کی شرح موطا سے نقل کیا ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۸ روزہ الحجہ کی شام کو منیٰ کی طرف نکلے۔ نو دہائی اپنے مناسک میں فرماتے ہیں: اور ان کا درجہ حج کا منیٰ کی طرف، مکہ سے نکلنا نماز صبح کے بعد ایسے وقت ہوگا کہ ظہر کی نماز منیٰ میں پڑھ سکیں: شافعیہ کا صحیح اور شہور مذہب یہی ہے جو ان کی تصریحات سے ثابت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ظہر مکہ میں پڑھ کر نکلیں آئے۔

اور رات کو دوہل قیام رطلہ۔ اسی رات سورۃ والمرسلات نازل ہوئی چنانچہ سورۃ والمرسلات کا نزول امام بخاریؒ نے باب یقتل المحرم من الدواب کے ذیل میں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ: ”دیں اثنار کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ منیٰ کی ایک غار میں تھے کہ آپؐ پر المرسلات نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تلاوت فرما رہے تھے، اور میں آپ کی زبان مبارک سے اس کو حاصل کر رہا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ رطب اللسان تھے۔“ الملاحظہ فرماتے ہیں کہ اسماعیلی کی روایت میں ہے کہ یہ عذہ کی شب تھی: انتہی۔ بخاری وغیرہ کی روایات میں ہے کہ دوہل ایک سانپ نکلا تھا، صحابہ کرام نے اس کو قتل کرنا چاہا مگر وہ اپنی بل میں داخل ہو گیا۔ یہاں تک کہ جمعہ کے دن کا آفتاب طلوع ہوا۔ اس میں اختلاف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حج مبارک جمعہ کو ہوا۔ رہی یہ بحث کہ آیا جمعہ کے حج کو کچھ مزید خصوصیت بھی حاصل ہے؟

جمعہ کے حج کی فضیلت | اجز میں اس پر مفصل کلام کیا ہے، اور اس میں عبد اللہ بن کثیرؒ کی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل دعا یوم عذہ کی دعا ہے۔ ”الحمدیث۔ زرقانی فرماتے ہیں کہ تجرید الصحاح“ میں اس حدیث کے شروع میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: ”سبب افضل دن عذہ کا دن ہے۔“ جو جمعہ کے دن آئے، اور ایسے دن کا حج دوسرے دنوں کے شرحوں سے افضل ہے۔“ حافظ اس حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں کہ ”اگر اس حدیث کی کچھ اصل ہو تو احتمال ہے کہ ستر کے لفظ سے خاص حد ہی مراد ہو یا محض کثرت میں مبالغہ مقصود ہو، بہر صورت اس کی مزید خصوصیت ثابت ہوتی ہے۔“ ابن قیمؒ کی الہدیٰ میں ہے کہ ”یہ جو عوام کی زبان پر مشہور ہے کہ جمعہ کا وقوف عرفات بہتر حج کے برابر

فسار منہا الی عرفۃ بطریق ضب
توجہ: پس دہاں سے عرفات کی طرف روانہ ہوئے۔ ضب کے راستے سے،

ہے یہ قطعاً باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ کسی صحابی یا تابعی سے۔
زر قانی نے جو حدیث تجرید سے نقل کی ہے وہ جمیع انقواء میں بھی مذکور ہے۔ اور ملا علی قاریؒ شرح لباب میں
فرماتے ہیں کہ جمعہ کا وقوف دیگر ایام کے وقوف سے ستر درجے افضل ہے، نیز وہ فرماتے ہیں کہ میں نے
اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ”الخط الاوفرنی الحج الاکبرؒ“ ہے۔ اور زرین کی مذکورہ بالا
حدیث کے بارے میں علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں: ”اس کے ذکر کرنے میں زرین متغویہ ہے، اس نے اس کے
راوی صحابی کا بھی ذکر نہیں کیا نہ اس کے مخرج کا۔“ اس کے بعد انہوں
نے وہی بات ذکر کی ہے جو حافظؒ کے کلام میں گزر چکی ہے کہ اگر اس کی کچھ اصل ہو تو احتمال ہے الخ پوری

تفصیل ادجز میں ہے۔

پس دہاں سے عرفات کی طرف روانہ ہوئے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد
منی سے عرفات کو روانگی ہے: ثم افيضوا من حيث افاض الناس: دیکھ تم سب کو ضرور ہے کہ

اسی جگہ ہو کر واپس آؤ جہاں اور لوگ جا کر دہاں سے واپس آتے ہیں ترجمہ حضرت تھانویؒ

امام بخاریؒ کی کتاب التفسیر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے
حسں ک عرفا میں جانا میں کہ قریش اور ان کے ہم مشرب لوگ صرف مزدلفہ جا کر واپس آ جاتے تھے اور
حسں کہلاتے تھے، اور ان کے علاوہ باقی عرب عرفات میں وقوف کرتے تھے، پس جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ
نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ عرفات جائیں اور دہاں وقوف کر کے واپس آئیں۔ یہی مطلب ہے
حق تعالیٰ کے ارشاد: ثم افيضوا من حيث افاض الناس کا: ”البدایہ والنہایہ میں منی میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ نمازوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: پھر آپ تھوڑی دیر ٹھہرے، یہاں تک کہ آفتاب
طلوع ہوا۔ اور آپ کے حکم سے نمروہ میں بالوں کا خیمہ نصب کیا گیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے
اور قریش کو یقین تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشعر حرام کے پاس (مزدلفہ میں ہی) ٹھہریں گے، جب کہ چٹا
میں قریش کا دستور تھا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ سے گزر کر عرفات پہنچ گئے، زر قانی نے شرح
مواہب میں بھی اسی طرح ذکر کیا ہے، اور یہ حضرت جابرؓ کی طویل حدیث کے الفاظ ہیں۔

ضبت کے راستے سے یہ اس راستہ کی دائیں جانب ہے جو آج کل دو گنہیں معروف
ضبت کا راستہ ہے۔ اور المرأة کے حاشیے میں ہے کہ ”ضبت اس پہاڑ کا نام ہے جس کی حر میں مسجد

خَنَزَلٌ فِي قَبْرِهِ -

توجہ: پس ایک قبر میں فروکش ہوئے۔

خیف ہے۔ اور طریقِ ضَبِّ عرفہ کی دائیں جانب مائِئین کے اول سے شروع ہوتا ہے اور یہ طریق مائِئین سے مختصر راستہ ہے۔ اور زرقانی فرماتے ہیں: ضَبُّ رَفْعِ ضَاوِدِ تَشْدِيدُ اِیْکِ سِتِّیْ ہے جو آجکل لوگوں کے دائیں جانب آتی ہے۔ ملا علی قاریؒ کی شرح لباب میں ہے: مستحب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی اقتدا کرتے ہوئے ضَبِّ کے راستے عرفات کو جائے اور مائِئین کے راستے سے واپس آئے۔ مگر اکثر لوگوں نے ہمارے زمانے میں اس کو ترک کر دیا ہے۔ کیونکہ اس راستہ میں کاشی بہت ہیں اور خوف کا غلبہ ہے۔ اور مائِئین عرفہ اور مزدلفہ کے مابین ایک تنگ گھاٹی کا نام ہے۔ اہل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہؓ ملیبہ کہتے تھے اور بعض تکبیر کہتے تھے۔ اور کسی بزرگمہ نہیں کی جاتی تھی جیسا کہ صحیحین میں ہے۔

پس وہاں آپ ایک قبر میں فروکش ہوئے۔ جو مردہ نصب
ہَمْرَہ عرفات میں داخل ہے یا کہ نہیں؟ کیا گیا تھا۔ اور آیا ہَمْرَہ عرفات میں داخل ہے یا اس سے خارج ہے؟ اس میں اختلاف ہے جس کی تفصیل میرے حاشیہٴ بدل میں ہے۔ چنانچہ بدل میں ہے کہ طیبی فرماتے ہیں کہ یہ عرفات کے قریب ایک پہاڑ کا نام ہے جو عرفات میں داخل نہیں۔ اہل اور میرے حاشیہ میں ہے کہ نوویؒ اور زرقانی نے شرح مواہب میں یہی ذکر کیا ہے اور اکمال میں ابی کے کلام میں بھی یہی ظاہر ہے اور نوویؒ کی تہذیب اللغات میں ہے کہ یہ عرفات کے قریب ایک معروف جگہ ہے۔ اور شرح ہندب میں فرماتے ہیں: یہ عرفات کا حصہ نہیں۔ بلکہ عرفات کے قریب میں واقع ہے۔ یہی قول صحیح ہے جس کی امام شافعیؒ نے تصریح کی ہے۔ حافظ فرماتے ہیں: یہ عرفات کے قریب ایک جگہ ہے جو بیرونِ حرم عرفات اور حرم کے کناروں کے مابین واقع ہے۔ عینیؒ میں بھی اسی طرح ہے۔ اور یہی مُغْنِی سے ظاہر ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ہَمْرَہ میں قیام کرے اور چاہے تو عرفات میں۔ لیکن حاجی اور مدویر کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عرفہ میں شامل ہے اور حنفیہ کی کتابوں سے ظاہر ہے کہ یہ عرفات میں شامل ہے۔ بلکہ فخر الدین زلیعی نے شرح کنز میں اور جمال الدین زلیعی نے تخریج ہدایہ میں اور ابن ہشام نے فتح القدیر میں اس کی تصریح کی ہے۔ نیز رد المختار میں بھی یہی ہے، اور عینیؒ میں اس کے خلاف اوپر گزر چکا ہے اور مجمع البحار میں ہے کہ

حتى اذا زالت الشمس سار حتى اتى بطن الوادى فخطب خطبة عظيمة -

ترجمہ: یہاں تک کہ جب زوال آفتاب ہوا تو روانہ ہوئے یہاں تک کہ بطن وادی میں پہنچے۔
پس ایک عظیم الشان خطبہ دیا۔

یہ عرفات میں ایک پہاڑ ہے جس پر حرم کے بت رکھے جاتے تھے اور قاموس میں ہے: یہ عرفات میں ایک جگہ ہے یا وہ پہاڑ ہے جس پر حرم کے بت رہتے تھے۔ اُن زمین سے نکلوا تو یہ تمہاری دائیں جانب آئیں گے اور یہی حضرات ابن عمر کی حدیث سے ظاہر ہے جو ابو داؤد و باب النحر و الی عرفہ میں ان الفاظ سے مروی ہے: یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ پہنچے، پس نمرہ میں فروکش ہوئے اور یہی قزو گام ہے امام کی جو اس جگہ عرفہ میں فروکش ہوئے۔

اور اجز میں ہے: باب وقوف بعرفہ میں ہے کہ ناظرین کتب بطن عرفہ عرفات میں داخل نہ ہو جائیں؟ حدیث کے لئے تین چیزوں کی تحقیق کی حاجت ہے کہ آیا وہ عرفہ میں داخل ہیں یا نہیں۔ ایک بطن عرفہ، دوسری نمرہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ نصب کیا گیا، تیسری عرفات کی مسجد، بعد ازاں بہت ہی تفصیل کے ساتھ ان پر بحث کی ہے۔ اگر تفصیل و تحقیق کا شوق ہو تو اجز کی مراجعت کرو۔ یہاں تک کہ جب زوال آفتاب ہوا تو اپنی ناقہ مبارک تصوا کو تیار کرنے کا حکم فرمایا۔ وہ تیار کی گئی تو اس پر سوار ہو کر روانہ ہوئے یہاں تک کہ بطن وادی میں پہنچے، جو سرزمین عرفہ کا حصہ ہے۔ الہدیٰ نذر قان اور مرقاة میں اسی طرح ہے، اور ہندل میں حضرت جابرؓ کی حدیث طویل کے الفاظ: حتی اتى بطن الوادى کے تحت لکھا ہے کہ یہ عرفات میں ایک جگہ ہے جو عرفہ کہلاتی ہے اور یہ عرفات کا حصہ نہیں بخلاف امام مالک کے کہ وہ ان کے نزدیک یہ عرفات میں شامل ہے۔

اجز میں برقی تفصیل سے بحث کی گئی ہے کہ عرفہ عرفات میں داخل ہے یا اس سے خارج؟ اور اس میں ہے کہ اگر اربعہ متفق ہیں کہ وقوف عرفہ و وقوف عرفہ کی جگہ کافی نہیں البتہ امام مالک کا ایک مروج قول ہے کہ یہ بھی کافی ہے مگر اس پر دم لازم ہوگا، پس آپ نے سواری پر سے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے ایک عظیم الشان خطبہ دیا۔ یہ ایک خطبہ تھا یا دو تھے؟ اس میں اختلاف ہے جو آگے آتا ہے۔

اجز میں اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے کہ آیا وقوف وقوف عرفات پیدل ہو یا سواری پر؟ عرفہ سواری پر افضل ہے یا پیدل؟ یا دونوں برابر ہیں؟ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ سواری پر افضل ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر وقوف کیا تھا نیز اس

مقام میں دعا اور گریہ و زاری میں مبالغہ مطلوب ہے اور سواری سے اس پر خوب مدد مل سکتی ہے۔ اور شافعیہ و حنابلہ کا ایک قول یہ ہے کہ پیدل افضل ہے، اور امام شافعیؒ سے ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ دونوں مساوی ہیں تفصیل ادجز میں دیکھیے۔

رخ (۱) اس خطبے کا بیشتر حصہ سیرت ابن ہشام، ابن عربی کی "المحاضو" ابتدایہ والہندیہ اور زرقانی شرح مواہب میں مذکور ہے اس خطبے میں آپ نے ابن ربیعہ کے خون کے ساقط کرنے کا اعلان فرمایا، جیسا کہ مسلم اور ابو داؤد میں ہے۔ ربیعہ کے اس شرکے کا نام ایسا تھا، مسلم اور ابو داؤد کی بعض روایات میں "ربیعہ کے خون" کا لفظ ہے۔ جسے ایک جماعت نے غلط قرار دیا ہے، مگر غلط کہنے کی ضرورت نہیں۔ ربیعہ ولی دم تھا۔ اس لئے اس کی طرف نسبت کرنا مستبعد نہیں۔ اس خطبہ میں جاہلی سود کے موقوف ہونے کا اعلان کیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ سب پہلے جہاس بن مطلب کا سود ساقط کیا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ سب ساقط ہے۔ اس خطبہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا: "خوب یاد رکھو کہ جاہلیت کی ایک ایک چیز میرے قدموں کے نیچے پامال ہے۔" اسی خطبہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا: "اے لوگو! میرا خیال ہے کہ ہم اور تم اس مجلس میں پھر کبھی جمع نہیں ہوں گے۔" حضرت ابو امامہؓ کی حدیث کے الفاظ اس سے زیادہ واضح ہیں۔ مگر اس میں عرفہ کی تصریح نہیں، جیسا کہ کنز العمال میں ہے۔

رق، ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا میدانِ عرفات میں سواری پر آپؐ کا دودھ نوش فرمانا نے دودھ کا ایک پیالہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، جو آپؐ نے سب لوگوں کے سامنے اوٹ پر نوش فرمایا، تھقیض بدل میں یہاں بیرونوش کے بجائے ناقہ کے لفظ کی تصویب کی ہے جس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اول قصہ میں آپ کا ناقہ قصور پر سوار ہونا مذکور ہے۔ لیکن ادجز میں موطا اور بخاری سے متعدد روایتیں نقل کی ہیں جن میں "ربیعہ کا لفظ ہے، ان کی تائیل یہ ہے کہ لفظ ربیعہ زراہ و مادہ دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ امام راغب اور صاحب قاموس وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ اور نسائی کی روایت میں "جمل کا لفظ بھی مؤول ہے ادجز میں یہ بھی ہے کہ متعدد وجود سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے منافی نہیں کہ "جو پائوں کی پشتوں کو منبر بنانے سے احتراز کرو" ابو داؤد ایک وجہ یہ کہ یہی اس صورت پر معمول ہے جب کہ چوپائے کو مشقت لاحق ہو۔ یا یہ کہ عرفہ میں سواری کا مندوب ہونا اس ممانعت سے مستثنیٰ ہے۔ میرے نزدیک آؤجہ

جواب یہ ہے کہ یہ مقتبی کے ذیل کے شعر کے قبیل سے ہے۔

لیت انا اذا ارتحلت الخیل وانا اذا نزلت الخیام

جب تو گھوڑوں پر سوار ہو تو کاش ران کی جگہ میں ہوتا۔ اور جب تو خیموں میں فروکش ہو تو کاش ران کی جگہ بھی میں ہوتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب کے سامنے ناقہ پر دو دوہ نوش فرمانا حاجی کیلئے معروفہ کے روزے کا حکم اس امر کے اظہار کے لئے تھا کہ آپ کا روزہ نہیں متعدد روایات میں

جوابدایہ والنہایہ میں ذکر کی گئی ہیں۔ یوم عرفہ میں روزے کی ممانعت آئی ہے۔ اور اس مسئلہ میں امر کا اختلاف ہے جس کی تفصیل اوجز میں ہے۔ امام شافعی اور امام مالک فرماتے ہیں کہ روزہ حاجی کے لئے سنت نہیں۔ امام

اسحاق فرماتے ہیں کہ اس کے لئے بھی سنت ہے۔ اور امام احمد فرماتے ہیں کہ اس کے لئے سنت ہے بشرطیکہ ضعف نہ ہو۔ یہی حکم حنفیہ کے نزدیک ہے۔ اگر دعاؤں سے ضعف کا اندیشہ ہو تو ترک مستحب ہے اور

ایک قول یہ ہے کہ مکہ و تنزیہی ہے انتہی لخصوصاً ذی الحجہ خطبہ سے فارغ ہونے کو ملائی کو حکم فرمایا پس انہوں نے نماز کی اقامت کہی۔ یہ ابن جزم کا قول ہے جو وہم پر مبنی ہے اور صحیح یہ ہے کہ خطبہ کا مقام

عرفہ تھا جو موقف نہیں۔ اور دو دوہ پینے کا قصہ عرفہ کا ہے جو موقف ہے۔ عرفات کا خطبہ ایک ہے یا دو؟ ذی الحجہ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی خطبہ دیا

تھا۔ دو خطبے نہیں تھے کہ ان کے درمیان میں بیٹھے مولیٰ رسول ہدایہ میں ہے کہ امام دو خطبے پڑھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی کیا تھا۔ جمہور کے نزدیک جن میں حنفیہ شافعیہ اور مالکیہ بھی شامل ہیں۔

یہ دو خطبے ہیں، جیسا کہ اوجز میں ان کی فقہی کتابوں سے تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔ البتہ ابن قیم کی گذشتہ بالا عبارت کے علاوہ حنابلہ کی کتابوں میں مجھے اس کی تصریح نہیں ملی۔ اور موفق کا یہ قول بھی اس کا مؤید

ہے کہ امام ایک خطبہ پڑھے پھر اذان کا حکم کرے، جیسا کہ اوجز میں ہے۔ تعجب ہے کہ علامہ مدقانی مالکی نے مالکیہ کا یہ قول کیسے نقل کر دیا کہ ان کے نزدیک ایک خطبہ ہے۔ حالانکہ ان کی فقہی کتابیں اس کے خلاف

ہیں؛ جیسا کہ اوجز میں ہے خطبہ عرفات کے علاوہ حج کے جو دو خطبے اور ہیں ان میں ہمارے نزدیک بھی ایک ہی خطبہ ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔ پوری بحث تفصیل بدل میں ہے۔ اسی میں یہ بھی ہے کہ

اس میں اختلاف ہے کہ یوم عرفہ کا خطبہ نماز کے بعد تھا؛ جیسا کہ امام مالک سے منقول ہے۔ یا نماز سے پہلے تھا؛ جیسا کہ جمہور کے نزدیک ہے اور امام مالک سے جو نماز کے بعد ہونا منقول ہے ان کی فقہی کتابوں

رقال، فلما اتھا امر بلا فاذن فصلی الظهر کعتین والعصر کعتین۔
 ترجمہ: رقی، پس جب خطبہ سے فارغ ہوئے تو بلال کو حکم دیا۔ پس انہوں نے اذان کہی۔
 پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں اور عصر کی دو رکعتیں۔

کے خلاف ہے چنانچہ ابن میں نماز سے قبل ہونے کی تصریح ہے اس سلسلہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ
 اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو اختلاف ہے کہ خطبہ نماز سے پہلے ہوتا تھا یا بعد میں، بدل میں اس
 کا جواب دیا گیا ہے کہ علماء کا عمل حدیث جابر پر ہے جس میں قبل نماز کی تصریح ہے، اور حدیث ابن عمر معلوم ہے
 جیسا کہ بدل میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

رقی، پس جب خطبہ سے فارغ ہوئے تو بلال کو حکم دیا پس انہوں نے اذان کہی۔ حافظ ابن قیمؒ
 نے ان لوگوں کی رائے کو دوہم قرار دیا ہے جو اس کے قائل ہیں کہ اذان خطبہ سے پہلے یا خطبہ کے دوران ہوئی۔
 ابن قیمؒ کے نزدیک مختار یہ ہے کہ اذان تمام خطبہ کے بعد ہوئی۔ اور جزی میں ہے کہ موفق فرماتے ہیں: امام
 خطبہ دے پھر اذان کا حکم کرے، پھر اتر کر نماز پڑھے۔ احمد اور نوویؒ اپنے مناسک میں لکھتے ہیں: جب
 سورج ڈھل جائے تو امام ظہر سے پہلے دو خطبے پڑھے، پس جب خطبہ ثانیہ کے لئے اٹھے تو مؤذن اذان
 شروع کرے۔ اور امام دوسرا خطبہ اتنا مختصر پڑھے کہ اُدھر مؤذن اذان سے فارغ ہو جائے ادھر امام
 خطبہ سے۔ اس میں مالکیہ کا اختلاف ہے، جس کی تفصیل اور جز ہے۔ چنانچہ بعض کا قول ہے کہ اذان خطبہ
 کے بعد ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ دونوں خطبوں کے درمیان ہو، اور بعض کے قول کے مطابق اس وقت کہی جائے
 جب کہ امام خطبہ میں مشغول ہو، اور خفیہ کے نزدیک جب امام خطبہ کے لئے بیٹھے اس وقت اذان کہی
 جائے، اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ امام کے نکلنے سے پہلے اذان کہی جائے۔ اور ان سے ایک
 روایت یہ ہے کہ خطبہ کے بعد ہو۔ کذا فی الہدایہ، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں یہاں
 ابن حزمؒ کو دوہم ہوا ہے، وہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ پڑھا۔ اگر اُدھر اس پر متفق ہیں
 کہ امام ظہر کی نماز پڑھے خواہ جمعہ کا دن ہو جیسا کہ اور جز میں مفصل ذکر کیا گیا ہے۔

اور ساتھ ہی عصر کی دو رکعتیں پڑھیں۔

عرفات میں اذان اقامت کی تعلیل اختلاف نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ہوں۔
 موفق فرماتے ہیں: تخرقی کے اس قول سے کہ اگر اذان دے تو مضائقہ نہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلی

نماز کے لئے اذان کہنے یا نہ کہنے کا اختیار ہے۔ امام احمد کا یہی قول ہے۔ مگر اذان کہنا بہتر ہے، امام شافعی اور اصحاب رائے کا یہی قول ہے امام مالک فرماتے ہیں کہ ہر نماز کیلئے اذان کہی جائے، اھ اور سند اقامت میں ناقلین مذاہب کا اختلاف ہے۔ اس سند میں عینی میں ناقل سے تحریف ہوئی ہے، اور مذاہب کی تفصیل حاشیہ ہدایہ میں بنایہ سے نقل کی گئی ہے۔ اور اس میں علماء کے چھ مذہب ذکر کئے گئے ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ حنفیہ کا مسلک ایک اذان اور دو اقامتوں کا ہے۔ امام احمد کا راجح قول بھی یہی ہے، جیسا کہ المتقی میں ہے، اور یہی امام شافعی کا مسلک ہے، نوویؒ نے شرح مسلم میں اسکی تصریح کی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں: پہلی نماز کے لئے اذان کہے اور ہر ایک کے لئے اقامت کہے۔ اور ان دونوں کے درمیان تفریق نہ کرے۔ یہ تمام مسائل ہمارے مل متفق علیہ ہیں، اور درویر ہمالکی نے دو اذانوں اور دو اقامتوں کی تصریح کی، چنانچہ فرماتے ہیں: پھر خطبہ سے فارغ ہو تو ظہر کے لئے اذان و اقامت کہے، درانحالیکہ امام منبر پر ہو، جب اقامت سے فارغ ہو تو امام منبر سے اترے اور ظہر و عصر کو جمع کرے یا اس طو کہ عصر کے لئے الگ اذان و اقامت ہو، خلاصہ یہ کہ جمع عرفات میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک اذان اور دو اقامتیں ہوں گی۔ اور ایک کے نزدیک اذانیں اور دو اقامتیں۔ اس نماز میں اہل مکہ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کی تھی، جو لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد فرمایا تھا کہ: اپنی نماز پوری کر لو، یہ وہم ہے کیونکہ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ میں فرمائی تھی: یہ بات الہدی میں شیخ ابن قیمؒ نے کہی ہے اور ان سے پہلے یہی بات ان کے شیخ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں کہی ہے، اور صاحب البدایہ والنہایہ نے اسی پر جزم کیا ہے، شیخ ابن قیمؒ کہتے ہیں: اسی بنا پر علماء کا صحیح قول یہ ہے کہ اہل مکہ عرفات میں قصر اور جمع کریں گے۔ اور یہ اس امر کی واضح ترویج ہے کہ سفر کسی معین مسافت یا معین ایام کے ساتھ محدود نہیں، اور نماز کے قصر میں مناسک حج اترانداز ہیں، میں کہتا ہوں کہ شیخ ابن قیمؒ کے کلام میں یہ بحث ہے کہ ابو داؤد و طیالسی کی روایت کے مطابق حضرت عمران بن حصینؓ کی حدیث کے بعض طرق میں یہ الفاظ ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین اور طائف میں حاضر ہوا تو آپؐ دو رکعتیں پڑھ رہے تھے۔ پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج و عمرہ کیا۔ (آپؐ نے دو رکعتیں ہی پڑھیں) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اہل مکہ! تم اپنی نماز پوری کر لو ہم مسافر ہیں، پھر میں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج و عمرہ کیا۔ انہوں نے دو رکعتیں

پڑھیں پھر (سلام) پھیرنے کے بعد کہا: اپنی نماز پوری کر لو م مسافر ہیں۔ الخ: اس حدیث میں اگرچہ منیٰ یا عرفہ کی تصریح نہیں رہا، تاہم اتنی تصریح قیو جو وہ ہے کہ حج کے موقع پر بھی یہ ارشاد فرمایا تھا۔

منیٰ اور عرفہ میں قصر و جمع کے سبب میں اختلاف | پھر اس میں اختلاف ہے کہ عرفات میں قصر اور جمع کا سبب افعال حج ہیں یا سفر؟ ابن قیم کا میلان اس طرف ہے کہ یہ دونوں سفر کی وجہ سے ہیں۔ لیکن ان کے نزدیک نہ کسی متبعین مسافت کی تحدید ہے نہ دونوں کی۔ اور میرے نزدیک یہی امام مالک کے قول کا حاصل ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ اور اوجز میں اس پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ اور ہمارے احناف کے نزدیک دونوں نمازوں کو جمع کرنے کا سبب افعال حج ہیں اور قصر کا سبب سفر ہے۔ اوجز میں ہے کہ: اس سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ اہل مکہ منیٰ میں پوری نماز پڑھیں گے یا قصر کریں گے، امام مالک فرماتے ہیں کہ مکہ میں پوری پڑھیں اور منیٰ میں قصر کریں۔ اسی طرح اہل منیٰ منیٰ میں پوری پڑھیں اور مکہ و عرفات میں قصر کریں۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ مقامات اس سلسلہ کے ساتھ مخصوص ہیں کیونکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ میں قصر پڑھی تو آپ کی اقتدار میں بلا امتیاز سب لوگوں نے نماز قصر پڑھی۔ یہ سلسلہ کہ اہل مکہ منیٰ میں قصر کریں گے حضرت ابن عمر وغیرہ اور امام اوزاعی اور اسحاق ؓ سے بھی منقول ہے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ قصر ہی ان مقامات میں سنت ہے۔ منیٰ اور عرفات میں صرف وہ لوگ پوری نماز پڑھیں گے جو دہلے مقیم ہوں۔ امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور اکثر اہل علم اس کے قائل ہیں کہ اہل مکہ منیٰ اور عرفات میں قصر نہیں کریں گے کیونکہ مسافت سفر منقود ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اکثر شروح میں یہ بات زبان زد ہے کہ امام مالک کے نزدیک قصر افعال حج کی وجہ سے ہے سفر کی بنا پر نہیں۔ مگر یہ صحیح نہیں جیسا کہ اوجز میں اکیس کی فقہی کتابوں سے تفصیل نقل کی گئی ہے۔ اور حاشیہ لامع میں ہے: اور میرے نزدیک اوجز یہ ہے کہ قصر امام مالک کے نزدیک بھی سفر ہی کی وجہ سے ہے جیسا کہ خود امام مالک نے مؤطا میں تصریح کی ہے، وہ فرماتے: نماز یوم عرفہ میں ظہر ہی کی ہے مگر سفر کی وجہ سے کم ہو گئی۔ یہ امام مالک کی جانب سے صاف تصریح ہے۔ البتہ مکہ سے منیٰ، منیٰ سے عرفات، عرفات سے مزدلفہ، مزدلفہ سے منیٰ اور وہاں سے مکہ آنے جانے کو امام مالک سفر واحد سمجھتے ہیں، کیونکہ وہ احرام کی وجہ سے لازم ہے۔ ورنہ اگر قصر افعال حج کی وجہ سے ہوتا تو مکہ اور اور منیٰ کے حجاج اپنے وطن میں بھی قصر کرتے۔ اھ

یہ تمام بحث تو قصر کی تھی، رطلہ دونوں نمازوں کو جمع کرنا! سودہ ہمارے احناف کے نزدیک بھی افعال حج کی وجہ سے ہے، البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کے لئے چند شرائط ہیں۔ جن کی تفصیل حاشیہ لامع میں ذکر کی گئی ہے۔ اور بخاری میں ہے کہ: ابن عمرؓ سے جب امام کے ساتھ نماز فوت ہو جاتی تب بھی جمع کرتے یا شیخ لامع فرماتے ہیں: یہ ان کا اجتہاد تھا۔ اور ہمارے نزدیک جمع چند شرائط کے بغیر جو اپنے محل میں مذکور ہیں جائز نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جمع بین الصلوٰتین اس قیاس کے خلاف ہے جو نص سے ثابت ہے اور وہ ہے: "حق تعالیٰ کا ارشاد" ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتاً۔" بے شک نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے، لہذا دونوں نمازوں کا جمع کرنا مؤخر دہ نص تک ہی محدود ہے گا اور اس کا تعدیہ صحیح نہ ہوگا کہ منفرد وغیرہ کے حق میں بھی جائز ہو۔ جو مورد نص کے حکم میں نہیں۔" ۱۷

اور اس کے حاشیہ میں ہے: "پس اگر اس کو امام کے ساتھ نماز نہ ملے تو اپنی جگہ نماز پڑھے۔ حاصل یہ کہ منفرد بھی اسی طرح دونوں نمازوں کو جمع کرے جس طرح امام کے ساتھ جمع کرے گا۔ یہ امام شافعیؒ امام مالکؒ امام احمدؒ اور صاحبین کا قول ہے۔ اور امام ثورثیؒ امام نخعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ امام کے بغیر جمع کرنا صحیح نہیں؛ اور ہدایہ میں ہے کہ: جس شخص نے اپنی قیام گاہ میں تنہا نماز پڑھی، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ عصر کو اس کے وقت میں پڑھے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ منفرد بھی دونوں نمازوں کو جمع کرے۔ کیونکہ دونوں نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا اس مقصد کے لئے جائز قرار دیا گیا ہے تاکہ وقوف کے لئے زیادہ وقت میسر آئے، اور منفرد بھی اس کا محتاج ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ وقت کی پابندی کا فرض ہونا نصوص سے ثابت ہے۔ لہذا اس کا ترک کرنا صرف اس صورت میں جائز ہوگا جس میں شریعت کا استثنائی حکم، وارد ہو۔ اور وہ صرف امام کی معیت میں جماعت کے ساتھ جمع کرنے کی صورت میں وارد ہے۔" ۱۸۔ اور صاحب لباب نے جمع عرفات کی چھ شرطیں ذکر کی ہیں۔ ان میں سے بعض تو ہمارے ائمہ کے نزدیک متفق علیہ ہیں۔ اور بعض میں اختلاف ہے۔ میں نے حاشیہ لامع میں ان کو ذکر کر دیا ہے۔

فلما فرغ ركب حتى اتى الموقف واستقبل القبلة، وهناك قبل اهل نجد
ترجمہ: پس جب فارغ ہوئے تو سواری ہو کر موقف میں پہنچے۔ اور قبلہ کی طرف رخ کیا۔ اسی موقع پر اہل نجد۔

پس جب نماز سے فارغ ہوئے تو قصود پر سوار ہو کر
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وقف عرفات | موقف میں پہنچے۔ جبلِ حمت کے نیچے چٹانوں کے پاس
وقوف فرمایا۔ زرقانی نے محرات پر قصواء کے جلے قیام کو تفصیل سے لکھا ہے۔ نیز ابن عابدین اور حنبل
شفاء الفرام نے بھی خوب مفصل لکھا ہے۔ اور قبلہ کی طرف رخ کیا اور دعا و نذر ع میں مشغول ہوئے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر جو دعائیں فرمائیں انہیں صاحب الہدایہ والنبیایہ نے اور
زرقانی نے شرح مواہب میں تفصیل سے نقل کیا ہے۔

اسی موقع پر اہل نجد کے کچھ لوگ آئے اور انہوں نے حج کے
حج و وقف عرفہ کا نام ہے | بارے میں دریافت کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حج (وقوف)
عرفہ کا نام ہے الحجۃ کذا فی الہمدی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث معروف ہے جس کو ابو داؤد و نسائی اور ترمذی
وغیرہ نے روایت کیا ہے اس کی روایات کے الفاظ کا اختلاف بدل میں مفصل ذکر کیا ہے۔

اور اجزی میں ہے کہ اس پر امت کا اجماع ہے کہ وقف عرفہ
وقوف عرفہ بالاجماع رکن ہے | رکن ہے اس کے بغیر حج پورا نہیں ہوتا۔ بہت سے شراحین
حدیث اور تاقین مذہب نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ اس مسئلہ میں علامہ کے درمیان ذرا بھی
اختلاف نہیں بجز اس کے جو امام رازیؒ نے حسن بصریؒ سے نقل کیا ہے کہ وقف عرفہ واجب ہے
اور اگر یہ فوت ہو جائے تو تمام حرم کا وقف اس کے قائم مقام ہو سکتا ہے۔ اور دیگر تمام
فقہاء نے اس کا انکار کیا ہے۔ اور ان کا اس پر اتفاق ہے کہ حج و وقف عرفہ کے
بغیر ادا نہیں ہوگا۔

البتہ علماء کا اس سلسلہ میں چند مسائل میں اختلاف ہے۔ اول یہ
وقوف عرفہ کا وقت | مسئلہ کہ عرفہ کا حدود اربعہ کیا ہے؟ اجزی میں اس کو مفصل ذکر کیا ہے حرم
یہ مسئلہ کہ وقف عرفہ کا وقت کب تک ہے۔ اجزی میں اس کی تفصیل ذکر کرنے کے بعد آخر میں
لکھا ہے: اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ فرض وقت کے اختلاف کا حاصل تین اقوال ہیں۔ اول، یوم

عرفہ کی صبح صادق سے یوم النحر کی صبح صادق تک یہ امام احمد کا قول ہے۔

دوم پشب یوم النحر۔ غروب سے طلوع صبح تک۔ یہ امام مالک کا قول ہے۔

سوم: یوم عرفہ کے زوال سے یوم النحر کی صبح صادق تک۔ یہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا قول ہے اور بعض نے اس پر اجماع بھی نقل کیا ہے۔

اور وقت وجوب میں دو قول ہیں۔ اول رات اور دن کو جمع کرنا۔ خواہ ان دونوں کے کسی بھی وقت میں حاصل ہو۔ یہ امام مالک کا قول ہے۔ جیسا کہ درویر نے تصریح کی ہے۔ اور صاحب الرض المربع نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور نووی نے اپنے مناسک میں اسی کو ذکر کیا ہے۔

دوم حنفیہ اور عامہ حنابلہ کا قول ہے کہ جب دن کو وقوف کیا ہو تو اس کو بعد غروب تک لمبا کرنا واجب ہے۔ ملا علی قاری اور الغنی وغیرہ نے اسی کو ذکر کیا ہے اور اگر دن کو وقوف کا اتفاق نہیں ہوا تو رات میں لمبا کرنا واجب نہیں۔

حفی نہ رہے کہ مقام عرفات کو وقوف کے لئے منتخب وقوف عرفات کی حکمت | کرنے کی رکئی حکمتیں ذکر کی گئی ہیں مگر سب سے بہتر حکمت اس ناکارہ کے نزدیک یہ ہے کہ عرفات ہی وہ جگہ ہے جہاں سجدہ الست ہو اٹھا۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں بروایت احمد حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ نے موضع نعمان یعنی عرفہ میں اولاد آدم سے عہد لیا الحیث گو یا وقوف عرفات کے ذریعہ وہ عہد یاد دلایا جاتا ہے۔ جو اسی جگہ اولاد آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے لیا گیا تھا۔ یہاں اس بات پر تنبیہ کرنا بھی مناسب ہے کہ عرفات کے علاوہ کسی اور جگہ عرفہ منانا | ہمارے نزدیک تعریف کردہ ہے و تعریف سے مراد

یہ ہے کہ جس طرح عرفہ کے دن حجاج وقوف عرفہ کرتے ہیں۔ ان کی نقل اتارنے کے لئے دوسرے لوگ بھی اپنی بستی سے نکل کر کسی کھلے میدان میں جمع ہوں، جیسا کہ فقہ حنفی میں تصریح ہے، اور مالکیہ کے نزدیک اس میں کوئی مضائقہ نہیں، جیسا کہ الدسوقی میں ہے۔ اور شریح مہذب میں ہے کہ غیر عرفات میں عرفہ منانے میں سلف کا اختلاف ہے، ائمہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؓ سے اس کے بارے میں

وہناك استجيب دعاء المغفرة فيما عدا المظالم، وھناك سقط رجل عن راحلته فأت
توجھہ: اور اس جگہ باہمی حق تلفیوں کے ماسوا میں دعائے مغفرت قبول ہوئی۔ اور اسی جگہ ایک
آدمی اپنی سواری سے گر کر جان بحق ہو گیا۔

دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: میں امید کرتا ہوں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ اور حسن، ثنابت اور ان
کے علاوہ کئی حضرات یہ عمل کیا کرتے تھے کہ وہ عرفہ کے دن مسجد میں جمع ہو جاتے تھے۔ اور ایک جماعت
نے جن میں نافع، نضی، حماد اور مالک بن انس وغیرہ شامل ہیں، اس کو مکروہ قرار دیا ہے اور ابو بکر طرطوشی
مالکی نے بدعات منکرہ پر ایک کتاب لکھی ہے اور ان بدعات میں اس تعریف کو بھی ذکر کیا ہے۔

اور اس جگہ را حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت
باہمی حق تلفیوں کے ماسوا میں دعائے مغفرت کا قبول ہونا کے لئے دعائے مغفرت فرمائی چنانچہ انسانوں کی
باہمی حق تلفیوں کے ماسوا میں دعا آپ کی، دعائے مغفرت قبول ہوئی، جیسا کہ انھیں البدایہ والنہایہ۔ اور
نزد قانی کی شرح مواہب میں ہے اور مزدلفہ میں حقوق کے باسے میں بھی دعا قبول ہوئی جیسا کہ اگلے مفصل
آتا ہے۔

اور اسی جگہ مسلمانوں میں سے ایک آدمی جس کا نام غیر معروف
عرفات میں ایک حاجی کا انتقال ہے، بحالت احرام اپنی سواری سے گر کر جان بحق ہو گیا آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اس کو احرام کی دونوں چادروں میں دفن کیا جائے۔ یہ حدیث تمام
کتابوں میں معروف ہے۔ اس قصہ سے کئی احکام ثابت ہوتے ہیں، جن میں سے بارہ حکم حافظہ نے
تفصیل سے ذکر کئے ہیں۔ ان میں سے دو مسئلے معروف ہیں اول یہ کہ محرم کے لئے چہرے کا ڈھانکنا
مختلف فیہ ہے۔ امام شافعی اور ایک روایت میں امام احمد اس کو جائز کہتے ہیں۔ اور امام مالک،
امام ابو حنیفہ اور ایک روایت میں امام احمد اس کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔ یہاں ایک تیسرا اشارہ ذوق
ہے کہ اگر زندہ ہو تو ڈھانکنا جائز ہے اور مر جائے تو ناجائز۔ یہ ابن حزم کا قول ہے۔
میں کہتا ہوں کہ خفیہ کا مسلک یہ ہے کہ زندہ کے لئے جائز نہیں اور مرنے کے بعد جائز ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ موت کے بعد احرام باقی رہتا
موت کے بعد احرام باقی رہتا ہے یا نہیں؟ ہے یا نہیں؟ چنانچہ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک
موت کے بعد احرام باقی رہتا ہے۔ اور امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک موت کے احرام ختم ہو جاتا ہے۔

شیخ قدس سرہ نے کوکبِ دُردی میں اس مسئلہ پر بہت عمدہ اور لطیف کلام کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اس مسئلہ میں علماء نے اختلاف کیا ہے، بعض حضرات بشمول امام شافعیؒ، فرماتے ہیں کہ اس کا احرام باقی رہتا ہے اور بعض حضرات جن میں حضرت امام بھی شامل ہیں۔ فرماتے ہیں کہ موت سے احرام پورا ہو کر ختم ہو جاتا ہے، امام شافعیؒ اور ان کے موافقین کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا منہ دُھانکنے کی ممانعت فرمائی اور اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ وہ قیامت کے دن تلبیہ تہلیل کہتا ہوا اٹھے گا۔ اور امام صاحبؒ اور ان کے موافقین فرماتے ہیں کہ دنیوی احکام کے اعتبار سے اس کا احرام منقطع ہو چکا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جب آدمی حرجاً تواس کا عمل ختم ہو جاتا ہے۔ ماسوا میں چیزوں کے، صدقہ جاریہ، یا ایسا عمل جس سے نفع اٹھایا جائے، یا نیکیت اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔ یہ ارشاد نبویؐ اپنے عموم کے اعتبار سے محرم کو بھی شامل ہے۔ لہذا یہ واقعہ تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ احرام ختم نہیں ہوتا، بلکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ ان صاحب کی خصوصیت ہو۔ اس بات کی تائید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جو اسی حدیث میں وارد ہے جس سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں۔ یعنی آپؐ نے ارشاد فرمایا: اس کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو، چونکہ بیری کے پتے میل کچیل کو صاف کرتے ہیں، سر کی جوڑوں کو مارتے اور بالوں کو نرم کرتے ہیں اس لئے ان کا استعمال محرم کے لئے ممنوع ہے، جب کہ ان صاحب کو اس سے غسل دیے کا حکم فرمایا ہے۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی کہ: وہ قیامت کے دن تلبیہ پڑھتے ہوئے اٹھے گا۔ اس سے ان حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ اس جملہ میں اس کا منہ دُھانکنے کی علت بیان فرمائی ہے یعنی اس کے احرام کا باقی ہونا۔ مگر یہ ظاہر نہیں نہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے، بلکہ اس میں نا تعقیب کے لئے ہے جو صرف ایک فضیلت کو بیان کرنے کے لئے لائی گئی ہے۔ اور اس جملہ سے ان صاحب کی نیز ہر اس شخص کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے جو کسی نیک عمل کی حالت میں مرجلے کہ وہ اسی حالت میں اٹھایا جائے گا گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو نیکیاں جمع کرنے اور گناہوں سے پرہیز کرنے کی ترغیب دی، کیونکہ کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ وہ کس وقت لقمہ اجل اور نشانہ حوادث بن جائے۔ اور یہ تو سب کو مسلم ہے کہ لوگ جن احوال و اعمال میں مرے ہوں گے قیامت کے دن انہیں حالات میں اٹھیں گے۔ اس صورت میں اس شخص کا قیامت کے دن تلبیہ کہتے ہوئے اٹھنا منہ کے نہ دُھانکنے پر موقوف نہیں، بلکہ ہر وہ صورت

وهناك نزلت عليه اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم
الاسلام دينًا

ترجمہ: اور اسی جگہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی: الیوم اکملت لکم دینکم یعنی آج کے دن تمہارے
لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا۔ اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین
بننے کے لئے پسند کر لیا (ترجمہ حضرت تھانوی)

میں وہ تبلیہ کہتے ہوئے اٹھے گا۔ دیکھئے ایک شخص کا انتقال سجدہ کی حالت میں ہو جاتا ہے تو وہ قیامت
میں سجدت سجدہ اٹھے گا۔ کیا ہمارے لئے جائز ہو گا کہ ہم اسے قبر میں نہ لٹائیں کیونکہ اسے سجدہ کی
حالت میں اتھنا ہے اس لئے کیا اسے اسی حالت میں رکھ دیا جائے گا؟ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ پس
اسی طرح محل متنازع فیہ میں سمجھنا چاہیئے، ماصل یہ کہ احکام دنیویہ کو آخرت کے احکام پر قیاس نہیں
کیا جاسکتا۔ اس لئے شخصی واقعہ اس قاعدہ کلیہ کو دفع نہیں کر سکتا، جب کہ اس میں دیگر احتمالات
بھی ہیں۔ جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا انتہی۔

(رق) اور اسی جگہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت
آیت: الیوم اکملت لكم دينكم كان نازل هوئا | نازل ہوئی: الیوم اکملت لکم دینکم آج کے دن
تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا۔ اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا۔ اور میں نے اسلام
کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کر لیا (ترجمہ حضرت تھانوی) اس آیت کے نازل ہونے پر ناقد بیٹھ گئی۔
کذا فی الخبیس اور بیچہ الحافل میں ہے کہ اس آیت کا نزول جمعہ کے دن عصر کے بعد ہوا۔ اس وقت نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ناقہ عضبا پر عزفات میں وقوف فرما تھے۔ نزول آیت کے وقت قریب تھا کہ
شدتِ ثقل کی وجہ سے اس کی ٹانگیں ٹوٹ جائیں۔ اس لئے ناقہ نے گھٹنے ٹیک دیئے۔ صحیح بخاری میں
طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ یہود نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ تم ایک آیت پڑھتے ہو اگر وہ ہمارے
ہاں نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس دے کے نازل ہونے کے دن کو عید بنا لیتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے
خوب معلوم ہے کہ وہ کس جگہ نازل ہوئی؟ کب نازل ہوئی؟ اور اس کے نزول کے وقت آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کہاں تشریف فرما تھے؟ یہ آیت جمعہ کے دن نازل ہوئی اور اللہ! میں اس وقت عرفہ
میں تھا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ جمعہ کا دن تھا۔ اور اس میں پانچ عیدیں جمع تھیں، جمعہ، عرفہ،

فلما غربت الشمس افاض من عرفة

توجہ: پس جب آفتاب غروب ہوا تو عرفات سے چلے۔

عید یہود، عید نصاریٰ، عید مجوس۔ تمام اہل مل کی عیدیں نہ اس سے پہلے کبھی جمع ہوئیں نہ اس کے بعد۔
ہارون بن عترة اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب
اس آیت کے نازل ہوئے حضرت عمرؓ کا رونا | یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کا سبب دریافت کیا تو عرض کیا: "رونا تو اس کا ہے کہ اب
تک تو ہمارے دین میں ترقی و اضافہ ہو رہا تھا۔ لیکن اب وہ کامل ہو چکا اور قدرتی بات ہے کہ جب
کوئی چیز حد کمال کو پہنچ جاتی ہے تو دہر کمالے راز دالے کے مطابق اس میں کمی اور تنزل شروع
ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا سچ کہتے ہو، اس آیت کے بعد حلال و حرام اور فرائض و احکام کی کوئی
آیت نازل نہیں ہوئی۔ اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکیاسی دن اس عالم فانی میں رہے۔
یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے گویا پیغام وصال تھا: اصر

پس جب آفتاب غروب ہوا، اور اچھی طرح غروب ہو گیا۔ تو عرفات
عرفات روانگی کا وقت | سے چلے،

موافق فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص غروب پہلے چل پڑے
تو جماعت فقہاء کے قول میں اس کا حج صحیح ہے۔ البتہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس کا حج نہیں ہوا،
ابی عبد اللہؒ فرماتے ہیں کہ فقہاء اصحاب میں سے کسی کا ہمیں علم نہیں جو امام مالکؒ کے قول کا قائل ہو۔
موفق آگے لکھتے ہیں: جو شخص غروب پہلے چل پڑے اکثر اہل
غروب پہلے عرفات سے چلنا | علم کے نزدیک اس پر دم لازم ہے۔ امام شافعیؒ، اصحاب رائے

اور ان کے متبعین کا یہی مذہب ہے۔ "نیز وہ فرماتے ہیں: لوگوں کو امام سے پہلے چلنا مناسب نہیں۔
امام احمد کا قول ہے کہ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ کوئی شخص امام سے پہلے جائے ان سے دنیا
کیا گیا کہ ایک شخص غروب کے بعد امام سے پہلے چل دیتا ہے تو فرمایا کہ میں نے کسی عالم کو نہیں پایا کہ
وہ اس معاملہ میں نرمی کرتا ہو، سب ہی سختی کرتے ہیں۔ "ہمراہ حنفیہ کا مسلک جیسا کہ انکی کتابوں
میں ہے یہ کہ اگر کوئی شخص غروب آفتاب سے پہلے حدود عرفہ سے نکل جائے تو اس کے ذمہ دم لازم
ہے، کیونکہ بعد غروب تک عرفہ میں ٹھہرنا واجب ہے۔ جیسا کہ عنقریب گذرا۔ اور شرح کتاب

من طریق المأزمین۔
ترجمہ: مأزمین کے راستے سے۔

میں مزدلفہ سے منیٰ کی طرف چلنے کے بیان میں ہے: ”حاصل یہ کہ مزدلفہ سے امام کے ساتھ چلنا سنت ہے۔ بخلاف عرفہ کے، کہ وہاں سے امام کے ساتھ چلنا واجب ہے۔“

باقی رہا نماز مغرب کا مسئلہ: تو موفیق
مزدلفہ پہنچنے سے پہلے مغرب کی نماز پڑھنے کا حکم فرماتے ہیں: ”جو شخص عرفہ سے چلے اس کے لئے سنت یہ ہے کہ مزدلفہ پہنچنے سے پہلے مغرب نہ پڑھے اور مزدلفہ پہنچ کر مغرب و عشاء کو جمع کرے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔“ کذا فی الادجز۔ اور باب النزول میں عرفہ و المزدلفہ کے ذیل میں حافظ نقل کرتے ہیں کہ: ”حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ”نماز نہیں مگر مزدلفہ میں“ اور کوفیین اور ابن قاسم سے منقول ہے کہ اگر کسی نے مزدلفہ سے پہلے پڑھ لی تو عادیہ واجب ہے۔ اور امام احمد سے مروی ہے کہ اگر پڑھ لی تو صحیح ہوگی۔ امام ابو یوسفؒ اور جہور کا یہی قول ہے۔“ اور ادجز میں ہے کہ مزدلفہ پہنچنے سے پہلے مغرب پڑھ لی اور مغرب و عشاء کو جمع نہیں کیا تو اس نے سنت کے خلاف کیا مگر نماز صحیح ہوگی۔ یہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ اور ابو یوسف کا قول ہے، اور امام ابو حنیفہؒ اور امام ثوریؒ فرماتے ہیں کہ نماز صحیح نہیں ہوگی۔ پوری تفصیل ادجز میں ہے۔ اور حنفیہ کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”نماز تمہارے آگے ہے۔“ جو عنقریب آتا ہے۔

دعوات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی، مازمین کے راستے
مازمین کا راستہ سے (مہولی) شرح باب کے حوالے سے پہلے گذر چکا ہے۔ کہ عرفہ کی طرف ”قُصْب“ کے راستے سے جانا اور وہاں سے مازمین کے راستے سے واپس آنا مستحب ہے۔ زرقانی کہتے ہیں کہ: ”مازمان، بیم کا فتح، ہنرہ کا سکون، ناکا کسرہ۔ اس کے بعد بیم مفتوح، پھر نون ثمنیہ عرفہ اور مزدلفہ کے مابین ایک معروف جگہ ہے۔“ نووچی شرح ہند میں فرماتے ہیں: ”مزدلفہ کی طرف جانے میں مازمین کا راستہ سنت ہے۔ جیسا کہ امام شافعیؒ نے تصریح کی ہے قُصْب کا راستہ سنت نہیں۔“ اخترا

وارد فاسامۃ بن زید و نزل فی اثناء الطريق فبال۔

ترجمہ: اور اسامہ بن زید کو اپنے پیچھے سوار کیا۔ اور اثناء راہ میں سواری سے اتر کر پیشاب کیا۔

(رق) اسی طرح عیدین میں راستہ بدلنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی (ش) امام بخاری نے اس پر یہ عنوان قائم کیا ہے: باب من خالف الطريق اذا جمع يوم العيد حاشیہ لامع میں اس پر مبسوط کلام کیا ہے۔ اور اس میں بحوالہ حافظ اس کی نکت میں ہیں سے زیادہ اقوال نقل کئے ہیں۔ نقل کئے ہیں۔

اور اسامہ بن زید کو اپنے پیچھے سوار کیا۔ اور نہایت سکون سے روانہ ہوئے۔ ناقد کی مہار کھنچ رکھی تھی۔ تاکہ وہ تیز نہ چلے۔ یہاں تک کہ اس کا سر کچا دسے کے اگلے حصہ سے لگ جاتا تھا۔ آپ کی سواری متوسط رفتار سے چل رہی تھی۔ کسی جگہ راستہ کشادہ ہوتا تو اس کی رفتار قدرے تیز کر دیتے۔ اور کہیں ٹیلا آتا تو اس کی بار و ڈھیلی چھوڑ دیتے۔ تاکہ اس کے لئے چڑھائی آسان ہو۔

لوگ دائیں بائیں اونٹوں کو دوڑا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف التفات فرماتے اور ہاتھ اشارہ کرتے۔
آنحضرت کا ارشاد علیکم السکینۃ
ہوئے ارشاد فرماتے: ”لوگو! سکون اور وقار کو لازم پکڑو“۔ یہ ترمذی کی روایت ہے اور ابو داؤد کی روایت میں ”لا یسفت الیہم“ کے لفظ ہیں یعنی آپ لوگوں کی طرف التفات نہیں فرماتے تھے۔ شیخ نے بدل میں ابو داؤد کی روایت کو وہم قرار دیا ہے۔ کیونکہ اکثر روایات ”نہیں“ کے لفظ سے خالی ہیں اور اگر یہ لفظ صحیح ہو تو اس کی توجہ یہ ہوگی کہ بعض اوقات التفات فرماتے تھے۔ اور بعض اوقات التفات نہیں کرتے تھے۔ ابو الطیب شراح ترمذی، محب طبری سے نقل کرتے ہیں کہ ترمذی کی روایت زیادہ صحیح ہے۔ جس میں لا کالفظ نہیں میرے والد نور اللہ مرقدہ نے حضرت امام ربانی کی تقریر ابو داؤد میں لکھا ہے کہ: ”صرف چہرہ انور کے ساتھ التفات فرماتے تھے۔ پورے جسم کے ساتھ نہیں“۔

اور اثناء راہ میں سواری سے اتر کر پیشاب کیا۔ اور اثناء راہ میں پیشاب کے لئے اترنا اور دو حدیثوں میں تعارض کا حل،
اور جیسے ہے کہ اس پر یہ اشکال ہے کہ ابو داؤد اور مسند احمد میں حضرت شریف سے مروی ہے کہ عرفات سے واپسی میں میں

و توصاء

ترجمہ: اور وضو کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ پس آپ کے قدم مبارک زمین پر نہیں گئے۔ یہاں تک کہ آپ مزدلفہ پہنچ گئے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس سے مقصود اس امر کا بیان کرنا ہے کہ عزفات سے مزدلفہ تک کا سفر سواری پر ہوا۔ لہذا اتر کر وضو کرنے کی روایت اس کے خلاف نہیں۔ اھ۔ حاصل یہ کہ عزفات سے مزدلفہ تک کی مسافت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوار ہونے کو خوب مبالغہ سے بیان کرنا مقصود ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ساری مسافت سواری پر طے کی۔ اور پیدل نہیں چلے۔ یہ مطلب نہیں کہ آپ سواری سے اترے ہی نہیں۔ لہذا یہ حدیث حدیث اہل امامہ کے معارض نہیں۔ صاحب عون المعبود نے یہ جواب دیا ہے کہ حضرت امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق تھے اس لئے ان کی حدیث کو ترجیح ہے۔ مگر یہ جواب بعید ہے کیونکہ حضرت شریف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں تصریح ہے کہ وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے لہذا یہاں ایک دوسرے پر ترجیح ممکن نہیں۔ کذا افادہ الشیخ فی البذل۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اثنا وراہ میں سواری سے اترنا مزدلفہ سے پیچھے شعب الایسرہ کے پاس تھا۔ جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے، زرقانی فرماتے ہیں یہ شعب اذاخر ہے، اذاخر بمعزہ اور ذال مفتوح پھر الف اور فاد کسورہ، پھر راز [جو مازین کے درمیان ملتے کی بائیں جانب ایک جگہ ہے۔ اھ۔] امراد یعنی خلفائے بنو امیہ کی وود گاہ تھی، کیونکہ وہ یہاں اترتے اور مغرب کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ حافظ فرماتے ہیں کہ انفاہی نے حضرت عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کو پیشاب گاہ بنایا تھا۔ اور تم نے اس کو نماز گاہ بنا لیا ہے۔ گویا ان لوگوں پر اعتراض کرنا مقصود ہے جو جمع بین الصلوٰۃین کو ترک کرتے تھے اور ابو داؤد کی روایت میں حضرت اسامہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ہم اس گھاٹی میں آئے جس میں نزول شب کے لئے لوگ اونٹ بٹھاتے ہیں۔ (الحدیث)

اور ہلکا پھلکا وضو کیا۔ اور بخاری کے الفاظ یہ ہیں: اور وضو میں اسباغ نہیں فرمایا۔ ابو داؤد کے لفظ یہ ہیں: پس ایسا وضو کیا جس میں زیادہ مبالغہ نہیں تھا۔ اور جز میں اس پر بڑی تفصیل ہے

کلام کیا ہے کہ اس سے مراد وضو شرعی ہے یا بعض اعضا کے اعتبار سے وضو لغوی، یا استنجا؟ زیادہ مناسب یہ ہے کہ وضو شرعی مراد لیا جائے۔ کیونکہ لغوی وضو کو وضو خفیف نہیں بلکہ وضو زانیص کہا جاتا ہے۔ اور استنجا بھی مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ حضرت اسامہ کا یہ ارشاد کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پانی ڈالا، اس مراد کے منافی ہے، اور ابن عبد اللہ کا یہ اعتراض لازم نہیں آتا کہ ایک نماز کے لئے دو مرتبہ وضو مشروع نہیں۔ کیونکہ دوبارہ وضو نئے حدث کی وجہ سے کیا ہوگا۔ نیز یہ بھی متفق علیہ نہیں کہ نیا وضو صرف اس شخص کے لئے مشروع ہے جو پہلے وضو سے فرض یا نفل نماز ادا کر چکا ہو۔ پہلا وضو اپنے محض اس لئے کیا تھا کہ طہارت کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے۔ بالخصوص اس حالت میں تو بقاء طہارت بہت اہم تھی۔ کیونکہ ذکر الہی کی ضرورت بہت زیادہ تھی۔ اور ہلکا وضو اس لئے کیا کیونکہ پانی اس موقع پر کم تھا، الی آخر باسطی الاوجز۔

فائدہ: حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ جس پانی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے **آبِ رزم سے وضو** اس موقع پر وضو کیا تھا، وہ ابو رزم تھا۔ جیسا کہ عبد اللہ بن احمد نے زوائد میں احمد میں حضرت علیؓ سے سند حسن نقل کیا ہے، اس سے ان لوگوں کی تردید ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ ابو رزم کا استعمال پینے کے علاوہ ممنوع ہے۔ ابن حجر شرح مناسک میں لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا تو ہے مگر جب تک یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانی موجود تھا مگر اس کے باوجود آپ نے رزم سے وضو کیا تب تک یہ استدلال قائم نہیں۔ ورنہ یہ احتمال بھی ہے کہ آپ کا آپ رزم سے وضو کرنا اس لئے تھا کہ اس کے علاوہ اور کوئی پانی آپ کے پاس نہ تھا۔ اس لئے اسی سے وضو کرنا پڑا، میں کہتا ہوں کہ علاوہ انہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمال پر دوسروں کے استعمال کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ بالخصوص جب کہ آپ کے فضلات کی طہارت کا قول راجح قرار دیا گیا ہے۔ اور مختار میں ہر ”رزم سے استنجا مکروہ ہے غسل مکروہ نہیں“ نیز ”مختار میں ہے کہ ماہ مطلق اور ابو رزم سے رفع حدث کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ امام احمد سے روایت ہے کہ مکروہ ہے“ ابن عابدین فرماتے ہیں: پہلے قول سے استفاد ہوتا ہے کہ نفی کراہت رفع حدث سے مخصوص ہے۔ ازاں نجاست کا یکم نہیں پوری تفصیل اوجز میں ہے۔ اور شرح کتاب میں ہے: ”ابو رزم بکثرت پینا مستحب ہے اور رزم میں نظر کرنا عبادت ہے۔ اور اگر شلار کے نزدیک ابو رزم سے وضو اور غسل بلا کراہت جائز ہے البتہ امام احمد کا اس میں اعتنا

فَقَالَ اسَامَةُ الصَّلَوةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الْمَصْلَى اِمَامُكَ - ثُمَّ سَارَ قَاتِي الْمَزْدَلِفَةِ
تَوَجَّهَ : حضرت اسامہ نے عرض کیا : یا رسول اللہ نماز فرمایا نماز کی جگہ تمہارے آگے ہے : پھر وطن ہوئے۔

مزدلفہ پہنچے

ہے اور مسح، غسل اور تجدید وضو کے لئے زمزم کا استعمال بقصد تیز کر ہونا چاہیئے۔ اور صرف پاک چیز پر
اسے استعمال کیا جائے۔ اس لئے ناپاک کپڑا دھونا، غسل جنابت کرنا۔ اور بے وضو کا وضو کرنا، یا کسی ناپاک
جگہ میں اس کو استعمال کرنا اچھا نہیں۔ اور اس سے استنجاء کرنا مکروہ ہے۔ بلکہ بعض علماء نے اس کو حرام کہا ہے۔
اور کہا جاتا ہے کہ بعض لوگوں نے اس سے استنجاء کیا تو بواسطہ کامرض پیدا ہو گیا : انتہی مختصراً
نودہی شرح مذہب میں فرماتے ہیں : پس جمہور کا مذہب : ہمارے مذہب کی طرح یہ ہے کہ اس غسل
اور وضو مکروہ نہیں۔ امام احمد سے ایک روایت ہے کہ مکروہ ہے : معنی نے دونوں روایتوں کو نقل کر کے
جواز کو ترجیح دی ہے۔ اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ اس کا شرف اس کے استعمال کی کرامت کا موجب نہیں۔
جیسا کہ اس پانی کا استعمال مکروہ نہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ ڈالے ہوں یا اس سے
غسل فرمایا ہو :

حضرت اسامہؓ نے عرض کیا : یا رسول اللہ نماز فرمایا : نماز کی جگہ تمہارے آگے ہے : اور جو میں
ہے کہ باجی فرماتے ہیں : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ : نماز کی جگہ تمہارے آگے ہے : اس کا تقاضا
یہ ہے کہ نماز کا یہ وقت نہیں۔ یا نماز کی جگہ نہیں۔ یا اتفاق سے دونوں چیزیں دلوں جمع ہو گئی ہوں۔
امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ مزدلفہ پہنچ جائے۔ اور امام مالکؒ نے اس مسئلہ پر
اسی ارشاد نبویؐ سے استدلال کیا ہے۔ ابن حبیبؒ کہتے ہیں کہ جس نے مزدلفہ سے قبل بلا غرض نماز پڑھ
لی اس کا اعادہ کرے۔ اور یہی قول امام ابو حنیفہؒ کا ہے : الخ

پھر آپؐ سواری پر روانہ ہوئے، مزدلفہ پہنچے، زرقانی
مزدلفہ پہنچنا، اور مزدلفہ کی وجہ تسمیہ | شرح مواہب میں لکھتے ہیں کہ : یہ عرفات و منی کے درمیان ایک
جگہ ہے جو سب کی سب حدود حرم کے اندر ہے۔ اس کا نام جمع، بھی ہے۔ بفتح جیم و سکون میم۔ یا تو : سوجہ
سے کہ حضرت آدمؑ حضرت حوا علیہما السلام کے ساتھ اس جگہ جمع ہوئے اور ان کے قریب گئے۔ یا بقول
بعض اس لئے کہ یہاں دو نمازیں جمع کی جاتی ہیں۔ یا بقول بعض اس لئے کہ لوگ یہاں جمع ہوتے ہیں اور

فتوٰۃ فصل المغرب

ترجمہ : پس وضو کیا اور مغرب کی نماز پڑھی

یہاں ٹھہر کر اللہ تعالیٰ کا قرب و ازدواج حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے اس کا نام مزدلفہ ہوا، حافظ اس پر اضافہ فرماتے ہیں کہ یا اس لئے کہ لوگ منیٰ کے قریب ہو جاتے ہیں۔ یا اس لئے اس میں رات کے ہر زلفہ (حصہ) میں نزول ہوتا ہے۔ یا اس لئے کہ یہ حق تعالیٰ کے یہاں قرب و منزلت (کا ذریعہ) ہے۔ پس نماز کا وضو کیا۔ بخاری و مسلم کے الفاظ یہ ہیں: آپ جب مزدلفہ پہنچے تو سواری سے اترے پس وضو کیا، اور خوب کامل وضو کیا اور اجز میں ہے کہ احتمال ہے کہ محض وضو کی تجدید کی ہو۔ یا حدث لاحق ہوئے کی بنا پر وضو کیا ہو اور پھر مؤذن کو حکم دیا چنانچہ ان ہوئی اور آپ نے کچا دے امارنے اور اونٹ بٹھانے سے پہلے نماز مغرب ادا کی۔

راج قول کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما نے اس وقت شام کا کھانا نہیں تناول فرمایا جیسا کہ اجز میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اور اسی میں ہے کہ باجی فرماتے ہیں: ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد کھانا تناول فرمایا۔ خنیفہ میں سے صاحب ہدایہ وغیرہ نے اس کی موافقت کی ہے لیکن شراح ہدایہ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً مروی نہیں بلکہ خود حضرت ابن مسعود کے ثل سے ثابت ہے۔ حافظ درایہ میں فرمایا ہے: یہ حدیث کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کا کھانا کھایا۔ مجھے حرجۃ مرفوع نہیں ملی، البتہ بخاری و ترمذی میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل مذکور ہے، جس میں یہ مذکور ہے کہ جب صبح صادق ہوئی تو انہوں نے فجر کی نماز پڑھی۔ اور اسی روایت میں ان کا یہ قول بھی ہے کہ یہ دونوں نمازیں اپنے وقت سے بٹھاوی گئی ہیں اور آخر میں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے پس احتمال ہے کہ اس فقرے سے ان کی مراد صرف دونوں نمازوں کا جمع کرنا اور ان کے فہم کے مطابق دونوں نمازوں کا اپنے وقت سے بٹھایا جانا مراد ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کی مراد ان تمام افعال سے جو حجام سے صادر ہوئے:

فصلی العشاء

ترجمہ: پھر عشاء پڑھی

میں کہتا ہوں کہ غالباً باخی اور صاحب ہدایہ اور ان کے موافقین نے حدیث کو دوسرے احتمال پر محمول کیا ہے۔ اور جمہور بالخصوص حنفیہ نے پہلے احتمال پر اسی بنا پر ان کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ عشاء کے لئے الگ اقامت نہ کہی جائے۔ بلکہ پہلی اقامت ہی کافی ہے۔ اور شیخ نے بدل میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث کی یہ توجیہ کی ہے کہ بعض صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کے حکم سے مغرب و عشاء کے درمیان کھانا کھایا اس کو مجازاً آپ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔
 دق! پس جب کجا کے ۱۶۷ اے گئے تو اقامت کا حکم فرمایا

مزولفہ میں اذان اور اقامت میں اختلاف | پس اقامت ہوئی پھر عشاء پڑھی اور ہمارے حنفیہ کے

نزدیک جیسا کہ شرح کتاب میں ہے: اس جمع میں تعجیل مستحب ہے اس لئے فرض نماز یعنی جنس فرض جو دونوں نمازوں کے جمع کرنے پر صادق ہے [کجاوے یعنی سامان امارت سے پہلے پڑھے۔ بشرطیکہ اس کی حالت ہو اور سواری کا مالک بھی راضی ہو۔ اور آذون کو بٹھا دے کیونکہ اس سے نسبت کھڑے رہنے کے ان کے لئے آسان ہوگی۔ یا ان کی حفاظت کی قصد سے (ان کو بٹھا دے) اور ان کو عقاب بھی لگا دے۔ پس جب عشاء کا وقت ہو تو مؤذن اذان و اقامت کہے اور امام مغرب کی نماز، عشاء کے وقت میں جماعت سے پڑھے۔ پھر عشاء جماعت سے پڑھے اور عشاء کے لئے اذان و اقامت کا اعادة نہ کرے: "أصح۔" ابن قیم الہمدانی میں فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دونوں نمازیں دو اذانوں اور دو اقامتوں سے پڑھیں۔ جیسا کہ عرف میں بھی یہی کیا۔

علماء کے اس مسئلہ میں چھ قول ہیں، جو احزاب میں مذکور ہیں۔ اول اذان کے بغیر دو اقامتیں۔ یہ امام اسحق کا قول ہے اور امام احمد سے ایک روایت اور خطابی کی نقل کے مطابق امام شافعی کا ایک قول بھی یہی ہے۔ دوم: صرف ایک اقامت پہلی نماز کے لئے۔ یہ نویری کا قول ہے۔ اور امام احمد کی ایک روایت ہے۔ سوم: ایک اذان دو اقامتیں یہ امام احمد کا صحیح قول اور امام محمد و امام زفر کا قول ہے۔ نووی فرماتے ہیں کہ یہی ہمارے ہاں صحیح ہے۔ چہارم

ایک اذان ایک اقامت صرف پہلی نماز کے لئے۔ یہ حنفیہ کا مذہب ہے، جیسا کہ شرح
کُباب سے اور پر گزرجکا ہے۔ مگر اس کے لئے یہ شرط ہے کہ دونوں میں کھانے وغیرہ کا فصل
نہ ہو، بخیم: دو اذانیں اور دو اقامتیں یہ مالکیہ کا مذہب ہے۔ ششم: بغیر اذان و اقامت۔
محب طبری نے یہ قول بعض سلف سے نقل کیا ہے: ”انتہی مختصراً۔“ ان اقوال کے ماخذ
ادجز میں مذکور ہیں۔

دونوں نمازوں کے درمیان نوافل نہیں پڑھے نہ ان کے بعد (دش) آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے ان دونوں نمازوں کے درمیان نوافل نہیں پڑھے نہ ان کے بعد وتروں کے علاوہ
کچھ پڑھا۔ جیسا کہ آگے آتا ہے۔ اس پر امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب قائم کیا ہے: ”باب
من جمع بینہما ولم یطوِّع“ اور اس کے ذیل میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے
کہ: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں نمازوں کو جمع کیا اور ان کے درمیان نوافل نہیں پڑھے
نہ ان کے بعد“ ادجز میں اس پر مبسوط کلام کیا ہے۔ اس میں مالکیہ کی کتابوں سے نقل کیا ہے
کہ نہ ان دونوں کے درمیان نوافل پڑھے نہ ان کے بعد اور ابن حجر کی شرح منہاج سے نقل کیا ہے
کہ: ”مسنون یہ ہے کہ نماز مغرب کے بعد ہر شخص اپنی سواری بٹھائے اور ان کے عقاب بانٹھے
پھر عشا کی نماز پڑھیں۔ پھر سامان کھولیں۔ پھر سنتیں اور وتر پڑھیں“ اور ہمارے حنفیہ
کے نزدیک دونوں کے درمیان نوافل مکروہ ہیں۔ جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے شرح کُباب میں
تصریح کی ہے اور دونوں نمازوں کے بعد جمع عرفات میں نوافل مکروہ ہیں، مزدلفہ میں مکروہ نہیں۔
ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: ”دونوں کے درمیان نفل نہ پڑھے، بلکہ مغرب و عشا کی سنتیں اور
وتر دونوں کے بعد پڑھے“ اور مرقاۃ میں فرماتے ہیں: ”قولہ ولم یسبح بینہما شیئاً یعنی دونوں
نمازوں کے درمیان سنتیں اور نفل نہیں پڑھے۔ اور معتد یہ ہے کہ مغرب و عشا کی سنتیں اور
وتر دونوں کے بعد پڑھے۔ کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ عشا کی سنتیں اور وتر کے بعد آپ صلی اللہ
علیہ وسلم آرام کے لئے لیٹ گئے“ اور مزدلفہ میں مغرب و عشا کا جمع کرنا حنفیہ، مالکیہ، اور حنابلہ کے
نزدیک افعال ج کے سبب ہے جیسا کہ ادجز میں تفصیلاً اور بدل میں اجمالاً ذکر کیا ہے۔ اور

ثم فامر حتى اصبح

ترجمہ: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

شافعیہ کے قول میں یہ جمع سفر کی بنا پر ہے۔ نووی شرح مسلم میں کہتے ہیں کہ صحیح ہمارے اصحاب کے نزدیک یہ ہے کہ یہ جمع سفر کے بعد ہے، لہذا یہ صرف اسی مسافر کے لئے جائز جس کا سفر وقت قصر تک پہنچتا ہو، اھ

رق) پھر آپ سو گئے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ اور اس
 مزدلفہ کی رات تہجد پڑھی یا نہیں؟ رات شب بیداری نہیں کی۔ اھ قسطلانی نے جواب میں
 اس پر بسط سے لکھا ہے۔ اور ترک تہجد کے وجہ میں ان اہمال کا ذکر کیا ہے جو پہلے ذکر ہوئے یعنی
 زوال سے غروب تک عرفہ کا وقوف، وعاد اور تضرع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبالغہ واجتہاد اور
 غروب کے بعد عرفہ سے مزدلفہ تک کا سفر نیز وہ بہت سے اعمال جو آپ کو یوم النحر میں کرنے تھے، یعنی
 بہت سی قربانیوں کا نحر رمی، اور طواف زیارۃ وغیرہ۔ جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،
 ”تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے“ انتہی مختصراً۔ اور شیخ بذل میں فرماتے ہیں: ”اگر کہا جائے کہ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کو کیسے ترک فرمایا۔ جب کہ ایک جماعت کے قول کے مطابق وہ آپ پر فرض تھی۔
 جواب یہ ہے کہ ترک تہجد اس جماعت کے قول پر مبنی ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ تہجد آپ پر فرض
 نہیں تھی۔ اور شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ البالغہ میں اور مولانا بھرا العلومؒ نے رسائل الارکان میں اسکی تصریح
 کی ہے، چنانچہ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ کی رات تہجد نہیں پڑھی کیونکہ
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے سخت امور کو عام جمعوں میں ترک فرمایا کرتے تھے تاکہ لوگ انہیں
 سنت نہ بنالیں“ اور بھرا العلومؒ فرماتے ہیں: ”راوی کے اس قول میں کہ: ”آپ لیٹ گئے اس امر کی واضح دلیل
 ہے کہ اس رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد نہیں پڑھی“ قسطلانی نے جواب میں اس کی تصریح کی ہے،
 اس سے معلوم ہوا کہ احیاء العلوم میں جو لکھا ہے کہ: ”اس رات رات کے نوافل ترک نہ کرے“ بلکہ اس
 رات ان کا ادا کرنا تو بہت ہی اہم ہے یہ غیر مناسب ہے“

شیخ فرماتے ہیں کہ احیاء میں جو لکھا ہے، وہ بظاہر اس قول پر مبنی ہے کہ تہجد آپ پر فرض تھی۔
 بس بظاہر آپ نے واجب کو ترک نہیں فرمایا ہوگا۔ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ تہجد فرض ہو یا سنت

(قال) واذن لضعفة اهلہ ان یقفوا الی منی قبل طلوع الفجر عند غیوبة

القمر و امرہم ان لا یروا حتی تطلع الشمس

ترجمہ: (رق) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ضعفا اہل بیت کو اجازت دی کہ وہ طلوع فجر سے پہلے جب کہ چاند غروب ہو، منی چلے جائیں اور انہیں حکم فرمایا کہ آفتاب طلوع ہونے سے پہلے رمی نہ کریں۔

بہر حال راوی کا یہ کہنا کہ آپ لیٹ گئے اس کے علم پر محمول ہوگا کہ اس نے آپ کو نماز پڑھتے نہیں دیکھا، یا یہ کہا جائے کہ آپ مغرب و عشا کی سنتیں اور وتر پڑھنے کے بعد لیٹے ہوں گے کیونکہ وتر حنفیہ کے نزدیک واجب ہیں۔ ان دونوں حضرات کے قول پر لازم آئے گا کہ آپ نے نماز تہجد کی طرح نماز وتر کو بھی ترک فرمایا۔ وتر وتر کا اطلاق جس طرح وتر پر ہوتا ہے اس طرح نماز تہجد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ پس بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد اور وتر دونوں پڑھے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم، انتہی مافی البدل۔

میں کہتا ہوں کہ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو بحوالہ المرقاة پہلے گزر چکی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنیں اور وتر پڑھنے کے بعد لیٹے تھے۔ اور وتر کا لفظ تہجد کے لئے روایات میں شائع ذائع ہے، چنانچہ روایات میں ہے کہ آپ تین، پانچ، سات، نو اور گیارہ رکعات کیساتھ وتر تہجد پڑھا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اور بہت روایات اس مضمون کی وارد ہیں۔ اور یہ بحث کہ تہجد آپ پر فرض تھی یا نہیں؟ حاشیہ لایع میں کتاب التہجد کے آغاز میں اس پر مبسوط کلام کیا ہے۔ ابن عربی کہتے ہیں کہ یہ حضرت ام سلمہ کی باری کا دن تھا، میں کہتا ہوں کہ امام ابو داؤد نے باب التبعیل من جمع میں حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ کو لیلۃ النحر میں بھیجا۔ اور یہ وہ دن تھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انکے یہاں تھے، اس پر مفصل کلام عقرب آتا ہے۔

(رق) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ضعفا اہل بیت

ضعفا کو منی جلدی جانیکی اجازت

دی کہ وہ طلوع فجر سے پہلے جب کہ چاند غروب ہو، منی چلے جائیں۔ اور انہیں حکم فرمایا کہ آفتاب طلوع ہونے سے پہلے رمی نہ کریں۔

دش یہاں چند بخشیں ہیں۔

اور ضعفا اہل بیت میں سے درج ذیل حضرات کے نام

اول ضعفا سے کون لوگ مراد ہیں؟ روایات میں مصرح ہیں، حفرة سودہ جیسا کہ صحیحین وغیرہ

میں ہے، یہ کمزور اور بھاری جسم کی تھیں۔ حضرت عائشہؓ اپنی کبریا کے زلنے میں فرمایا کرتی تھیں کہ کاش میں نے بھی اجازت حاصل کر لی ہوتی۔ حضرت ام سلمہؓ جیسا کہ ابو داؤد اور نسائی کی روایت میں ہے، ام حبیبہ رضی اللہ عنہا۔ جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔ چنانچہ شیخین وغیرہ کی روایت میں ہے کہ وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کے کمزور لوگوں کے ساتھ مجھے بھی بھیجا تھا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ۔ امام طحاویؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا تھا: آپ ہمارے کمزور بچوں اور عورتوں کو لے جائیے، تاکہ یہ نماز فجر منیٰ جا کر پڑھیں۔ جیسا کہ زر قانی شرح مواہب میں ہے۔ اور فتح الباری میں ہے کہ صحیح ابوعوانہ کی حدیث میں ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں بچوں اور کمزوروں کو منیٰ بھیج دیا کرتے تھے، مذکورہ بالا حضرات کی روایت شیخ ابن قیمؒ اور صاحب البدایہ النبایہ نے بھی ذکر کی ہے، علامہ عینی نے ابن حزم سے نقل کیا ہے کہ ضعفار سے مراد عورتیں اور بچے ہیں عینی کہتے ہیں کہ عاجز بوڑھے بھی اس میں داخل ہیں۔

دوم، جانے کا وقت | صحیحین، مؤطا اور دیگر کتب حدیث میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی روایت اس باب میں مصرح ہے کہ وہ نماز میں مشغول تھیں اور دریافت کرتیں کہ کیا چاند غروب ہو گیا؟ اور جب چاند کے غروب کی خبر دی گئی تو فرمایا: پس چلو۔ اور عائشہؓ شام میں ہے کہ حافظین ابن حجر و عینی کہتے ہیں کہ اس وقت چاند کا غروب ثلث اخیر کے اوائل میں ہوتا ہے، اور ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ سنت سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ تعجل نصف شب کے بعد نہیں بلکہ چاند غروب ہونے کے بعد ہے۔ اور جن لوگوں نے نصف شب تک تحدید کی ہے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں، اور اوجز میں حضرت طلحہؓ کے اس اثر ذیل میں کہ وہ اپنے گھر کی عورتوں کو پہلے بھیج دیا کرتے تھے الخ، ناجی سے نقل کیا ہے کہ راوی نے اس تقدیم کا وقت بیان نہیں کیا، اس لئے احتمال ہے کہ ان کا منیٰ آنا فجر سے اسی قدر پہلے ہو کہ وہ فجر کی نماز منیٰ میں پڑھ سکیں۔ جیسا کہ حضرت اسماءؓ کی حدیث میں ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کا آنا فجر کے بعد اور وقوف سے قبل ہو۔ مگر ان کے لئے زیادہ سہولت اس میں ہے کہ فجر سے پہلے چلیں کہ اس صورت میں ان کو تنہائی زیادہ میسر ہوگی، اور اسی میں ایک دوسری جگہ ہے کہ موثق کہتے ہیں:

”خورتوں اور بچوں اور کمزوروں کو پہلے بھیج دینے میں مضائقہ نہیں۔ عبدالرحمن بن عوفؓ اور حضرت عائشہؓ اور دیگر حضرات اپنے کمزور اہل و عیال کو پہلے بھیج دیا کرتے تھے۔ اور امام شافعیؒ اور اصحاب سائے اسی کے قائل ہیں۔ اور ہمیں معلوم نہیں کہ اس میں کسی کا اختلاف ہو، اور جنہوں میں اس پر بسط سے لکھا ہے اور اس کا خلاصہ لاصح کے حاشیہ میں بایں الفاظ ذکر کیا ہے۔“

”یاد رہے کہ یہاں دو مسئلے ہیں۔ ایک دسویں رات

مزدلفہ میں شب گذاری اور وقوف میں اختلاف | مزدلفہ میں گزارنے کا۔ اور دوسرا مزدلفہ میں نماز فجر کے بعد وقوف کا۔ یہ دونوں ایسا اوقاتِ تافیلینِ مذاہب پر ایک دوسرے سے مشتبہ ہو جاتے ہیں، جیسا کہ ان کے اقوال مختلفہ اور چیز میں نقل کر چکا ہوں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ظاہر یہ رکینیتِ وقوف کے قائل ہیں۔ اہل حرم نے یہ دعوئی کیا ہے کہ جن مردوں کو مزدلفہ میں امام کے ساتھ صبح کی نماز نہ مل سکے ان کا حج باطل ہے۔ باقی رہے ائمہ اربعہ اور ان کے متبعین اتوان کے مذاہب میں سے صحیح یہ ہے کہ نصفِ اول کے بعد تک مزدلفہ میں رہنا مستند قول کے مطابق امام شافعیؒ — اور امام احمد کے

نزدیک واجب ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ نصفِ شب پہلے مزدلفہ پہنچ گیا ہو ورنہ نصفِ اخیر میں ایک گھنٹہ کی حاضری بھی کافی ہے۔ اور امام مالکؒ کے نزدیک کجاوے اتارنے کی بقدرِ مضرت واجب ہے خواہ رات کے کسی حصہ میں ہو، اور خفیہ کے نزدیک مزدلفہ میں رات رہنا سنتِ موکدہ ہے۔ رہا فجر کے بعد وقوف کرنا تو یہ خفیہ کے نزدیک واجب، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سنت، ابن ماجہ شون مالک اور ابن عربی کے نزدیک رکن ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کمزوروں اور عورتوں کو پہلے بھیج دینا بالاجماع جائز ہے، جیسا کہ اوپر میں تفصیل سے لکھا ہے۔ نو دعوئی کہتے ہیں: ”اگر مزدلفہ میں شب باشی کو ترک کر دیا تو اس کی تلافی دم سے کرے۔ اور جس نے عذر کی بنا پر ترک کیا اس کے ذمہ کچھ نہیں۔“ اور دروہر کہتے ہیں: ”کمزور خورتوں اور بچوں کو پہلے بھیج دینے کی بطورِ استیجابِ رخصت ہے۔“ دسویں رات پر لکھتے ہیں: ”یعنی جب کہ کجاوے اتارنے کی بقدر وہ مزدلفہ میں قیام کر چکے ہوں۔ اور کسی نے بالکل ہی قیام نہیں کیا تو اس پر دم لازم ہے۔ اور اس میں کمزور وغیرہ کا کوئی فرق نہیں۔“ اور شرحِ ثباب میں ہے کہ:

”مزدلفہ میں رات رہنا فجر تک سنتِ موکدہ ہے۔ اور فجر کے بعد وقوف واجب ہے۔ اور اگر وقوف ترک کر دیا تو دم لازم ہوگا۔ البتہ اگر ترک وقوف کسی عذر کی بنا پر ہو تو اس کے ذمہ کچھ نہیں، مثلاً کوئی زیادہ سن رسیدہ ہو،

یا بچ ہو، یا غور ہو جس کو نجوم سے اندیشہ ہو“

بحث سوم: مصنف کے اس قول میں کہ ان کو حکم فرمایا کہ سورج نکلنے
یوم النحر کی رمی کا وقت سے پہلے رمی نہ کریں۔ حضرت اسماء کے قول: ”بیٹا! کیا چاند غروب ہو گیا؟“

کے تحت لایا ہے: حضرت اسماءؓ چاند کے غروب ہونے کا اس لئے پوچھتی تھیں کہ ان راتوں میں چاند
 کا غروب سحری کے قریب ہوتا ہے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ طلوع فجر کا قصد رکھتی تھیں۔ اور اس کے قبل
 کا ارادہ نہیں تھا۔ یہی ہمارا مذہب ہے۔ اور اس کے حاشیہ میں ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ یوم النحر کی رمی
 کا وقت کب شروع ہوتا ہے اور کب ختم ہوتا ہے، اور جن میں یہاں بھی خوب بسط سے مذاہب کو بیان کیا گیا
 ہے۔ موقوف کہتے ہیں: اس جہرہ کی رمی کے دو وقت ہیں۔ وقت فضیلت اور وقت جواز۔ وقت فضیلت تو
 طلوع آفتاب کے بعد ہے۔ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ مسلمان کا اس پر اجماع ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 نے اس دن چاشت کے وقت رمی کی تھی۔ اور ابو عبد اللہ السطری نے عمرؓ کو فرمایا تھا کہ ”رمی نہ کرنا یہاں
 تک کہ سورج نکل آئے۔“ اس کو ابو داؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے لیکن وقت جواز کی ابتداء امام احمد
 کے نزدیک نصف شب سے ہو جاتی ہے اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔ اور امام احمد سے ایک
 روایت یہ ہے کہ صبح صادق کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے جائز ہے، یہ امام مالکؒ اور اصحاب
 رائے کا مذہب ہے۔ امام ثورؒ کی اور امام نخعیؒ فرماتے ہیں کہ سورج نکلنے کے بعد ہی رمی کرے۔ پوری
 تفصیل اوجز میں دیکھ لی جائے۔ اور شیخ ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ ”اس مسئلہ میں تین مذہب ہیں۔ اول: نصف
 شب کے بعد مطلقاً جائز ہے خواہ قادم ہو یا نہ ہو۔ یہ امام شافعیؒ اور امام احمد کا مذہب ہے۔ دوم: صرف
 طلوع فجر کے بعد جائز ہے، یہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے۔ سوم: اہل قسطنطنیہ کے لئے طلوع آفتاب
 کے بعد ہی جائز ہے۔ یہ اہل علم کی ایک جماعت کا مذہب ہے۔“

وق) اور حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث منکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہؓ کو بھیج دیا تھا۔
 پس انہوں نے صبح صادق سے پہلے ہی رمی کر لی، دشمن ابن قیمؒ نے خوب بسط سے اس حکم کو ثابت
 کیا ہے۔ اسی طرح امام طحاویؒ، امام بیہقیؒ اور صاحب الجوزہ النقی نے بھی اس کو منکر کہا ہے، یہ حدیث
 ابو داؤد نے روایت کی ہے۔ اور اس پر سکوت کیا ہے۔ صاحب البدایہ والنہایہ لکھتے ہیں کہ اس
 حدیث کی روایت میں ابو داؤد متفرد ہیں۔ اور اس کی سند جید اور قوی ہے اور اس کے راوی

رَقَالَ فَلَمَّا طَلَعَ الْفَجْرُ صَلَّى الصُّبْحَ

ترجمہ: رَق (پس جو نہی صبح صادق ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر ادا کی

سب ثقہ ہیں۔

کیا منزلت کی راتِ شہرامِ سائمہ کی بارسی تھی؟ اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے

کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بارسی دسویں رات (لیلۃ النحر) تھی۔ مگر اس پر عبد اللہ بن زید کی حدیث سے اشکال ہوتا ہے جس کو امام ابو داؤد نے حضرت ام سلمہ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میری رات جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے یہاں قیام کرنا تھا، یوم النحر کی شام کو تھی۔ چنانچہ آپ میرے یہاں تشریف لائے۔ الخ میرے نزدیک ان میں تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ ایام حج کی راتیں گزشتہ دن کے تابع ہوتی ہیں جیسا کہ معروف ہے۔ اور حضرت عائشہؓ کی حدیث میں یہ آتا ہے کہ یوم النحر حضرت ام سلمہ کا تھا۔ رات کا ذکر نہیں۔ اور عبد اللہ بن زید کی حدیث میں تصریح ہے کہ گیارہویں رات حضرت ام سلمہ کی تھی، اس لئے ان دونوں کے درمیان منافات نہیں۔

رَق (پس جو نہی صبح صادق ہوئی تو آپ نے اول وقت میں نماز فجر ادا کی۔ اور ان لوگوں کو دہم ہوا جو اس کے قائل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر کو نماز صبح قبل از وقت پڑھی تھی۔ اس دہم کا منشا حضرت عبد اللہ بن مسعود کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر کو فجر کی نماز اُس کے وقت سے پہلے پڑھی۔ حالانکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کی مراد یہ ہے کہ جس وقت عام طور پر پڑھنے کی عادت تھی۔ اس سے پہلے پڑھی۔ یہ تاویل ناگزیر ہے۔ اور خود عبد اللہ بن مسعود کی اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ان سے مروی ہے کہ یہ دو نمازیں اپنے وقت سے ہٹ جاتی ہیں۔ ایک نماز مغرب کہ وہ لوگوں کے منزلت آنے کے بعد پڑھی جاتی ہے اور دوسری نماز فجر جو سفید صبح کے وقت پڑھی جاتی ہے، اور حدیث جابر میں ہے جس میں قصہ حجۃ الوداع کا بیان ہے کہ جب صبح صادق نمودار ہوئی تو آپ نے۔ اذان و اقامت۔ کے ساتھ نماز فجر پڑھی، یٰ کَذٰلٰی الْبَاسِ۔ اور آپ نے فرمایا حج اکبر کا دن ہے، اور یہ ہر شرک سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لہ و فی الاصل: مَبَازِذُ اَقَامَتِیْنِ۔ وَالْتَصِیْحُ مِنْ صَیْحِ مُسْلِمٍ ۳۹۸ (متدم)

(قلت) واعاد الدعاء لامته

رشد، اور اپنی امت کے لئے دوبارہ دعا فرمائی۔

کی برأت کے اعلان کا دن ہے۔ پھر آپ سوار ہو کر شجر حرام کے پاس موقوف میں پہنچے، اور خوب خوشی ہونے تک دعا و تضرع، تکبیر و تہلیل اور ذکر میں مشغول رہے۔ انتہی۔

(سن) اور اپنی امت کے لئے دوبارہ دعا فرمائی۔ کہتے ہیں کہ باہمی حقوق کے بائیں لپکی دعا قبول ہوئی آپ کی دعا باہمی حقوق کے بارے میں بھی قبول ہوئی، اور زرقانی میں عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کی شام کو اپنی امت کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ حق تعالیٰ کی طرف سے جواب دیا گیا ہے کہ میں نے مظلوم دباہی حق تلفیوں، کے ماسوا ان کی بخشش فرمادی، البتہ ظالم سے مظلوم کا بدلہ ضرور لوں گا، آپ نے عرض کیا کہ آسے میرے رب! آپ چاہیں تو مظلوم کو جنت سے بدلہ دے کر ظالم کو معاف کر سکتے ہیں، مگر عرفہ کی شام کو آپ کی یہ دعا قبول نہیں ہوئی۔ مزدلفہ کی صبح کو دوبارہ دعا فرمائی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنسے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا: ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یہ وقت ایسا ہے کہ آپ اس میں نہیں ہنسا کرتے، ہنسنے کا سبب کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ آپ کو ہنستا رکھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ کے دشمن ابلیس کو معلوم ہوا کہ میری دعا قبول ہوئی اور میری امت کی بخشش ہو گئی تو وہ سر پر مٹی ڈالنے اور داویلا کرنے لگا، اس کی جزع و فزع سے مجھے ہنسی آگئی، اس حدیث کو ابن ماجہ اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے، اور ابوداؤد نے اس پر سکوت کیا ہے۔ اور ابن جریر نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کی شام کو ہمیں خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا: آسے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس مقام میں تم پر بہت ہی احسان فرمایا ہے۔ پس تمہارے نیکو کاروں سے رطاعات و عبادات کو قبول فرمایا، اور تمہارے نیکو کاروں کو وہ سب کچھ عطا کر دیا جس کا انہوں نے سوال کیا۔ اور تمہارے گناہ تمہارے نیکو کاروں کو پہرہ کر دیئے یعنی نیکو کاروں کی بدولت تمہارے گناہ کاروں کی بخشش فرمادی، البتہ تمہاری باہمی حق تلفیاں معاف نہیں ہوئیں۔ چلو اللہ کے نام پر عرفہ سے مزدلفہ چلیں پس جب مزدلفہ کی صبح ہوئی۔ تو ارشاد فرمایا: آسے لوگو! اللہ تعالیٰ نے

تمہارے اس مقام میں تم پر بہت ہی احسان فرمایا، چنانچہ تمہارے نیکو کاروں سے دان کی طاعات و عبادات کو قبول فرمایا۔ اور تمہارے گنہگار تمہارے نیکو کاروں کو عطا کر دیئے یعنی نیک لوگوں کی بدولت گنہگاروں کو بخش دیا، اور تمہاری باہمی حق تلفیوں کا معاوضہ اپنے پاس سے ادا کر دیا، چلو اللہ تعالیٰ کے نام پر دینی کی طرف، صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اکل تو آپ ہمیں بہت ہی حزن و ملال کی حالت میں لائے تھے۔ اور آج نہایت فرحت و مسرت کی حالت میں لے جا رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کل میں نے اپنے رب سے ایک درخواست کی تھی جو منظور نہیں ہوئی۔ میں نے درخواست کی تھی کہ باہمی حق تلفیوں کو بھی معاف کر دیا جائے۔ مگر نامنظور ہوئی۔ اور آج جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ آپ کا پروردگار آپ کو سلام کہتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے حقوق اپنے ذمہ لے لئے ہیں ان کو اپنے پاس سے ادا کروں گا۔

عباس بن مرداسؓ کی حدیث طبرانی نے معجم میں، عبد اللہ بن احمد نے زوائد میں، احمد بن ابویعلیٰ و ابن عدی نے روایت کی ہے، جیسا کہ تخریج زرعی میں ہے، نیز بیہقی نے سنن میں، ابن ابی شیبہ نے تمہید میں اور ابواللیث سمرقندی نے تنبیہ الغافلین میں بھی اس کو روایت کیا ہے، ابن جوزی نے اس کو بروایت عباس بن مرداس، بروایت ابن عمر اور بروایت عبادہ بن صامت - جسے عبد الرزاق اور طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے۔ موضوعات میں ذکر کیا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے "القول المسید" میں اسے سیوطیؒ نے "اللائی المصنوعہ" میں ابن جوزی پر تعقب کیا ہے۔ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ "یہ حدیث ترمذی کی رائے کے مطابق حسن کی حد میں داخل ہے، بالخصوص جب کہ اس کے مجموعی طرق پر نظر کی جائے۔ اور ابوداؤد نے اس کا ایک حصہ روایت کر کے اس پر سکوت کیا ہے۔ لہذا یہ حدیث ان کے نزدیک صالح ہے۔ اور حافظ ضیاء مقدسی نے "المختار" میں بھی اس کی تخریج کی ہے، امام بیہقی شعب الایمان میں اس کو روایت کرنے کے بعد کہتے ہیں: "اس حدیث کے لئے بہت سے شواہد موجود ہیں جن کو ہم کتاب البعث میں ذکر کر چکے ہیں۔ یہ اگر اپنے شواہد کی وجہ سے صحیح ہو تو یہ حجت ہے۔ اور اگر صحیح بھی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد موجود ہے۔ "وینفردون ذالک لمن یشاء" یعنی اللہ تعالیٰ شرک کے ناسوا کو جس کے لئے چاہے گا بخش دے گا۔ اور شرک کے ناسوا میں ایک دوسرے پر ظلم کرنا بھی داخل ہے۔ اور یہ حدیث

بروایت انس بھی مروی ہے جس کو ابو یعلیٰ اور ابن مہزیب نے روایت کیا ہے۔ الخ "اور حاشیہ" کو کب میں ابن جوزی کے رد میں اس پر خوب بسط سے کلام کیا ہے۔

جسے گناہوں کی مغفرت | ہے۔ جن پر شروح حدیث اور کتب مناسک میں خوب بسط سے

لکھا گیا ہے۔ اور جن میں اس پر کسی قدر تفصیل سے کلام کیا گیا ہے۔ اور حاشیہ لامع میں اس کا خلاصہ ذکر کیا گیا ہے۔ شیخ قدس سرہ لامع میں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: رجع کما ولدتہ اُمّہ کے ذیل فرماتے ہیں: "بظاہر صغائر مراد ہیں اور ممکن ہے کہ صغائر و کبائر دونوں مراد ہوں کیونکہ موافق حج میں بہت سی دعائیں ہیں، جو حضور و استغفار کو متضمن ہیں۔ مگر حقوق العباد جب تک اصحاب حقوق کی طرف سے معاف نہیں ہو جاتے ان کے ساقط اور ختم ہو جانے کا قائل ہونے کی جرأت مشکل ہے۔ ہاں تو یہ صادق ہے وہ گناہ معاف ہو جائیگا۔ جو تعفیرت حقوق کی وجہ سے لازم آیا" اور اس کے حاشیہ میں ہے کہ اس مسئلہ پر شیخ نے پھر جامع ترمذی کے افادات میں جو الکوکب الدرر کے نام سے مطبوع ہیں، مختصر سا کلام کیا ہے۔ اور اس کے حاشیہ میں قدرے تفصیل ہے۔ اور اور جن میں ان روایات کو ذکر کرنے کے بعد، جن میں حج سے گناہوں کی تکفیر کا مضمون وارد ہوا ہے۔ لکھا ہے کہ بہت سے محققین، مثلاً قاضی عیاض اور ابن عبد البر وغیرہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ کہ کبائر تو بہت سے بغیر معاف نہیں ہوتے، اس لئے بعض حضرات تو ان روایات کو صغائر کے ساتھ مؤول قرار دیتے ہیں۔ اور بعض حضرات اس طرف گئے ہیں کہ بعض اعمال کبائر کو بھی مٹا دیتے ہیں۔ بالخصوص حج کہ اس کے بارے میں تو بڑی کثرت سے روایات وارد ہوئی ہیں۔ اور دُور مختار میں ہے: کیا حج کبائر کو مٹا دیتا ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ ہاں، جیسے کوئی حربی مسلمان ہوا اور بعض نے کہا ہے کہ صرف ان کبائر کو بخوبی (رکے حقوق) سے متعلق نہ ہو، جیسے ذمی اسلام لے آئے۔

شیخ ابن تیمیہ کہتے ہیں، جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ حج سے حقوق واجبہ ساقط ہو جاتے ہیں اس سے توبہ کرائی جائے، توبہ نہ کرے تو قتل کر دیا جائے، کیونکہ حج سے حقوق العباد بالاجماع ساقط نہیں ہوتے۔ شیخ قدس سرہ الکوکب میں فریقین کے دلائل پر مفصل بحث کے بعد فرماتے ہیں: "شاہد حق بات جس سے عدول مناسب نہیں رہے کہ تمام طاعات و عبادات میں عبادت کھدگان کے مختلف

حالات کی بنا پر بے شمار تغادات ہوتا ہے۔ بہت سے سونے والے اللہ تعالیٰ کے لڑاں اعلیٰ و ارفع مرتبہ رکھتے ہیں۔ اور بہت سے زہدان شب زندہ دار کو بجز کلفت بیداری کچھ لائق نہیں آتا۔ اور جب یہ بے تو معلوم ہوا کہ تمام عبادات کا حکم یکساں نہیں۔ بلکہ بعض تو آدمی کو ایسا کر دیتی ہیں گویا آج کے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ اور یہ جب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں اپنی کوتاہیوں پر مذمت ہو۔ اور گذشتہ زمانے میں جن حالتوں کا ارتکاب کر چکا ہے ان پر حسرت و انکس ہو اور بعض ایسی ہیں کہ کبائر تو کجا صغائر کو مٹانے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتیں، بلکہ عجب نہیں کہ اٹھادہاں بن جائیں، اور آدمی کے لئے عتاب و نکال کی وجہ ہوں۔ چنانچہ یوں آتا ہے کہ آدمی نے جب نماز کے آداب کی ٹھیکے عایت نہ کی ہو۔ خواہ ارکان و شرائط بجالایا ہو، تو نماز اس کو بد و عادت ہی ہے کہ اللہ تجھے عارت کرے جیسے تو نے مجھے ضائع کیا۔ اس مضمون کی اور بہت سی روایات ہیں "آخر

رق ۱۱ اسی مقام میں عودہ بن مضر بن طائی نے ارشاد فرمایا: جو شخص ہماری اس نماز میں حاضر ہو اللہ عزوجل فرمادے گا: یا رسول اللہ! میں قبیلہ بنی طے کے پہاڑ سے آیا ہوں، میں نے اپنی سواری کو تھکا دیا، اور اپنی جان کو مشقت میں ڈالا، کوئی پہاڑ نہیں جس پر میں نہ ٹھہر ہوں۔ تو کیا میرا حج ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص ہماری اس نماز میں حاضر ہوا پھر ہم سے ساتھ وقوف کیا یہاں تک کہ ہم یہاں سے جائیں۔ جب کہ اس سے قبل رات یا دن کے کسی حصہ میں عرفات کا وقوف کر چکا تھا، تو اس کا حج تمام ہے۔ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے، اس حدیث کے پیش نظر بعض حضرات اس کے قائل ہیں کہ وقوف عرفہ کی طرح مزدلفہ میں شب بٹشی اور دن کا وقوف رکن ہے، یہ صحابہ و تابعین وغیرہم کی ایک جماعت اور داؤد ظاہری کا مذہب اور شافعی کی ایک روایت ہے، شیخ ابن قیم نے فریقین کے دلائل تفصیل سے ذکر کئے ہیں۔ مندرجہ بالا حدیث ابو داؤد و ترمذی، نسائی و ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔ حافظ فرماتے ہیں کہ ابن حبان داؤد طوسی اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ اور شیخ ذہبی نے فرماتے ہیں کہ حدیث میں وقوف عرفہ کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ واجبات حج میں سے ہے۔ اور شوکانی کہتے ہیں کہ اس حدیث سے امام احمد بن حنبل نے استدلال کیا ہے کہ وقوف عرفہ کا وقت البعد و مال کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ یہ عرفہ کی صبح صادق سے یوم نحر کی صبح صادق تک اس کا وقت ہے۔ کیونکہ دن اور رات کا لفظ مطلق ہے اور جب ہوا اس حدیث کا حجاب یہ دیتے ہیں کہ دن سے مراد

دقال، ثم سار من مزدلفه مرد فالفضل۔

ترجمہ: پھر آپ مزدلفہ سے روانہ ہوئے اور فضل کو اپنے پیچھے سوار کیا۔

ابعد زوال ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے زوال کے بعد ہی وقوف کیا۔ اور الحلی میں ہے کہ اس حدیث سے ان لوگوں کے خیال کی تردید ہو جاتی ہے، جو کہتے ہیں کہ وقوف غریبہ عرفہ کے غریبہ آفتاب سے فوت ہو جاتا ہے اور ان لوگوں کی بھی جو کہتے ہیں کہ اس کا وقت طلوع فجر کے بعد طلوع آفتاب تک رہتا ہے، انتہی مافی البدل مختصراً۔

وق، پھر آپ طلوع آفتاب سے قبل مزدلفہ سے روانہ ہوئے موقوف طلوع آفتاب سے قبل مزدلفہ سے چلنا کہتے ہیں: ہمیں اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں کہ سنت طلوع آفتاب سے پہلے چلنا ہے اور خوب روشنی ہو جانے تک وقوف سنت ہے۔ امام شافعی اور اصحاب ائمر کا یہی قول ہے۔ امام مالک کی رائے یہ تھی کہ اسفار سے پہلے چلنا چاہیے۔ کذا فی الاوجز۔

(رض) امام ابو داؤد نے حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ اہل جاہلیت اس وقت تک نہیں چلتے تھے جب تک کہ وہ ثبیر پر دھوپ نہ دیکھ لیتے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مخالفت فرمائی اور طلوع آفتاب سے پہلے چلے اور بخاری کے الفاظ عمر بن میمون کی روایت سے یہ ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ آپ نے مزدلفہ میں صبح کی نماز پڑھی پھر وقوف کیا۔ پھر فرمایا کہ مشرکین مزدلفہ سے نہیں چلتے تھے۔ یہاں تک کہ سورج نکل آئے اور وہ کہا کرتے تھے: "اشرق ثبیر" یعنی اے کوہ ثبیر! تو دھوپ سے روشن ہو جا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مخالفت کی اور طلوع آفتاب سے پہلے روانہ ہوئے؟

یہاں یہ یاد رہے کہ ثبیر مکہ کے پانچ پہاڑوں کا نام ہے جیسا کہ ثبیر مکہ کے پانچ پہاڑوں کا نام ہے | شیخ قدس سرہ نے بدل میں افادہ فرمایا ہے اور اسی طرح مجمع میں بھی مذکور ہے، شایع قاموس نے اس میں علماء کا اختلاف ذکر کیا ہے۔ کہ ثبیر نامی پہاڑ منیٰ میں ہے یا کسی اور جگہ تفصیل میرے حاشیہ شرح لباب میں ہے۔

اور فضل بن عباسؓ کو اپنے پیچھے سوار کیا اور حضرت اسامہؓ ابن عباسؓ کا راستے سے کنکریاں اٹھانا | یہ بدل چل پڑے۔ اور اسی راستے میں ابن عباسؓ کو کنکریاں اٹھانے کا حکم فرمایا۔ اور اس رات کو پہاڑ سے کنکریاں نہیں توڑیں، جیسا کہ بعض بے علم کرتے ہیں کذا فی الہدیٰ

(قال) وفق طریقہ تلافی

توجہ دینا اور اسی راستے میں

زر قانی کہتے ہیں کہ سنن بیہقی اور نسائی میں بسند صحیح علی شرط مسلم مروی ہے نیز حاکم نے مستدرک میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فضل بن عباسؓ سے یوم النحر کی صبح کو فرمایا کہ میرے لئے کنکریاں جمع کرو جیسے پھینکنے کی کنکریاں ہوتی ہیں۔ کنکریوں کے مسائل پر اوچتے میں بہت ہی بسط سے کلام کیا ہے کہ ان کو رات ہی کو جمع کر لے یا راستے سے لے؟ اور یہ کہ جہزہ جہزہ عقبہ کے لئے سات کنکریاں لے؟ یا تمام دنوں کے لئے ستر کنکریاں لے؟ اور یہ کہ جہزہ کے پاس سے کنکریاں اٹھا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس قسم کی اور بھی لطیف بحثیں کی ہیں۔ اور اسی میں یہ ہے کہ ابن حجر کہتے ہیں کہ ابن حزمؒ کا یہ قول مردود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کنکریوں سے رمی کی تھی جو عبداللہ بن عباسؓ نے موضع رمی سے اٹھائی تھیں الخ اور ابن عربی نے المحاضرہ میں ابن حزم کے قول کو رد کی موافقت کی ہے۔ اور حافظؒ نے تلخیص میں فضل بن عباسؓ کے نام کو ترجیح دی ہے، اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ کو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ضعفاد اہل بیت کے ساتھ راستہ ہی کو منیٰ بھیج دیا تھا۔

فق، اور اسی راستے میں دش، ابن عربی نے المحاضرہ میں بھی یہی قبیلہ خشم کی ایک خاتون کا سوال ذکر کیا ہے کہ یہ واقعہ (جو آگے آتا ہے) راستے میں پیش آیا، اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ آیا یہ واقعہ راستہ میں پیش آیا؟ جیسا کہ بخاری میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ”فضلؓ“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھے۔ پس قبیلہ خشم کی ایک عورت آئی، فضلؓ اس کی طرف دیکھنے لگے، اور موطا کی روایت کے الفاظ بھی اسی طرح کے ہیں۔ یا رمی کے بعد مخر میں یہ واقعہ پیش آیا؟ جیسا کہ متعدد روایات میں ہے۔ اور اوچتے میں ہے کہ حافظؒ فرماتے ہیں: احتمال ہے کہ قبیلہ خشم کی خاتون کا سوال رمی جہزہ عقبہ کے بعد ہوا ہو، اور ابن عباسؓ بھی اس موقع پر حاضر ہوئے ہوں! اس لئے کبھی وہ اپنے بھائی فضلؓ سے روایت کرتے ہیں۔ کیونکہ وہی صاحب واقعہ ہیں، اور کبھی خود اپنا مشاہدہ نقل کرتے ہیں۔ اس کی تائید ترمذی و احمدؒ وغیرہما کی روایت سے ہوتی ہے۔ امام احمدؒ کے الفاظ بروایت حضرت علی رضی اللہ

عرضت له امرأة جميلة سألت عن الحج عن أبيها فامرهما أن تمح عنه.

ایک حسین و جلیل عورت آپ کے پاس آئی اور دریافت کیا کہ کیا وہ اپنے باپ کی جانب سے حج کر سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ اس کی جانب سے حج کرے۔

یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہر میں پہنچے اور فرمایا: یہ منہر ہے اور منیٰ کی ہر جگہ منہر ہے۔ اور آپ سے ایک عورت نے استفتاء کیا اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کے پاس قبیلہ خثعم کی ایک جوان لڑکی آئی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فضل کی گردن موڑ دی، حضرت عباسؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے اپنے چچا زاد بھائی کی گردن موڑ دی، آپ نے فرمایا: میں نے دیکھا جو ان لڑکا لڑکی ہیں مجھے ان کے حق میں شیطان کا خطو محسوس ہوا، الخ اور اسی میں یہ بھی ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ حدیث مسند ابن عباس ہے یا مسند فضل؟ ترمذی کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں ابن عباسؓ کی روایت بواسطہ فضل زیادہ صحیح ہے، الخ۔

قبیلہ خثعم کی ایک حسین و جلیل خاتون آپ کے پاس آئی، حافظ کہتے ہیں اس کے نام کا ذکر نہیں آتا۔ اور دریافت کیا کہ کیا وہ اپنے باپ کی جانب سے جو سواری پر بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتا، حج کر سکتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اس کی جانب سے حج کرے، یہاں چند بحثیں ہیں۔ جو اہل جہنم مفصل مذکور ہیں۔ اول: یہ کہ سائل مرد تھا یا عورت تھی؟ اور اس نے اپنے باپ کے بارے میں سوال کیا تھا یا اپنی ماں کے بارے میں؟ حافظ اس سلسلہ میں روایات کے اختلاف کو تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ان مجموعی طرق سے جو بات میرے سامنے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ سائل مرد تھا۔ اس کے ساتھ لڑکی بھی تھی، اس نے بھی سوال کیا، اور سوال مرد کے ماں باپ دونوں کے بارے میں تھا، الخ۔

بحث دوم، جو شخص بذات خود قادر نہ ہو مگر جو شخص خود قادر ہو اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟ کسی دوسرے سے حج کر سکتا ہے اس پر حج فرض

ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ پر اہل جہنم میں خوب بسط سے لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قادر بالغیر ہر امام شافعی، احمد اور صاحبین کے نزدیک حج فرض ہے۔ اور امام مالکؒ اور ابو حنیفہؒ کے نزدیک فرض نہیں۔ ان کی طرف سے اس حدیث کا جواب جیسا کہ حاشیہ الامام میں ہے، یہ دیا گیا ہے کہ حدیث خثعمیہ اسی کے ساتھ مخصوص ہے، اس کو دوسروں کی طرف متعدی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: من استطاع الیہ

سببِ لا یعنی حج اسی پر فرض ہے جو میت اشد تک پہنچنے کی طاقت رکھے۔ اور اوجز میں ہے کہ ابن عبد البر کا رجحان یہ ہے کہ یہ قصہ ختمیہ سے مخصوص ہے۔ اور قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس سلسلہ میں حجت نہیں کیونکہ ظاہر حدیث یہ ہے کہ اس خاتون نے بتایا کہ فریضہ حج ایسی حالت میں نازل ہوا کہ اس کا باپ طاقت نہیں رکھتا تھا۔ اس نے صرف یہ دریافت کیا کہ اس کے لئے اپنے باپ کی جانب حج کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور شیخ قدس سرہ کو کتب میں فرماتے ہیں: اس کا قول: "اُشد تعالیٰ کے فریضہ حج نے اسے پایا" یہاں دو احتمال ہیں، اول یہ کہ جب حج کا حکم نازل ہوا اس وقت یہ بڑے میاں حج کی قدرت و استطاعت رکھتے تھے مگر پہلے سال حج نہ کیا، یا تو کچھ عوارض و موانع پیش آگئے ہوں گے یا یہ توقع ہوگی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حج مشرف ہو سکیں گے، اور بعد میں کمزور ہو گئے ہوں گے۔ اس صورت میں یہ کہنا صحیح ہے کہ حج کے حکم نے ان کو بڑھاپے کی حالت میں پایا۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ حج کے بارے میں حکم خداوندی نازل ہی اس وقت ہوا جب کہ وہ شیخ کبیر تھے۔ انتہی۔

اوجز میں ہے کہ موفق کہتے ہیں کہ جو شخص

بحث سوم: کسی شخص کی طرف سے حج بدل جائز ہے یا نہیں؟ بذات خود حج کرنے کی طاقت رکھتا ہو اس کی

جانب سے حج واجب میں نیابت بالاتفاق جائز نہیں، ابن منذر کہتے ہیں کہ اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ جس پر حج اسلام فرض ہوا اور وہ خود حج کرنے کی طاقت رکھتا ہو اس کی جانب سے کسی دوسرے کا حج بدل کرنا صحیح نہیں۔ اور جو حکم حج فرض کا ہے وہی نذر کے حج کا ہے کہ اگر خود عاجز ہے تو کسی کو نائب بنا سکتا ہے۔ اور اگر خود قادر ہو تو نیابت صحیح نہیں کہ وہ بھی حج واجب ہے۔ اور نفلی حج کی تین قسمیں ہیں: ایک کہ کسی نے حج فرض ادا نہیں کیا ایسا شخص کسی کو نفلی حج کے لئے اپنا نائب بنا نہیں بھیج سکتا، دوم یہ کہ حج فرض ادا کر چکا ہو اور حج نفل ادا کرنے سے عاجز ہے اس کی طرف سے نائب بنا نا صحیح ہے سوم یہ کہ اس میں دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ صحیح ہے اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے دوسری یہ کہ صحیح نہیں اور یہ امام شافعی کا قول ہے پوری تفصیل اوجز میں ہے۔

اوجز میں الغنی سے نقل کیا ہے کہ مرد کا خود

بحث چہارم: مرد کا عورت کی جانب سے اور عورت کا مرد کی جانب سے حج

مرد کی جانب سے حج بدل صحیح ہے یا نہیں؟ بل امام اہل علم کے نزدیک صحیح ہے۔ اس مسئلہ میں

کسی کا اختلاف ہمیں معلوم نہیں یحییٰ بن صالح کے کہ ان کے نزدیک مرد کی جانب سے عورت کا حج بدل

کرنا مکروہ ہے۔ ابن منذر کہتے ہیں کہ حسن بن صالح کا یہ قول ظاہر سنت سے غفلت ہے۔۔۔ کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون کو اس کے باپ کی جانب سے حج کرنے کا حکم فرمایا: الخ یہ چار بحثیں حدیث الباب کے مناسب ہیں، ورنہ حج بدل کے مسئلہ میں بہت سی بحثیں ہیں۔ جن میں سے دس بحثیں اوجز میں مذکور ہیں، چنانچہ ”باب الحج عن الغير“ کی ابتدا میں اوجز کے الفاظ یہ ہیں۔

”اس باب کے فروع بہت ہی زیادہ ہیں۔ ہم یہاں دس حج بدل کے متعلق دس بحثیں | بحثوں میں ان مسائل کو ذکر کرتے ہیں جن کا جاننا نہایت ضروری ہے۔ اول: حج فرض یا نفل میں نائب بنانا صحیح ہے یا نہیں؟ دوم: جو شخص خود ڈاؤن ہو البتہ دوسرے کی مدد سے حج پر تادیر ہو اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟ سوم: اپنا حج کی طرف سے حج بدل کا حکم چٹا رہے۔ جس شخص کے مرض کے زائل ہونے کی توقع ہو اس کی طرف سے اور مجبوس کی طرف سے حج بدل کا حکم پنجم: حج بدل کے بعد مریض کو صحت ہو جائے ہشتم: امر کا اذن شرط ہے یا نہیں؟ ہفتم: ثلث مال سے حج بدل کا حکم ہشتم: دوسرے کی جانب سے حج ضرورت کا حکم۔ نہم: مرد کا عورت کی طرف سے اور عورت کا مرد کی طرف سے حج بدل۔ دہم: حج امر کی طرف سے ادا ہوتا ہے یا مامور کی طرف سے؟

دق، فضل اس عورت کی طرف اور وہ فضل کی طرف دیکھنے لگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفل کا منہ پھیر دیا تاکہ وہ دونوں ایک دوسرے کو نہ دیکھیں: (ش) اور کنز العمال میں یہ اضافہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آج کا دن وہ ہے کہ جس شخص نے اپنی نظر کو قابض رکھا اس کے تمام گزشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فضل کا منہ عورت کی طرف سے ہٹایا، اس کے برعکس عورت کو منہ پھیرنے کا حکم نہیں کیا۔ اوجز میں اس کے وجوہ تفصیل سے ذکر کئے گئے ہیں۔ من جملہ ان کے باجی سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف فضل کا منہ دوسری طرف پھیر دینے کو کافی سمجھا۔ کیونکہ یہ چیز عورت کے لئے فضل کا جبرہ دیکھنے سے مانع تھی، لہذا گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے سے منع کر دیا۔ علاوہ انہی دوسرے وجوہ اوجز میں تفصیل سے مذکور ہیں۔ اجنبی مرد و عورت کا ایک دوسرے کو دیکھنے کا حکم اوجز میں دو مقام پر مفصل مذکور ہے۔ حدیث ختمیہ کے ذیل میں۔ اور عقد المرأة فی تنہا کے ذیل میں۔

و سألہ آخر عن امہ۔

ترجمہ :- اور اسی موقع پر ایک اور شخص نے اپنی والدہ کے بارے میں یہی سوال کیا۔

اور اسی موقع پر ایک اور شخص نے اپنی

ایک شخص کا اپنی والدہ کے بارے میں سوال

کے جواب میں ارشاد فرمایا: یہ بتا کہ اگر تیری ماں کے ذمہ قرض ہوتا تو تو اس کی جانب سے ادا کرتا یا نہیں؟ عرض کیا کہ ضرور کرتا۔ فرمایا: پھر اپنی ماں کی طرف سے حج بھی کرتا؟ کذا فی الہدی۔ یہ حدیث امام نسائی نے حضرت فضل بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھے پس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری ماں الحامیہ نامی نسائی نے اس حدیث پر یہ عنوان قائم کیا ہے: باب حج الرجل عن المرأة: امام نسائی کے طرز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو واقعے الگ الگ ہیں۔ چنانچہ شیخ ابن قیمؒ کا بھی یہی رجحان ہے۔ اور ابن عربیؒ نے الحاضرہ میں اسی کو جزاً ذکر کیا ہے۔ چنانچہ وہ قبیلہ خثعم کی خاتون کا واقعہ نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اسی نوعیت کا سوال ایک مرد نے بھی کیا: احد اور پیچھے قریب ہی اوجڑ سے گزر چکا ہے کہ حافظؒ کا رجحان یہ ہے کہ یہ ایک ہی قصہ ہے۔ وہ روایات کا اختلاف نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ان تمام طرق کو ملانے سے جوابات میرے لئے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ سوال کرنے والا مرد تھا اس کے ساتھ اس کی رُکھی بھی تھی۔ اس رُکھی نے بھی سوال کیا، اور سوال مرد کے ماں باپ دونوں کے بارے میں تھا۔ اس کی تائید اس روایت سے نکلتی ہے جو ابویعلیٰ نے بسند قوی فضل بن عباسؓ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ: میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تسلیم کرتے پیچھے سوار تھا، ایک اعرابی آیا، اس کے ساتھ حسین و جمیل رُکھی بھی تھی۔ وہ اعرابی اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس نیت سے پیش کر رہا تھا کہ آپ اس سے نکاح کر لیں گے۔ اور میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا سر پکڑ کر دوسری طرف پھیر دیا، اس صورت میں اس جوان عورت کا یہ کہنا کہ میرے باپ کے ذمہ الحامیہ نامی اس سے مراد دادا ہوگا کیونکہ اس کا باپ تو اس کے ساتھ ہی تھا۔ غالباً اس شخص نے رُکھی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنے کو کہا ہوگا۔ تاکہ آپ اس کی بات سنیں اور اسے دیکھ لیں، امید یہ ہوگی کہ آپ اس سے نکاح کر لیں گے۔ جب آپ نے اس کو

فلما آتی بطن محمدر حرک فاقته واسر السیر۔

توجہ :- پس جب بطن محمدر پہنچے تو اوٹنی کو تحریک کی اور رفتار تیز کر دی۔

پسند نہ فرمایا تو اس نے اپنے باپ کے بارے میں خود بھی دریافت کیا ہوگا۔ اور کوئی مانع نہیں کہ اس شخص نے اپنی والدہ کے بارے میں بھی سوال کیا ہوگا۔

اور میرے نزدیک ان دونوں کے درمیان بہتر تطبیق یہ ہے کہ مذکورہ لڑکی اپنے باپ کیساتھ نہیں بلکہ اپنے چچا کے ساتھ ہوگی۔ کیونکہ ابوعلی کی مندرجہ بالا ایک روایت میں اس کی لڑکی کے لفظ کو مجاز پر محمول کرنا زیادہ آسان ہے، بہ نسبت اسی کے کہ بہت سی مختلف روایتوں میں جو لڑکی کے سوال میں میرے باپ کا لفظ مذکور ہے اسے ہر جگہ مجاز پر محمول کیا جائے۔ حاصل یہ ہوا کہ لڑکی نے اپنے باپ کے بارے میں سوال کیا تھا۔ اور اس کے چچا نے اپنی والدہ کے بارے میں۔ مزید یہ کہ حافظہ کے قول کے مطابق جب وہ شخص اپنے باپ کے بارے میں دریافت کر چکا تھا تو دوبارہ اسی کے بارے میں لڑکی کے سوال کی ضرورت نہیں رہ جاتی، اتنی میں الودع مختصراً۔

پس جب بطن محمدر پہنچے تو اوٹنی کو تحریک کی اور رفتار تیز کر دی۔

بطن محمدر میں سواری کو تیز کرنا | مسلم اور ابو داؤد کے الفاظ حضرت جابر کی طویل حدیث میں یہ ہیں یہاں تک کہ بطن محمدر پہنچے تو تھوڑی سی تحریک کی۔ اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے: واوٹنی محمدر میں واوٹنی کو دوڑایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ میری امت کو مجھ سے مسائل چھ سیکھ لینے چاہئیں شاید کہ اس سال کے بعد ان سے نمل سکوں (رق) جن مقامات میں اللہ کے دشمنوں پر اللہ کا عذاب نازل ہوا وہاں آپ کی یہی عادت مبارکہ تھی کہ تیزی کے ساتھ وہاں سے گذر جاتے تھے، واوٹنی محمدر میں اصحاب فیل پر وہ عذاب نازل ہوا تھا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ فیل میں کیا ہے اور اسی مناسبت سے اسے محمدر کہتے ہیں کہ یہاں ہاتھی آگے چلنے سے عاجز ہو کر گر گئے تھے۔ اور مقام حجر اور دیار ثمود میں گذرتے ہوئے بھی آپ نے یہی کیا تھا کہ کپڑے سے چہرہ اور ہاتھ پاک لیا اور رفتار تیز کر دی۔

اور محمدر منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان برزخ ہے، نہ اس میں شامل ہے محمدر کی وجہ تسمیہ | نہ اس میں نہ کذا فی البدیہی۔ اور شرح کباب میں ہے کہ محمدر میں تیز چلنا ائمہ

اربعہ کے نزدیک مستحب ہے، خواہ سواری پر ہو یا پیدل۔ اور اس کا نام مختار اس لئے ہے کہ لمحق یہاں رک گئے تھے۔ یا اس لئے کہ یہاں شیطان نے بعد حسرت وقوف کیا تھا، اھ اور زرقانی شرح مواہب میں لکھتے ہیں کہ مختار بضم میم وقع حائے ہمد و کسرین مشدہ ہمد۔ منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان ایک جگہ ہے اور اسنوی کہتے ہیں کہ یہاں سے تیز گزرنے کی وجہ یہ ہے کہ بقول رافعی نصاریٰ یہاں وقوف کیا کرتے تھے۔ اور بقول وسطیٰ عرب یہاں ٹھہرتے تھے، ہمیں ان کی مخالفت کا حکم کیا گیا۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اس کی حکمت کے بارے میں مجھے ایک اور بات ظاہر ہوئی ہے وہ یہ کہ یہاں اصحاب فیل پر غزائے نابل ہوا تھا یہ ایک قول ہے مگر صحیح قول اس کے خلاف ہے کیونکہ اصحاب فیل حرم مکہ میں داخل نہیں ہو سکے بلکہ حرم کے قریب ہلاک ہوئے۔ دراصل یہاں ایک آدمی نے شکار کیا تھا، آسمان سے آگ نازل ہوئی اور اس شکاری کو خاکستر کر ڈالا۔ اسی لئے اہل مکہ اس مقام کا نام ”وادی مارکتے“ میں ڈاھ اور نووٹی نے صرف قصہ اصحاب فیل ہی کو وجہ تسمیہ میں ذکر کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: یہ نام یوں پڑا کہ اصحاب فیل یہاں تک کہ عاجز رہ گئے تھے، اھ اور ابن حجر نے شرح مناسک نووی میں اس مقام میں تیز رفتاری کے وجہ بسط سے بیان کئے ہیں۔ اور وہ فرماتے ہیں کہ اصحاب فیل پر غزائے نازل تو اُس جگہ ہوا تھا جو عذہ کے محاذی ہے۔ اور جسے مغنس [دوسری میم کے فتح کے ساتھ اور کبھی کسور بھی پڑھی جاتی ہے] کہا جاتا ہے۔ بلکہ معروف یہ ہے کہ اصحاب فیل حرم میں داخل ہی نہیں ہونے پائے تھے، جیسا کہ ابن اثیر نے جزم کے ساتھ ذکر کیا ہے: الخ۔

ان معروف روایات کے جن میں وادی مختار میں تیز چلنا مذکور ہے، وہ روایت منافی نہیں جو ابو ذر نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت سکون کے ساتھ عذہ سے چلے، الحدیث۔ اسی میں عذہ سے چلنے کے بعد کا قصر یوں نقل کیا ہے کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے فضل بن عباسؓ کو سوار کیا اور ارشاد فرمایا: اسے لوگوں گھوڑے اور اونٹوں کو دوڑانا کوئی ٹنکی نہیں، پس سکون کو لازم پکڑو۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں پس میں نے آپؐ کی اذنی کو قدم اٹھاتے (یعنی دوڑتے) ہوئے نہیں دیکھا، بظاہر یہ حدیث ان احادیث کے خلاف ہے جن میں وادی مختار میں تیز رفتاری کا ذکر ہے۔ نووی شرح ہندب میں لکھتے ہیں کہ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس حدیث میں یہ تصریح نہیں کہ آپؐ نے مختار میں بھی تیز رفتاری کو

حتیٰ اتی جمرۃ العقبة فرماھا را کبا

توجہ ۱۔ یہاں تک کہ جمرۃ عقبہ کے پاس پہنچے۔ پس سوار ہوئی حالت میں جمرۃ عقبہ کی رمی کی۔
 ترک فرمایا تھا۔ لہذا یہ حدیث ان احادیث کے معارض نہیں جن میں تیز رفتاری کی تصریح ہے۔ دوسرے
 یہ کہ اگر اس میں تیز رفتاری کے ترک کی تصریح بھی ہوتی تب بھی تیز رفتاری کے ثبوت کی روایات و وجہ
 سے مقدم تھیں۔ ایک یہ کہ ان میں اثبات ہے اور وہ نفی پر مقدم ہے۔ دوسری یہ کہ وہ کثرۃ رواۃ و محبت
 سند و شہرت میں اس سے بڑھ کر ہیں۔ لہذا وہ مقدم ہوں گی۔

یہاں تک کہ مثلیٰ اگر جمرۃ عقبہ کے پاس پہنچے،
 جمرۃ عقبہ کے پاس آنحضرتؐ کس جگہ کھڑے ہوئے | پس وادی کے نشیب میں کھڑے ہو کر جمرہ کا

استقبال کیا۔ یاں طور کہ بیت اللہ بائیں جانب اور منیٰ دائیں جانب تھا۔ کذا فی الہدیٰ۔ اور اس
 ہیئت سے کھڑا ہونا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مستحب ہے۔ جیسا کہ اس کی تفصیل ان کی کتب فقہ سے اوجز
 میں ذکر کی گئی ہیں۔ اور حنا بلہ کے نزدیک مستحب ہے کہ منہ قبلہ کی طرف ہو، اور اوجز میں حافظ سے نقل کیا
 ہے کہ کسی جگہ سے رمی کرے جائز ہے خواہ جمرہ کی طرف منہ ہو یا وہ دائیں جانب ہو یا بائیں جانب۔
 اور اوپر سے رمی کرے یا اس کے نیچے سے۔ اختلاف صرف اس میں ہے کہ افضل کیا ہے؟

رق در آنجا ایکد آپ اوشنی پر سوار تھے۔ پس سوار ہونے کی حالت میں جمرہ عقبہ کی رمی کی۔ کذا فی الہدیٰ
 اور یہ بہت سی روایات میں معروف ہے۔ اور البدایہ والنہایہ میں یہ ہے کہ ابن ماجہ میں ائمہ جندب روایت
 ہے وہ فرماتی ہیں: ”میں نے یوم النحر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمرۃ عقبہ کے پاس دیکھا اور آنجا ایکد آپ حجر
 پر سوار تھے۔ الحدیث“ اور یہاں حجر کا ذکر بہت ہی غیر معروف ہے۔

باقی رمی کا حکم؟ تو جمہور کے نزدیک یہ واجب ہے اگر اسے ترک کر دیا تو دم سے اس کی
 رمی کا حکم | اتلافی ہوگی۔ اور مالکیہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے اس لئے اس کی تلافی کی جائیگی اور مالکیہ
 سے ایک روایت یہ ہے کہ جمرۃ عقبہ کی رمی رکن ہے اس کے ترک سے حج باطل ہو جائے گا۔ اور اس کے
 مقابل بعض کا قول ہے کہ رمی صرف تکبیر کی یادداشت کے لئے ہے۔ جیسا کہ تکبیر بوقت رمی کی مباحث
 میں آگے آتا ہے۔ تفصیل اوجز میں ہے۔

لہ کذا فی الفتاویٰ الشیخ

بعد طلوع الشمس ————— ترجمہ: طلوع آفتاب کے بعد۔

اور جن میں ابن سنی پر تفصیل سے لکھا ہے ان دونوں صورتوں کے
 رمی پیدل ہو یا سواری پر؟ جواز پر آئمہ اربعہ کا اجماع نقل کرنے کے بعد افضلیت میں اختلاف کا
 ذکر کرتے ہوئے موفق سے نقل کیا ہے کہ: "نافع کہتے ہیں ابن عمرؓ یوم النحر کو جمرہ عقبہ کی رمی اپنی سواری پر کیا
 کرتے تھے اور باقی تمام ایام کی رمی پیدل ہی کرتے تھے۔ اور وہ اس عمل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
 منسوب کرتے تھے" اس روایت جمرہ عقبہ کی رمی اور دیگر جہرات کی رمی کے درمیان فرق ثابت ہوتا ہے یہ
 فودی اپنے مناسک میں جمرہ عقبہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر منی میں سواری پر آیا ہو تو
 اس کی رمی سواری پر کرے۔ اور ایام تشریق کے پہلے دونوں کی رمی پیدل مستحب ہے۔ اور میسرے
 دن کی سواری ہو کر ابن حجر کہتے ہیں کہ یہی معتد ہے۔ اور درمیر لکھتے ہیں: "اور منی میں پہنچتے ہی جمرہ عقبہ
 کی رمی مستحب ہے خواہ سواری ہو کر ہو۔ اور دیگر جہرات کی رمی پیدل کرنا مندوب ہے" آہ۔ دوسری اس کی
 شرح میں لکھتے ہیں: یعنی مستحب یہ ہے کہ منی پہنچتے ہی جس حالت میں پہنچا ہو، خواہ سواری ہو کر یا پیدل، نکالت
 یہی ہی کرے: "انتہی مختصراً۔" راجح فیہ کا مذہب؟ توضیح قدس سرہ کوکب میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی
 اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر کی رمی سواری ہونے کی حالت میں کی یہ ہمارے نزدیک اگرچہ جائز ہے مگر خلاف
 اولیٰ ہے۔ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سواری پر ہونے کا غرض وہی ہے جو آپ کے سواری
 کی حالت میں طواف کرنے کا ہے کہ لوگ رمی کا طریقہ دیکھ لیں۔ یعنی رمی کرنے والا جہرات سے کتنی
 دور رکھا ہو، کنکریوں کی مقدار کتنی ہو، اور کس جانب کھڑا ہونا چاہیے؟ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وسلم نے پہلے دن کی رمی میں ان امور کو بیان فرمادیا تو اس کے بعد سواری ہو کر رمی نہیں کی۔ اور اس کے حاشیہ
 میں ہے کہ شیخ کا یہ ارشاد فقہ حنفی کے تین اقوال میں سے ایک کے مطابق ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ پیدل ہی
 کرنے میں کمال نضر ہے نیز اس صورت میں لوگوں کی ایذا کا خطرہ نہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سواری ہو
 کر رمی کرنا مطلقاً افضل ہے۔ اور میسرے قول یہ ہے کہ جس رمی کے بعد رمی ہو اس میں پیدل رمی کرنا
 افضل ہے۔ ورنہ سواری ہو کر حضرت شیخؒ کے نزدیک پہلا قول مختار ہے۔ نیز آپ نے اپنے رسالہ کربۃ
 المناسک میں بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: "اور پیدل رمی کرنا اولیٰ ہے۔ جیسا کہ ابن ہما
 کا مختار ہے" آہ۔

طلوع آفتاب کے بعد یوم نحر کی رمی کے وقت میں آئمہ کا اختلاف و ضعف کو مزید دفع سے قبل

از وقت بھیجئے کی بحث میں گزر چکا ہے۔

جمرو کے پاس اٹھائی ہوئی کنکریوں سے می کرنا | ابن عربی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عباسؓ نے مقام رمی سے اٹھائی تھیں؛ احد ابن عربی کا یہ قول انس روایت کے خلاف ہے جو پہلے گذر چکا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ نے ان کو راستہ سے کنکریاں اٹھانے کا حکم کیا تھا۔ جو کنکریاں موضع رمی سے اٹھائی جائیں ان سے رمی کرنے پر اوجیز میں خوب بسط سے کلام کیا ہے۔ اوجیز میں ہے کہ موقوف کہتے ہیں: رمی کی کنکریاں راستے سے اٹھائے یا مزدلفہ سے، اور یہ اس لئے مستحب ہے کہ منیٰ گننے کے بعد رمی سے پہلے کسی چیز میں مشغول نہ ہو، کیونکہ جس طرح مسجد حرام کا تختہ طواف ہے اسی طرح منیٰ کا تختہ رمی ہے۔ اور امام شافعیؒ نے اس کو مستحب قرار دیا ہے۔ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ کنکریاں جہاں سے چاہو اٹھاؤ اور یہی صحیح تر ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ کیونکہ ابن ماجہ کی حدیث ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ کی صبح کو، جب کہ آپؐ اپنی اوشنی پر سوار تھے، مجھ سے فرمایا کہ میرے لئے کنکریاں اٹھاؤ۔ پس میں نے سات کنکریاں اٹھائیں۔ الحدیث۔ اور یہ منیٰ کا قصہ ہے اور اس میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں کہ جہاں سے اٹھالے کفایت کریں گی، انتہی۔

اور نووی شرح منہب میں لکھتے ہیں: ہمارا مذہب یہ ہے کہ رمی کے لئے کنکریاں اٹھانا مزدلفہ کے درمیان مستحب ہے اور حضرت عطاءؒ امام مالکؒ، اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جہاں سے چاہے اٹھالے، ابن منذرؒ کہتے ہیں: اس امر میں علماء کے درمیان کسی اختلاف کا مجھے علم نہیں کہ جہاں سے بھی اٹھالے کفایت کریں گی، انتہی۔ اور اوجیز میں درود سے نقل کیا ہے کہ رمی کے لئے جہاں سے چاہے کنکریاں اٹھالے۔ البتہ جمرہ عقبہ کے لئے مزدلفہ سے اٹھانا مستحب ہے، احد اور ابن عابدؒ کہتے ہیں کہ: مستحب یہ ہے کہ جمرہ عقبہ کے لئے مزدلفہ سے یا راستہ سے سات کنکریاں اٹھالے۔ اور ان سات کے علاوہ کے لئے ہمارے نزدیک کوئی مخصوص جگہ مقرر نہیں، انتہی ملخصاً۔ اور ہادیہ میں ہے کہ: جہاں سے چاہے کنکریاں اٹھالے، مگر جمرہ کے پاس سے نہ لے۔ کہ یہ مکروہ ہے۔

واحدۃ بعد واحدۃ یکبر مع کل حصۃ

ترجمہ: یکے بعد دیگرے ایک ایک کنکری مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے۔

کیونکہ حجرہ کے پاس کی کنکریاں غیر موصول ہوتی ہیں، حدیث میں یونہی آتا ہے، اس لئے وہاں سے اٹھانے میں ہشگوئی ہے۔ تاہم اگر کوئی ایسا کرے تو کفایت کرے گا۔ کہ فعل رمی بہر حال پایا گیا۔ اور اور موافق لکھتے ہیں: اگر موضع رمی سے کنکریاں اٹھا کر رمی کی تو اس کو کفایت نہیں کرے گی، اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس کو کفایت کرے گی، کیونکہ یہ بھی کنکریاں ہیں۔ لہذا عموم میں داخل ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر موضع رمی سے کنکریاں لی تھیں۔ اور آپ نے فرمایا تھا: مجھ سے اپنے مناسک حاصل کر لو، اور اجز میں اس پر مفصل کلام کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ابن حزم کا یہ قول مردود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کنکریوں سے رمی کی تھی۔ جو عبداللہ بن عباسؓ نے مقام رمی سے اٹھائی تھیں۔ علاوہ انہیں دونوں اقوال کے درمیان یہ تطبیق ممکن ہے کہ مزدلفہ سے جو کنکریاں لی تھیں شامدان میں سے کوئی حضرت فضلؓ سے گر گئی ہوگی۔ اس کے بدلہ میں آپؐ نے موقف سے یعنی جہاں آپؐ بطن وادی میں کھڑے تھے وہاں سے اٹھانے کا حکم فرمایا ہوگا۔ یہ نہیں کہ جہاں رمی کی کنکریاں گرتی ہیں وہاں سے اٹھانے کا حکم فرمایا ہو۔ ملا۔ اجز میں بہت ہی بسط لکھا ہے

رمی کے متعلق ساجشیں | یکے بعد دیگرے ایک ایک کنکری مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے۔ کذانی الہدی۔ اور اجز میں سائل رمی پر خوب بسط سے کلام

کیا ہے جس میں تقریباً بیس ابحاث ذکر کی ہیں۔ سات بخشیں اس مقام سے متعلق ہیں۔ اول: تکبیر کے وقت رفع یدین کا حکم۔ دوم: تکبیر کس وقت کہی جائے۔ رمی کے ساتھ یا رمی کے بعد؟ ائمہ اربعہ کے نزدیک رمی کے ساتھ تکبیر کہنا مختار ہے۔ جیسا کہ اجز میں ان کی کتب فقہ سے نقل کیا ہے۔ سوم: اس تکبیر کا حکم؟ حافظ کہتے ہیں: اس پر ان کا اجماع ہے کہ جو شخص تکبیر ترک کر دے اس کے ذمہ کچھ لازم نہیں۔ البتہ امام نووی کا قول ہے کہ تارک تکبیر کھانا کھلائے اور اگر دم کے ذریعہ اس کی تلافی کر لے تو میرے نزدیک اور بھی اچھی بات ہے۔ اھ۔ چہاں ہم الفاظ تکبیر۔ اور اجز میں فروع ائمہ سے اس کے کئی الفاظ نقل کئے ہیں مثلاً بِسْمِ اللّٰهِ، اللّٰهُ اَكْبَرُ اور اللّٰهُ اَكْبَرُ کَبِيرًا وغیرہ، پنجم: اگر تکبیر کے بجائے تسبیح کہے تو مضائقہ نہیں۔

ششم: ایک ایک کنکری پھینکتا ہاں ہی ساتوں کنکریاں ایک ہی بار پھینک دینا حکم | بحث اصل مقصود ہے اور اجز میں اس پر بھی خوب بسط سے لکھا ہے۔ موثق کہتے ہیں: اگر بہت سی کنکریاں ایک ہی دفعہ پھینک دیں تو صرف ایک سمجھی جائے گی۔ امام احمد نے اس کی تصریح کی ہے۔ اور یہی امام مالک، امام شافعی اور اصحاب سائے کا قول ہے۔ اور عطار کہتے ہیں کہ اگر ساری ایک ہی دفعہ پھینک دیں تو کفایت کریں گی؟ میں کہتا ہوں کہ حافظ نے حذیفہ کا قول جو عطار کے موافق نقل کیا ہے یہ صحیح نہیں۔ حنفیہ کی کتابوں میں معروف وہی ہے جو موثق نے نقل کیا ہے۔

ہفتم: جواز میں بحث دوم کے ضمن میں ذکر کی گئی ہے۔ وہ رمی کے بجائے دست تکبیر کہہ لینا | یہ کہ طبری نے بعض کا قول نقل کیا ہے کہ اگر کوئی کنکری نہ پھینکے بلکہ ہر حجرہ کے پاس سات مرتبہ تکبیر کہتا رہے تب بھی کافی ہے۔ ان صاحب کا کہنا ہے کہ کنکریاں پھینکنا دراصل سات تکبیروں کی یادداشت کے لئے ہے، جیسا کہ تسبیحات میں انگلیاں بند کرنا محض گنتی یاد رکھنے کے لئے ہے۔ پوہی بحث اجز میں دیکھئے امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک باب کا عنوان یہ قائم کیا ہے: باب یکتر تکبیر کل حصاة میرے نزدیک اوجہ یہ ہے کہ اس عنوان سے مقصود اس قول کی تردید ہے۔ چنانچہ میں نے تراجم بخاری میں اس کو بیان کیا ہے۔

رق: اور حضرت بلالؓ اور حضرت اسامہؓ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ایک نے آپؐ کی اوٹنی کی مہار تھام رکھی تھی۔ دوسرے صاحب آپؐ کو دھوپ سے بچانے کے لئے کپڑے سے سایہ کر رہے تھے۔ اگر یہ یوم نحر کا قصہ ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ محرم کے لئے کجاوہ وغیرہ کے سامنے میں بیٹھنا جائز ہے۔ اور اگر یہ ایام منی میں سے کسی اور دن کا قصہ ہے تو مسئلہ مذکورہ کی دلیل نہیں۔ اور حدیث میں یہ ذکر نہیں آتا کہ یہ کس وقت کا قصہ ہے۔ کذا فی المبدی وشن الضحرم کے سامنے میں بیٹھنے کا مسئلہ اختلافی ہے اس کا بیان رسالہ کے ابتدائی صفحات میں آچکا ہے۔ جہاں یہ بحث آئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوٹنی پر حج کیا۔ اور مشکوٰۃ شریف میں روایت مسلم امام حصینؒ سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ: میں نے اسامہؓ و بلالؓ کو دیکھا کہ ان میں سے ایک آپؐ کی اوٹنی کی مہار تھامے ہوئے تھے۔ اور دوسرے اپنے کپڑے سے آپؐ کو سایہ کر رہے تھے۔ یہاں تک

کہ آپ جبرہ عقبہ کی رمی سے نارغ ہو گئے۔ یہ حدیث اسی لفظ سے ابو داؤد میں بھی آئی ہے۔ تلا علی قارئی کہتے ہیں اول سے مراد بظاہر بلالؓ ہیں اور دوسرے سے اسامہؓ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ نسائی میں اسی حدیث کی روایت ہیں اس کی تصریح موجود ہے۔ روایت کے لفظ یہ ہیں: آپس میں نے بلالؓ کو دیکھا کہ آپؐ کی اونٹنی کی ہار تھامے ہوئے ہیں۔ اور اسامہ بن زیدؓ آپؐ پر کپڑے سے سایہ کر رہے ہیں۔ اور آپؐ احرام کی حالت میں تھے۔ یہاں تک کہ آپؐ نے جبرہ عقبہ کی رمی کی: الخ اس میں آپؐ کے محرم ہونے کی بھی تصریح ہے۔ جس سے اس بات کی تعمین ہو گئی کہ یہ قصہ یوم نحر کا ہے۔ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ابو داؤد میں عمرو بن احوص کی اپنی والدہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر بطن وادی سے جبرہ کی رمی کر رہے تھے۔ اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے تھے۔ ایک آدمی پیچھے سے آپؐ کو پردہ کر رہا تھا۔ میں نے اس شخص کا نام دریافت کیا تو لوگوں نے بتلایا کہ یہ فضل بن عباسؓ ہیں: الخ شیخ بذل میں اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ حدیث امام احمد نے مفصل ذکر کی ہے۔ اور اس کے سیاق سے یہ اشکال حل ہو جاتا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ بطن وادی سے جبرہ عقبہ کی رمی کر رہے تھے۔ اور آپؐ کے پیچھے ایک آدمی آپؐ کو لوگوں سے پردہ کر رہا تھا۔ کہ کہیں کوئی پتھر آپؐ کو نہ لگے: الخ تو اب صورت یہ ہوئی کہ حضرت فضلؓ تو آپؐ کو پیچھے سے پردہ کئے ہوئے تھے، تاکہ آپؐ کو پیچھے سے آنے والی کنکریوں سے بچائیں۔ اور حضرت اسامہؓ اپنے کپڑے سے آپؐ کے سر مبارک پر دھوپ سے سایہ کر رہے تھے۔ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ دونوں قصے دو الگ الگ آیام کے ہوں مگر اتم حصینؓ کی حدیث کا واقعہ معین طور پر یوم نحر کا ہے۔ کیونکہ نسائی کی روایت میں آپؐ کے محرم ہونے کی تصریح ہے اور زرقانیؒ نے یوں تطبیق دی ہے کہ ممکن ہے دونوں باری باری سایہ کر رہے ہوں۔ اور دیکھ سے منی اجلنے کی بحث میں گذر چکا ہے کہ بلالؓ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس پر کپڑا لٹکا کر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سایہ کر رہے تھے۔

و لہر یزل یلی الی اول حصہ، ثم رجع الی منی فخطب خطبۃ توجہ: اور پہلی کنکری تک آپ برابر تبلیہ پڑھتے رہے، پھر منی کی طرف لوٹے اور ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔

اور پہلی کنکری پھینکنے تک آپ برابر تبلیہ پڑھتے رہے۔ یہ مشہور حاجی تبلیہ کتب کرنے کا

اختلافی مسئلہ ہے جو اوجز میں بسط کے ساتھ لکھ چکا ہوں۔ اس کا اجمالی خلاصہ حاشیہ الامع میں مذکور ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حاجی تبلیہ کب ختم کرے؟ بخاری کی حدیث میں حضرت فضلؓ اور حضرت اسامہؓ دونوں کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمی جمرہ عقبہ تک برابر تبلیہ کہتے رہے یہ جمہور کے قول کی۔ جن میں امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بھی شامل ہیں۔ دلیل ہے کہ جمرہ عقبہ کی رمی تک تبلیہ کہنا ہے۔ البتہ اس میں ان کا اختلاف ہے کہ پہلی کنکری کے ساتھ بند کر دے یا رمی بعدی کرنے کے بعد، جمہور پہلی صورت کے قائل ہیں۔ اور امام احمدؒ اور بعض اصحاب شافعیؒ دوسری صورت اور ایک گروہ کا قول ہے کہ محرم حب حرم میں داخل ہو جائے تو تبلیہ بند کر دے۔ لیکن جب مکہ سے عرفہ کی طرف نکلے تو دوبارہ تبلیہ شروع کر دے۔ ابن عمرؓ کا یہی مذہب ہے۔ اور ایک گروہ کا قول ہے کہ جب عرفات میں موقف کی طرف چلے تو تبلیہ بند کر دے۔ امام مالکؒ اسی کے قائل ہیں۔ اور انہوں نے اس کو یوم عرفہ کے زوال آفتاب کے ساتھ مقید کیا ہے۔ پوری تفصیل اوجز میں دیکھی جائے۔

پھر منی کی طرف لوٹے اور ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس خطبہ میں آئمہ خطبہ یوم نحر کا اختلاف یوم الترویہ کے ذیل میں گذر چکا ہے۔ چنانچہ شافعیہ و حنابلہ اس کے قائل ہیں۔ اور حنفیہ و مالکیہ اس کے قائل نہیں بلکہ وہ اسے وصایا عامہ پر محمول کرتے ہیں یعنی

”یہ بات بڑے دثوق سے کہی ہے کہ خطبہ وصایا عامہ کے باب سے مختار نہ کہ مناسک حج سے“ اور شیخ بذل میں فرماتے ہیں کہ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ خطبہ مذکورہ متعلقات حج سے نہیں تھا کیونکہ احکام حج میں سے اس میں کوئی بات نہیں بیان فرمائی گئی۔ اس میں صرف وصایا عامہ ذکر فرمائے۔

اور کسی نے یہ نقل نہیں کیا کہ آپؐ نے اس خطبہ میں یوم نحر سے متعلق کوئی حکم بیان فرمایا ہو جس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ یہ خطبہ حج کی خاطر مقصود نہیں تھا اور ابن قسار کہتے ہیں: یہ خطبہ آپؐ نے ان مضامین کی تبلیغ کی خاطر ارشاد فرمایا تھا۔ جو اس میں ذکر کئے گئے ہیں کیونکہ دنیا کے دور دورہ لوگوں

سے بہت ساجھ جمع تھا۔ دیکھنے والوں نے بول گمان کیا کہ آپؐ نے خطبہ دیا: اھ ان حضرات کا یہ کہنا کہ یہ خطبہ وصایا عامہ کے قبیل سے تھا اس کی تائید ان مضامین سے ہوتی ہے جو شیخ ابن قیمؒ نے اس خطبہ کے ضمن میں نقل کئے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ”آپؐ نے لوگوں کو ایک مبلغ خطبہ دیا جس میں یومِ شکرِ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حرمت اور تمام شہروں کے مطالبے میں مکہ مکرمہ کی عزت و حرمت بیان فرمائی۔ اور حکم فرمایا کہ ہر وہ شخص جو کتاب اللہ کے مطابق تمہاری قیادت کرے اس کی سمیع و طاعت بجا لاؤ۔ اور لوگوں کو ارشاد فرمایا کہ وہ اپنے مناسک چھ سیکھ لیں۔ اور ارشاد فرمایا کہ شاید میں اس سال کے بعد حج نہیں کروں گا۔ ان کو احکام حج کی تعلیم فرمائی۔ ہاجرین و انصار کے لئے ان کے منازل تجویز فرمائے۔ لوگوں کو حکم فرمایا کہ وہ آپؐ کے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جائیں کہ ایک دوسرے کا کلا کاٹنے لگیں۔ آپؐ نے حکم فرمایا کہ حاضرین نے جو کچھ سنا ہے، آپؐ کی جانب سے مان لوگوں کو جو یہاں موجود نہیں، پہنچا دیں اور آپؐ نے بتایا کہ بیت سے لوگ جن کو احکام پہنچائے جائیں۔ سننے والے سے زیادہ محفوظ کرنے والے ہوتے ہیں۔ اور آپؐ نے خطبہ میں یہی ارشاد فرمایا کہ ہر مجرم کا جرم صرف اسی کی ذات پر عائد ہوگا کہ کسی دوسرے سے اس کی بات پس نہیں ہوگی، اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے لئے لوگوں کے کان کھول دیئے۔ یہاں تک کہ اہلِ منیٰ اپنی اپنی جگہ پر آپؐ کا خطبہ سن رہے تھے اور آپؐ نے اپنے اسی خطبہ میں فرمایا: ”اپنے رب کی عبادت کرو۔ نماز پجکانہ ادا کرو۔ ماہ مبارک کے روزے رکھو۔ اپنے اولوالاہر کی اطاعت کرو، اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے“ اور آپؐ نے اس وقت لوگوں کو ابوداع کہی۔ اس لئے اس کا نام ”حجۃ ابوداع“ ہوا۔“

(رض)، اور اسی خطبہ میں آپؐ نے ایک دوسرے کے نمونہ مال اور ابرو کی حرمت بیان فرمائی۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ وارث کے لئے وصیت نہیں جیسا کہ زبیری میں ہے اور یہ بھی فرمایا کہ زمانہ گھوم کر اپنی اصل ہیئت پر آ گیا ہے۔ سال کے بارے میں جیسے ہیں۔ جن میں چار حرمت کے جیسے ہیں: ”اور اس میں یہ بھی فرمایا۔ اور عنقریب تم اپنے رب کے سامنے جاؤ گے، وہ تمہارے اعمال کے بارے میں دریافت فرمائیں گے۔ دیکھو میرے بعد گمراہ نہ ہو جائیو، الخ جیسا کہ روایات میں معروف ہے۔ اور یہ بھی تین بار فرمایا: ”دیکھو! کیا میں نے پہنچا دیا ہے؟“ اور فرمایا: ”سنو! جو حاضر ہیں وہ ان کو پہنچا دیں جو حاضر نہیں! الخ کنانی الطبقات۔ اور آپؐ نے مسیح و جال کا بھی ذکر فرمایا۔ اور بڑا طویل بیان فرمایا۔

یہ روایت بخاری باب حجۃ الوداع میں موجود ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی وصیتیں فرمائی ہیں۔ جو بہت سی کتب احادیث میں بالخصوص طبقات ابن سعد میں وارد ہوئی ہیں۔ اور اس سے زیادہ البزازی و النہایہ میں ہیں، پس یہ تمام روایات دلالت کرتی ہیں کہ اس خطبہ میں وصایا عامہ ذکر فرمائی تھیں۔ اسی بنا پر امام طحاوی فرماتے ہیں، جیسا کہ زر قانی نے ان سے نقل کیا ہے کہ اس خطبہ کے کسی راوی ابن عمرؓ، ابن عباسؓ اور ابی بکرؓ وغیرہ نے یہ ذکر نہیں کیا کہ آپؐ نے کسی ایسی چیز کی تعلیم فرمائی جو جس کا تعلق یومِ نحر ہے۔

اور زر قانی یہ بھی کہتے ہیں کہ بیہقی میں حضرت ابن عمرؓ کی حدیث سے
سورۃ النصر کا نزول | بسند ضعیف اس وداع کا سبب مذکور ہے اس کے لفظ یہ ہیں کہ: **اَخْرَجَتْ**

صلی اللہ علیہ وسلم پر اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَسُطِ اَيَّامُ تَشْرِيقٍ میں نازل ہوئی اور آپؐ نے پہچانا کہ یہ پیغام وداع ہے، پس آپؐ نے اپنی قصوٰ نامی اونٹنی کو تیار کرنے کا حکم فرمایا، پس تیار کی گئی۔ پس آپؐ سوار ہوئے، اور عقبہ میں ٹھہرے اور لوگ آپؐ کے گرد جمع ہو گئے۔ پس آپؐ نے فرمایا اے لوگو! اس کے بعد حدیث کے مضامین وہی ہیں جو اوپر ذکر ہوئے، اور یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ یہ خطبہ یومِ نحر میں نہیں۔ بلکہ ایامِ تشریق میں ہوا تھا کیونکہ یہ خطبہ سورۃ النصر کے نزول کے بعد تھا۔ اور سورۃ النصر وسط ایامِ تشریق میں نازل ہوئی سورۃ النصر کے زمانہ نزول میں بعد ایت مختلف ہیں کہ آیا اس کا نزول وصال نبوی سے ایک سال پہلے ہوا تھا یا دو سال پہلے اور یہ کہ اس کا نزول مکہ میں ہوا یا مدینہ میں؟ ان روایات کی تفصیل درنثور میں ہے۔ مندرجہ بالا روایت جو زر قانی نے نقل کی ہے علامہ سیوطی نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس کی تخریج ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، بزاز، ابویعلیٰ، ابن مردودہ، اور بیہقی نے دلائل نبوت میں ابن عمرؓ سے کی ہے۔ اور ایامِ منیٰ کے ذیل میں بھی وسط ایامِ تشریق میں اس کے نازل ہونے کا بیان آئے گا۔

حضرت شیخ ذیل میں فرماتے ہیں کہ مولانا محمد یحییٰ نے اپنے شیخ نور اللہ مرتضیٰ کے افادات میں تحریر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات حج کے سلسلہ میں روایات مختلف ہیں۔ اور ظاہر یہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی دن خطبہ دیا۔ بلکہ ساتویں تاریخ سے ختم مناسک تک تمام ایام میں خطبہ دیا۔ اور اس میں کوئی مضائقہ کی بات نہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت سے یہی

ظاہر ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو ہر وقت وعظ و تذکر فرماتے تھے، خصوصاً ان دنوں میں وہ وعظ نصیحت کے بہ نسبت دیگر اوقات کے زیادہ محتاج تھے۔ اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں جمع بھی تھے۔ لہذا یہ مناسب نہیں کہ خطبات کی تمام روایات کو تین یا چار خطبوں کی طرف بلایا گیا جائے۔ اور ہمارے علماء احناف رحمہم اللہ کا یہ مذہب کہ امام مروجی الحجہ کو خطبہ دے پھر پھر پھر پھر کو تو اس کا مقصد لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرنا ہے۔ کیونکہ ان کے یومیہ اجتماع سے انہیں حرج لاحق ہوگا کہ انہیں ہر دن سامان اٹھانا اور چیزیں درست کرنا پڑے گی اور سامان کی حفاظت بہرہ و زان وصلیہ کے ہمارے علماء کا یہ مقصد نہیں کہ ان خطبات پر زیادتی کرنا منع یا بدعت ہے۔ واللہ اعلم۔ انتہی۔ پھر حنفی مذہب کے کیشخ ابن قیمؒ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ خطبہ بوقت چاشت ہوا، اور مناسب نودی میں ہے کہ ”امام کے لئے سنت ہے کہ اس دن نماز ظہر کے بعد خطبہ دے“ اور ابن حجر اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس پر امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب کا اتفاق ہے۔ مگر اس میں اشکال ہے کیونکہ احادیث میں تصریح ہے کہ یہ خطبہ یوم نحر کی چاشت کو ہوا نہ ظہر کے بعد۔ ابو داؤد میں بسند ثقاہت مروی ہے: ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ منیٰ میں شہباز نامی خچر پر چاشت کے وقت خطبہ دے رہے تھے۔“ مصنف نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ صحیح بخاری میں ابن عباسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبہ زوال کے بعد تھا کیونکہ اس روایت میں ہے کہ بعض سالکین نے عرض کیا کہ میں نے شام ہونے کے بعد رمی کی، اور شام کا اطلاق زوال کے بعد ہوتا ہے۔ اس لئے ابن عباسؓ کی روایت مقدم ہے کیونکہ وہ صحت و شہرت میں ابو داؤد کی روایت سے فائق ہے۔ اور علامہ سیکی نے یہ جواب دیا کہ ابو داؤد کی روایت میں جو خطبہ مذکور ہے وہ یوم نحر کا نہیں بلکہ گیارہ تاریخ کا خطبہ تھا چنانچہ طبقات ابن سعد میں عمرو بن یثربؓ سے ہی روایت اس طرح مروی ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم نحر سے اگلے دن کا خطبہ یاد رکھا ہے۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قصوانامی اونٹنی پر سوار تھے، اور وہ اس پورے خطبہ کو نقل کیا کرتے تھے۔

زر قانی کہتے ہیں کہ آپؐ نے شہباز نامی خچر پر خطبہ دیا۔
خطبہ خچر پر دیا تھا یا اونٹنی پر؟ علامہ قاریؒ کہتے ہیں کہ شہباز کے معنی ہیں جس کا رنگ سفید ہو
 اور اس میں تھوڑے سیاحی کی آمیزش ہو۔ اور زر قانی کہتے ہیں یعنی سفید رنگ جس کی سفیدی

قلت، وعلی رضی اللہ عنہ یعبر عنہ

ترجمہ: (رض) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجمانی کر رہے تھے۔

سیاہی پر غالب ہو۔ اور ابو داؤد کی کتاب اللباس کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ”اور سرخ چادر آپ کے زیب تن تھی“ یہ حدیث ابو داؤد نے رافع بن عمر المزنی سے اسی طرح روایت کی ہے۔ اور ابو داؤد ہی میں ہر اس بن زیاد سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: ”میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قہرانی کے دن منیٰ میں اپنی عضو بارہاؤشی پر خطبہ دے رہے تھے“ شیخ قدس سرہ بذل میں فرماتے ہیں کہ یہ رافع بن عمرو کی روایت، ہر اس کی روایت کے مخالف ہے لہذا ہر اس کی روایت کو خطبہ یوم نحر پر محمول کیا جائیگا، اور رافع بن عمرو کی حدیث خطبہ یوم النحر کے علاوہ کسی اور دن پر۔“

(رض) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجمانی کر رہے حضرت علی کا ترجمانی کرنا تھے۔ جیسا کہ زندقانی میں ہے۔ زندقانی کہتے ہیں ”یَعْبُرُ بَعْضُ أَهْلِ التَّحْقِیْقِ بَارِ- یعنی آپ کی آواز کو دور تک پہنچاتے تھے۔ جو ہری کہتے ہیں کہ جب کسی کی جانب سے گفتگو کرو تو اس کے لئے عَبْرَتْ عَنْ فُلَانٍ کہا جاتا ہے۔ اور زبان مافی الضمیر کی ترجمانی کرتی ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ آپ کی عبارت کی تفسیر و تشریح کرتے تھے۔ اس صورت میں یہ لفظ تعبیر خواہے ماخوذ ہوگا جس کے معنی ہیں تفسیر کرنا۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات لوگوں کو سمجھاتے تھے۔ یہ عَبْرَتْ الْکِتَاب سے ماخوذ ہوگا۔ لیکن پہلے معنی ظاہر بلکہ متعین ہیں ”اور مآل قاری کہتے ہیں: ”یعنی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز دور کے لوگوں کو پہنچاتے تھے۔ گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی دور کھڑے تھے جہاں تک آپ کی آواز پہنچ رہی تھی، اور وہ اسے سمجھ کر دور کے لوگوں کو کی نہ بادی کے بغیر سمجھا رہے تھے۔ اور ابن حجر کا یہ کہنا بے محل ہے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ اضافہ کر کے پہنچاتے تھے“۔ آہ۔

علامہ زندقانی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحابہ کے اس قول کے خلاف نہیں کہ ہم اسے کان کھل گئے تھے اور ہم اپنی اپنی جگہ آپ کی آواز سن رہے تھے۔ ”کیونکہ ممکن ہے کہ یہ خطبہ اس خطبہ کے علاوہ ہو کہ نبی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی بار خطبہ ہوئے، یا یہ کہا جائے کہ معجزہ صرف انہی لوگوں کے حق میں تھا جو اس مجلس میں موجود نہیں تھے۔ اور جو لوگ اس مجلس میں حاضر تھے وہ معتاد طریقے ہی سے سنتے

تھے۔ اس لئے بسا اوقات کوئی لفظ شعل کی وجہ سے سننے سے رہ جاتا تھا، یا بعض لوگ اس لغت سے ناواقف ہوں گے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے خطاب فرما رہے تھے۔ کیونکہ اس موقع پر مختلف قبائل سے بہت سی مخلوق جمع تھی۔ اور ولی عہد نے کہا ہے کہ یہ خطبہ اس خطبہ کے علاوہ تھا جو قبل ان ہی ذکر کیا گیا، کیونکہ یہاں اذہنی کا ذکر ہے اور وہاں نچر کا ذکر تھا۔ اور وہ حدیث جس میں نچر کا ذکر ہے۔ ابو داؤد، نسائی، بغوی اور طبرانی وغیرہ نے ان ہی سے یعنی رافع بن عمرو المزنی سے طوالت کے ساتھ روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں: ”میں اپنے والد کے ساتھ حجۃ الوداع کو گیا۔ اس وقت میری عمر دس بارہ برس یا اس سے زیادہ تھی، میں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شبہا نامی نچر پر لوگوں سے خطاب فرما رہے ہیں۔ اور علی بن ابی طالبؓ آپ کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ لوگ کچھ کھڑے ہیں کچھ بیٹھے ہیں۔ میرے والد تو بیٹھ گئے۔ اور میں اونٹوں کے درمیان سے ہوتا ہوا نچر تک جا پہنچا، میں نے آپؐ کو رکاب پر کھڑی، پھر میں نے آپؐ کے زانو پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ لی۔ ہاتھ پھیرا، یہاں تک کہ قدم مبارک تک پہنچ گیا۔ پھر میں نے نعل مبارک اندھا پاؤں مبارک کے درمیان ہاتھ ڈالا۔ مجھے آج تک یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپؐ کے قدم مبارک خشکی میں اپنے ہاتھ میں پاتا ہوں: آہ۔۔۔ زرقانی کا کلام ختم ہوا۔

اور صحابہ کا یہ قول کہ ہم مئی میں اپنی اپنی جگہ بیٹھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سن رہے تھے۔ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے تو حضرات صحابہؓ اپنے اپنے خیموں میں کیسے بیٹھے رہے؟ حضرت شیخ قدس سرہ نے بذل میں اس کا بہت ہی عمدہ جواب اللہ العزیز سے نقل کیا ہے، یہ میرے والدہ مرحوم نور اللہ مرقدہ کے سنن ابو داؤد کے افادات کا مجموعہ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ”جواب یہ ہے کہ کیا تو اس سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ کسی ضرورت سے اپنے خیموں میں رہ گئے تھے وہ بھی آپؐ کی آواز سن رہے تھے۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ سب اپنے اپنے خیموں میں بیٹھے رہے یا یہ مراد ہے کہ اگر وہ اپنے خیموں میں بھی ہوتے اور خطبہ میں حاضر نہ ہوتے تب بھی آپؐ کی آواز سن سکتے تھے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے متفرق مسائل اتفاقاً ذکر کئے ہوں۔ اور ان کو جمع کرنے کا اہتمام نہ فرمایا، مگر وہ حضرات لازماً جمع ہوتے الخ“ میں کہتا ہوں کہ اس ناکارہ کے نزدیک یہ قطعیت بھی ہو سکتی ہے کہ اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ اپنی اپنی قیام گاہوں اور خیموں میں تھے کہ ان کی قیام گاہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطبہ کے بعد متعین فرمائی تھیں۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ خطبہ سننے کے لئے اس مجلس میں جہاں بھی کوئی بیٹھا تھا خواہ وہ آپؐ سے کتنا ہی دور تھا وہیں آپؐ کا خطبہ سن رہا تھا۔ گویا اس حدیث

رقال، وودع الناس فسمي حجة الوداع

توجہ: رقی، اور آپ نے لوگوں کو الوداع کہی، اس لئے یہ حج "حجۃ الوداع" کہلایا۔

میں منازل سے مجلس خطبہ کی نشست گاہیں مراد ہیں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ سے دور تھیں کیونکہ صحابہ کرامؓ اس موقع پر ایک لاکھ چوبیس ہزار تھے۔ ظاہر ہے سب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جگہ ملنا ممکن نہیں تھا۔ اور ان دنوں لاؤڈ سپیکر یا مکمل الصوت بھی ایجاد نہیں ہوا تھا، اس لئے سب تک آواز نہ پہنچنا آپ کا معجزہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کان کھول دیئے۔

رقی، اور اس موقع پر آپ نے لوگوں کو الوداع کہی،
حجۃ الوداع کی وجہ تسمیہ و کسر نام | اس لئے یہ حج حجۃ الوداع کہلایا، اور اوجز میں ہے کہ زمانہ

متعدد احادیث میں آتا ہے۔ اور "وداع" واؤ کے فتح کے ساتھ ہے، اور اس کا کسر بھی جائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس حج میں رخصت کیا، اور آپ کو معلوم ہو چکا تھا کہ اسکے بعد آپ کو ایسے کسی اور موقع کا اتفاق نہیں ہوگا۔ نہ اس جیسا اجتماع میسر ہوگا۔ اور سب اس کا یہ مؤا کہ وسط ایام تشریق میں آپ پرؐ اذا جاء نصر الله، نازل ہوئی، اور آپ نے جانا کہ یہ کوچ کا بیغا ہے۔ کذافی الجمع۔ اور عینی کہتے ہیں کہ اس کو "حجۃ الوداع" اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں لوگوں کو رخصت کیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ شاید اس سال کے بعد تم سے نہیں مل سکوگا، جن لوگوں نے اس نام کو مکروہ کہا ہے یہ ان کی غلطی ہے، اور اس کو حجۃ البلاغ کا نام بھی دیا گیا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں فرمایا تھا هَلْ بَلَغْتُ دِكْرًا مِمَّنْ سَمِعْتُمْ يَوْمَ بَيْعَاتِهِ؟ اور اس کو حجۃ الاسلام بھی کہتے ہیں کہ اس سال پہلی بار صرف مسلمانوں نے حج کیا۔ کوئی مشرک شریک حج نہیں تھا۔ اور لامع کے حاشیہ میں قسطلانی سے نقل کیا ہے کہ اس کو حجۃ الوداع اس بنا پر کہا گیا کہ آپ نے اس میں اور اس کے بعد لوگوں کو وداع رخصت کیا اور اس کا نام "حجۃ الاسلام" اس وجہ سے ہے کہ فریضت حج کے بعد آپ نے مدینہ سے اس کے علاوہ کوئی حج نہیں کیا۔ اور حجۃ البلاغ اس بنا پر کہلایا ہے کہ آپ نے اس میں مسائل حج کی قولاً و فعلاً تبلیغ فرمائی۔ نیز اس کا نام "حجۃ التمام" اور حجۃ الکمال بھی ہے۔ ۵۔ احمد۔ بخاری کے حاشیہ مطبوعہ ہندوستان میں اس پر یہ اضافہ ہے: کیونکہ ارشاد خداوندیؐ الیوم اکملت لکم دینکم الایہ۔ اس میں نازل ہوئی: ۱۔ اور عینی نے اس پر یہ اضافہ

کیا ہے کہ حجۃ الوداع کا نام زیادہ مشہور ہے اور ملا علی قاری فرماتے ہیں: "اس کا نام حجۃ الوداع" اس وجہ سے ہوا کہ آپ نے اس حج میں لوگوں کو یا حرم کو الوداع کہی "اور نیل المارب میں ہے: "اس کو حجۃ الوداع کہنا مکروہ ہے" یہ کراہت کا قول صاحب خمیس نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے "اور جز کی عبارت ختم ہوئی۔

اور امام بخاریؒ اپنی صحیح میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے: وہ فرماتے ہیں کہ ہم آپس کی گفتگو میں حجۃ الوداع کا لفظ استعمال کیا کرتے تھے۔ جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود تھے۔ مگر ہمیں خبر نہیں تھی کہ حجۃ الوداع کا مفہوم کیا ہے؟ شیخ بذیل فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام میں حضرات شیخین اور دیگر اعلیٰ طبقہ کے حضرات تو اس کی وجہ تسمیہ جانتے تھے۔ مگر عام لوگ صرف دوسروں کی تقلید میں یہ لفظ استعمال کرتے تھے۔ کیونکہ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ کوئی بھی اس کی وجہ تسمیہ سے واقف نہ ہو مگر اس کے باوجود یہ نام استعمال کرتے ہوں۔ اور بعید نہیں کہ اس نام رکھنے کی ابتداء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوئی ہو کہ شاید میں تم کو اس سال کے بعد نہیں دیکھ سکوں گا۔ پس لوگوں نے آپ کے اس ارشاد کو اس معنی پر محمول کیا ہے کہ آپ آئندہ اس اجتماع کے ساتھ حج نہیں کریں گے۔ اس بنا پر انہوں نے اس کا نام "حجۃ الوداع" رکھا۔ پھر جب اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ کا وداع کہنا کسی خاص جماعت سے مخصوص نہیں تھا۔ اور یہ کہ یہ صرف ان عوام کو جو اس حج میں جمع تھے رخصت کرنا نہیں تھا بلکہ خاص و عام سب کو رخصت کرنا تھا۔ آٹھ اور اس کے حاشیہ میں مولانا محمد حسن علی کے افادات سے نقل کیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ ہمیں خبر نہیں تھی "اس سے مراد یہ ہے کہ ہمیں خبر نہیں تھی کہ اس کو حجۃ الوداع کہیں گے" یہی کہتے ہیں کیونکہ غایت محبت کی بنا پر ہمارے دل ہیں اس کا وہم بھی نہیں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے رخصت ہو جائیں گے۔ اور حافظ کہتے ہیں: "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کا لفظ ذکر فرمایا، اور صحابہ اسے استعمال کرنے لگے۔ مگر ان کا ذہن ادا نہیں کیا کہ وداع سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کو وداع کرنا ہے یہاں تک اس کے کچھ عرصہ بعد ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا سامنا پیش آیا تو صحابہ کرام اصل مراد کو سمجھ، اور انہیں معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اپنی اس وصیت

لے دینی الاصل راعنی البذل اذ لا یبعد۔ والنظر اذ یبعد۔ شیخ۔

کے ذریعہ رخصت کیا تھا کہ آپ کے بعد کفر کی حالت کی طرف نہ لوٹ جائیں۔ اور اس وداع کو یوں منوگذا دیا کہ پہلے ان کو اس بات پر گواہ بنایا کہ آپ تمام احکام خداوندی ان تک پہنچا چکے ہیں۔ اور پھر ان کی گواہی پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنایا، اس وقت انہیں معلوم ہوا کہ حجۃ الوداع کے لفظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کیا تھی؟ اور بخاری کی کتاب الحج، باب الخطبہ منیٰ میں بروایت عاصم عن امیہ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ اس حدیث میں یہ لفظ ہے خود عن الناس، پس آپ نے لوگوں کو رخصت کیا، اور یہ بھی کی روایت میں ہے کہ سورۃ اذا جاء نصر اللہ والفتح، وسط ایام تشریق میں نازل ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ یہ وداع دینی رخصت کا پیغام ہے، پس آپ سوار ہوئے اور لوگ جمع ہو گئے۔ پس آپ نے خطبہ دیا، پوری تفصیل حاشیہ لامع میں ہے۔

ارشاد نبوی: شاید میں تمہیں اس سال کے بعد نہیں دیکھوں گا، کے ذیل
 اس سال کے بعد نہیں دیکھوں گا
 اور شیخ قدس سرہ کو کتب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

بات کی ترغیب دینا تھا کہ وہ آپ سے احکام سیکھ لیں، آپ نے اس حج میں اپنی امت مرحومہ کو وداع کیا تھا۔ اس لئے اس کا نام حجۃ الوداع ہوا۔ تمام صحابہ اس کی وجہ تسمیہ کو نہیں سمجھ پائے۔ البتہ بعض فقہاء صحابہ نے شروع ہی سے جان لیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ ہی عرصہ میں انہیں چھوڑ کر سفر آخرت پر روانہ ہو رہے ہیں، اور ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کار ساز ہے، پھر جب اس حج کے قریب آیا دو ماہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دار دنیا سے رہ گئے عالم آخرت ہوئے عام صحابہ کو تب معلوم ہوا کہ اس حج کو حجۃ الوداع کے نام سے کیوں موسوم کیا گیا؟ اور نو دی لکھتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: شاید کہ میں اس حج کے بعد اور حج نہ کر سکوں، اس میں ان کو وداع کہنے کی طرف اشارہ تھا۔ اور انہیں وصال نبوی کے قریب کی اطلاع دینا تھا۔ اور اس امر پر براہِ گنجہ کرنا تھا کہ آپ سے اخذ استقلال کا بہت ہی اہتمام کریں، آپ کی ملازمت اور آپ سے دین کے امور کے سیکھنے کی فرصت کو قیمتی جانیں، اسی بنا پر اس کو حجۃ الوداع کا نام دیا گیا، واللہ اعلم۔ اور

وسئل هناك عن اشیاء بالتقدیم والتاخیر فقال افعل ولا حرج
توجہ: اور اس موقع پر آپ سے چند چیزوں کی تقدیم و تاخیر کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ آپ نے فرمایا:
”کوئی حرج نہیں، اب کر لو۔“

اور اس موقع پر آپ سے چند چیزوں کی تقدیم و تاخیر
ارشاد نبوی: کوئی حرج نہیں اب کر لو | کے بارے میں دریافت کیا گیا، آپ نے فرمایا: کوئی حرج
نہیں، اب کر لو شیخ ابن قیم فرماتے ہیں کہ اس موقع پر آپ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے رمی سے پہلے حلق
کر لیا۔ اور یہ بھی دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے رمی سے پہلے ذبح کا عمل کر لیا، آپ نے فرمایا: کوئی حرج
نہیں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: میں نے نہیں دیکھا کہ آپ سے اس دن کسی چیز کے بارے میں
دریافت کیا گیا ہو اور آپ نے یہ نہ فرمایا کہ کوئی حرج نہیں، اب کر لو۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ ذبح، حلق
اور رمی کی تقدیم و تاخیر کے بارے میں آپ سے عرض کیا گیا، آپ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں۔ یہ حدیث صحیحین
میں ہے۔ اور اسامہ بن شریک کہتے ہیں: ایک شخص عرض کرتا کہ یا رسول اللہ! میں نے طواف سے پہلے سعی
کر لی یا میں نے فلاں چیز کو مؤخر کر دیا اور فلاں چیز کو پہلے کر لیا۔ مگر آپ ہر ایک کو یہی فرماتے کہ کوئی حرج
نہیں، کوئی حرج نہیں، البتہ حرج اس شخص پر ہے جس نے کسی مسلمان آدمی کی عزت، بطور ظلم، پامال کی۔ پس
یہ ایسا شخص ہے جو حرج میں واقع ہوا اور ہلاک ہوا، اور یہ لفظ کہ میں نے طواف سے پہلے سعی کر لی اس
حدیث میں محفوظ نہیں۔ محفوظ یہ ہے کہ رمی، نحر و حلق کی تقدیم و تاخیر کا سوال کیا گیا تھا۔ انتہی۔ اور اسامہ
بن شریک کی اس روایت کو ابو داؤد، طحاوی، اور دارقطنی نے روایت کیا ہے، جیسا کہ نووی نے شرح
مندیب میں لکھا ہے، اور دارقطنی کہتے ہیں کہ: میں نے طواف سے پہلے سعی کر لی، یا فاقروہ صرف جریر نے
شیبانی سے روایت کیا ہے۔

رہن، اور یہاں چند بحثیں ہیں:-

یوم النحر کے چار افعال کی تقدیم و تاخیر سے متعلقہ مباحث
اول:- یہ سوال وجواب کس وقت ہوا؟ بعض روایات سے
معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال وجواب بوقت چاشت خطبہ کے دوران
ہوئے۔ اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ شام کے وقت خطبہ کے دوران ہوئے۔ کیونکہ ایک سوال یہ ہوا تھا کہ

”میں نے شام ہو جانے کے بعد ری کی: اور بعض سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سوال وجواب دورانِ خطبہ نہیں ہوئے۔ بلکہ اس وقت ہوئے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم اور فتویٰ کے لئے تشریف فرما تھے، چنانچہ بڑھاد کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں لوگوں کی خاطر ٹھہرے ہوئے تھے۔ اور لوگ آپ سے سوالات کر رہے تھے۔“ الخ اور مسلم شریف میں بھی یہ روایت اسی سند سے مروی ہے۔ اس کے الفاظ اس سے زیادہ واضح ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی خاطر ٹھہرے، دسٹا خالی کہ لوگ آپ سے سوال کر رہے تھے۔ اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک باب کا عنوان یوں قائم کیا ہے: باب الفقیاء علی الدائرۃ عند الجمرۃ“ اور اس کے ذیل میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپ یوم النحر میں خطبہ دے رہے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو خطبہ پر نہیں بلکہ مسائل بتانے پر محمول کیا ہے چنانچہ اتنی کہتے ہیں بخاری کا ترجمہ الباب دلالت کرتا ہے کہ یہ خطبہ نہیں تھا۔“ اور تفصیل اوجز میں ہے۔

روایات میں معروف یہ ہے کہ سوال ان چار چیزوں کی تقدیم و تاخیر کے بارے میں بحث دوم | تھا جو اس دن کی جاتی ہیں یعنی رمی، ذبح، حلق، اور افاضہ طواف کے لئے مکہ جانا، اگر یہی چار کام اس دن کئے جاتے ہیں۔ اور جن میں بسط کے ساتھ ان روایات کو ذکر کیا، جو ان چاروں کے بارے میں مروی ہیں۔ اور اسامہ بن شریک کی روایت میں طواف سے پہلے سعی کرنے کا ذکر بھی ہے۔ اور شیخ ابن قیم کا قول پہلے گزر چکا ہے کہ یہ محفوظ نہیں۔ اور اور جن میں ہے کہ حافظ کہتے ہیں: جو شخص طواف سے پہلے سعی کرے اس کے بارے میں دو قول ہیں، بعض اہل حدیث اسامہ بن شریک کی روایت کی بنا پر اس کے قائل ہیں کہ یہ صحیح ہے (اعادہ کی ضرورت نہیں) اور جمہور کہتے ہیں کہ یہ کفایت نہیں کرے گی۔ وہ حدیث اسامہ کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ یہ طواف قدم کے بعد اور طواف افاضہ سے پہلے سعی کرنے پر محمول ہے اور ابن حزم کا مذہب یہ ہے کہ سعی کی تقدیم جائز ہے۔ اور ابن حزم نے ان لوگوں پر رد کیا ہے جو طواف و سعی کی تقدیم و تاخیر کے درمیان اور باقی اشیاء کی تقدیم و تاخیر کے درمیان فرق کے قائل ہیں: اور

اور نووی شرح منہب میں لکھتے ہیں: اگر کسی نے طواف سے پہلے سعی کر لی تو ہمارے نزدیک اس کی سعی صحیح نہیں، یہی جمہور علماء کا قول ہے۔ اور ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ماوردی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے، اور یہی امام مالک، امام ابو حنیفہ، اور امام احمد کا مذہب ہے۔ ہمارے دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے طواف کے بعد سعی کی اور فرمایا کہ مجھ سے مناسک سیکھ لو۔ رہی اساتذہ کی حدیث! تو خطابی وغیرہ کی توجہ یہ کہ مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے طواف تہوم کے بعد اور طواف افاضہ سے پہلے سعی کی: اھ۔

بحث سوم | اکثر روایات میں صرف چار چیزوں کی تقدیم و تاخیر کے بارے میں سوال کا ذکر ہے۔ حافظ فرماتے ہیں کہ مجموعہ روایات سے چند صورتیں نکلتی ہیں جو ضرب و تقسیم کے بعد چوبیس تک پہنچ جاتی ہیں۔ ان میں سے بعض تو مذکور ہیں اور بعض کو راویوں نے ذکر نہیں کیا۔ یا تو اختصار کی بنا پر یا اس وجہ سے کہ پیش نہیں آئی تھیں، اور جن میں ان چوبیس صورتوں کا نقشہ بصورت جدول دیا گیا ہے، تاکہ ان کا سمجھنا آسان ہو۔ جی چاہے تو دہاں دیکھ لو۔

بحث چہارم: ان افعال میں ائمہ کا اختلاف | جاننا چاہیے کہ یوم نحر میں علی الترتیب چار افعال کئے جاتے ہیں، رمی، ذبح، حلق، طواف افاضہ یہ ترتیب علماء کے نزدیک سنوں ہے، کیونکہ بہت سی روایات میں آتا ہے کہ آپؐ نے یہ عمل اسی ترتیب سے ادا کئے۔ امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور صاحبینیؒ کے نزدیک ان اشیاء میں ترتیب سنت ہے واجب نہیں: اس لئے اگر ان میں سے کسی چیز کو اگے پیچھے کر دیا تو ان کے نزدیک دم واجب نہیں۔ ان کا استدلال ان روایات سے ہے۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے: "افعل ولا حرج" یعنی کوئی مضائقہ نہیں، اب کرو، مگر امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک بعض چیزوں میں ترتیب واجب ہے اور بعض میں سنت۔ پس جس نے ترتیب واجب کے خلاف کیا اس کے ذمہ دم لازم ہے۔ اور جس نے ترتیب سنوں کے خلاف کیا اس کے ذمہ دم تو نہیں مگر اس نے بڑا کیا۔ چنانچہ امام مالکؒ کے نزدیک رمی کے درمیان اور باقی تین چیزوں کے درمیان ترتیب واجب ہے پس اگر ان تین چیزوں میں سے کسی ایک کو بھی رمی سے مقدم کر دیا تو دم واجب ہوگا۔ اور باقی تین چیزوں میں ترتیب سنت ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صرف مفرد بالجمع کے لئے طواف اور ذبح کے درمیان ترتیب سنت ہے۔ ان کے علاوہ باقی تمام چیزوں میں ترتیب واجب ہے۔ خواہ مفرد ہو یا غیر مفرد پس جو شخص ترتیب واجب کے خلاف کرے اس کے ذمہ دم لازم ہوگا: یہ اس تفصیل کا خلاصہ ہے جو اجز میں مذاہب اربعہ کی کتابوں سے نقل کی گئی ہے۔ اور اجز میں کتب فروع وغیرہ سے نقل مذاہب ائمہ کے دلائل اور ان کے جواب میں خوب بسط سے کلام کیا ہے ترتیب

اور دم کے واجب ہونے پر حنفیہ اور ان کے موافقین کا استدلال متعدد وجوہ سے ہے۔ ایک یہ کہ یہ معروف قاعدہ ہے کہ راوی حدیث کا فتویٰ جب اس کی روایت کے خلاف ہو تو اس کے فتویٰ پر عمل ہوگا۔ اور حدیث الباب کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وجوب دم کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اور حافظ نے جو اس کا جواب دیا ہے عینی نے اس پر رد کیا ہے جسکی تفصیل اوچتر میں ہے۔ دوم یہ کہ امام مالک موطا میں فرماتے ہیں: وہ امر جس میں ہمارے یہاں اختلاف نہیں یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے سر کا حلق نہ کرے، نہ اپنے جسم کے بال کاٹے یہاں تک کہ مخر کرے راگے چل کر فرمایا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَحْلُقُوا دُمَّكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ۔

موسم: یہ کہ ابن رشد کہتے ہیں کہ امام مالک کا اعتماد اس بات پر ہے کہ جس شخص نے کسی ضرورت کی بنا پر قبل از وقت حلق کیا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ کا حکم فرمایا، اب جو شخص بلا ضرورت ایسا کرے اس پر کوئی چیز کیوں واجب نہ ہوگی شیخ ابن ہمام نے اس پر جو جرح کی ہے اس کا جواب اوچتر میں دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اور متعدد دلائل جن سے وجوب دم ثابت ہوتا ہے اوچتر میں مفصل مذکور ہیں۔ نیز وہ احادیث جن میں یہ آتا ہے کہ: اَفْضَلُ وَلَا حَرَجَ، کوئی مضائقہ نہیں اب کر لو، ان کے بارہ جواب تفصیل سے ذکر کئے ہیں۔ ان میں سے واضح جواب یہ ہے کہ ولا حرج میں گناہ کی نفی کی گئی ہے۔ دم دکنے وجوب یا عدم وجوب سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ اوچتر میں ہے: یہاں صرف گناہ کی نفی مراد ہے کسی اور چیز کی نہیں۔ اس کی ایک دلیل ابو داؤد کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے ہیں: کہ کوئی حرج نہیں مگر اس شخص پر جس نے کسی مسلمان کی عزت کو بطور ظلم پامال کیا، پس یہی ایسا شخص ہے جو حرج میں واقع ہوا اور ہلاک ہوا، یہ حدیث باواز بلند پکار کر کہتی ہے کہ یہاں صرف گناہ کی نفی مقصود ہے۔ کیونکہ سلف و خلف میں سے کوئی شخص اس کا قائل نہیں کہ کسی مسلمان کی عزت پامال کرنے پر دم لازم آتا ہے شیخ کوکب میں ارشاد فرماتا: دم ولا حرج، اب رمی کر لو، اور کوئی مضائقہ نہیں) کے ذیل میں فرماتے ہیں: اس سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے جو ان امور ثلاثہ میں عدم ترتیب کے قائل ہیں، کیونکہ لا نفی جنس کے لئے ہے جس سے تمام اقسام حرج کی نفی ہو جاتی ہے۔ اور امام صاحب فرماتے ہیں کہ ایسے متوفیوں پر ایسی چیزوں کو حرج شمار نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ صحابہ کرام نے

وَنَزَلَ النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ

توجہ: اور آپ نے لوگوں کو ان کی قیام گاہوں میں اتارا کہ ہر قبیلہ کیلئے قیام تجویز فرمائی، جب خطبہ سنا اور انہیں احکام کا علم ہوا تب انہیں احساس ہوا کہ وہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے خلاف عمل کر چکے ہیں۔ اور یہ خیال ان کے لئے بے چینی کا باعث ہوا کہ اندریں صورت انہیں اپنے حج سے بجز بارگناہ کے اور کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ اور قضا کے واجب ہونے میں انہوں نے حرج محسوس کیا۔ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد سے دفع کیا کہ جس چیز کا تمہیں اندیشہ ہے کہ ان غلطیوں کی وجہ سے قضا لازم ہوگی، اس سے کوئی حرج لاحق نہیں ہوا یعنی ذمہ گناہ گار ہوئے۔ نہ ان افعال کی قضا لازم ہے، نہ وجوب دم کا مسئلہ؛ تو وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے جس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ لہذا اس پر عمل ہوگا۔

اور ابن عباس کی یہ حدیث اوجہ میں طحاوی اور ابن ابی شیبہ کے حوالے سے متعدد طرق کے ساتھ مذکور ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ان ائمہ عظام پر تعجب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد نہ افعّل ولا حرج، کوئی مضائقہ نہیں۔ اب کر لوں سے استدلال کرتے ہوئے ان افعال اربعہ میں تو دو جو ترتیب کے قائل نہیں لیکن رمی جمرات میں ترتیب کو واجب کہتے ہیں حالانکہ جمرہ اولیٰ پہلے جمرہ وسطیٰ کی رمی کرنا بھی تقدیم و تاخیر میں داخل ہے۔ مگر یہاں وہ افعّل ولا حرج کو نہیں لیتے۔

اور آپ نے لوگوں کو ان کی قیام گاہوں میں

مہاجرین و انصار کیلئے منازل کی تعیین | اتارا کہ ہر قبیلہ کے لئے قیام تجویز فرمائی،

یہ حدیث ابوداؤد میں ان الفاظ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں لوگوں کو خطبہ دیا اور انہیں ان کی قیام گاہوں میں اتارا، چنانچہ قبلہ کی دامنہ طرف اشارہ کر کے فرمایا: مہاجرین یہاں اتریں، اور قبلہ کی بائیں جانب اشارہ کر کے فرمایا اور انصار یہاں فروکش ہوں۔ اور دوسرے لوگ ان کے اب گرد و قیام کریں، ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں ہمیں خطبہ دیا۔ پس ہمارے کان کھل گئے۔ یہاں تک کہ جو بھی ارشاد فرماتے ہمیں اپنی اپنی جگہ سناؤں دے رہے تھا۔ پھر آپ لوگوں کو حج کے مسائل سکھانے لگے، یہاں تک کہ رمی جمرات کے بیان تک پہنچ گئے، پھر آپ نے اپنی دونوں انگشتیں شہادت و کائنوں میں رکھ کر بلند آواز سے فرمایا

اتنی کنکری ہو جو انگلی پر رکھ کر پھینکی جاتی ہے، پھر مہاجرین کو حکم دیا تو وہ مسجد کی اگلی جانب اترے اور انصار کو حکم فرمایا تو وہ مسجد کی پچھلی جانب فروکش ہوئے۔ اس کے بعد پھر دوسرے لوگ اترے۔ شیخ قدس سرہ پہلی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: ”ان کو اتارا یعنی ان کیلئے متعین کیا۔“ قبلہ کی دائیں جانب یعنی جب تم قبلہ کی جانب نہ کر کے کھڑے ہو تو جو جانب تمہارے دائیں ہاتھ واقع ہوگی وہ قبلہ کی دائیں جانب ہے۔ اور جو تمہارے بائیں ہاتھ واقع ہوگی وہ قبلہ کی بائیں جانب ہوگی اور اگلی حدیث میں آئے گا کہ مہاجرین کو حکم فرمایا تو وہ مسجد کی اگلی جانب اترے اور انصار کو حکم فرمایا تو وہ مسجد کی پچھلی جانب اترے (اس کے بعد پھر دوسرے لوگ اترے) ان دونوں کے درمیان تطبیق یہ ہوگی کہ مہاجرین میں قبلہ کی جانب مسجد کے اگلے حصہ میں اترے اور انصار قبلہ کی بائیں جانب مسجد کے پچھلے حصہ میں: پھر اور لوگ ”یعنی مہاجرین و انصار کے علاوہ جو اور لوگ ہیں وہ ان کے گرد اترے“ آپ نے ان کی فرود گاہیں اس لئے معین کیں تاکہ ان کے مختلف قبائل کا اختلاط نہ ہو، اور تاکہ ایک دوسرے کے قریب نہ رہیں۔ اور انہیں اپنی ضروریات میں تنگی پیش نہ آئے۔“ اھ

پھر یہاں یہ امر بھی پیش نظر ہے کہ اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ ان کے منازل کی تعیین خطبہ کے بعد ہوئی، یا خطبہ سے پہلے؟ اور اس اختلاف کا حل اس کے ناممکن نہیں جو پہلے بھی کئی بار گزر چکا ہے کہ آپ کا خطبہ ان ایام میں کئی بار ہوا۔ اور بار بار تعلیم فرمائی اس لئے یہ کہا جائے گا کہ منازل کی تعیین ایک خطبہ کے بعد اور دوسرے خطبہ سے پہلے ہوئی۔ یہاں اس پر بھی تنبیہ ضروری ہے کہ امام بخاری نے عمرہ تنعیم کے باب میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جرہ عقبہ کے پاس لئے جب کہ آپ اس کی رمی کر رہے تھے تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ آپ ہی لوگوں کے لئے خاص ہے، فرمایا ”نہیں بلکہ سمیٹ کے لئے ہے“ اھ۔ مگر آپ کی سعی کے ذکر میں گزر چکا ہے کہ یہی سوال انہوں نے مردہ

کے پاس کیا تھا۔ تفصیل دہاں

گزر چکی ہے۔

ثم انصرف الى المنحصر. فنحرت ثلاثا وستين

ترجمہ:- پھر منحصر قربان گاہ کی طرف گئے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترسیعہ اونٹ منحرج ذبح کئے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منحرج قربان گاہ کی طرف
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قربان گاہ گئے۔ یہ منی میں ایک معروف جگہ ہے یوں منی کی ساری

زمین قربانی کی جگہ ہے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ ابن التین کہتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کی جگہ حجرہ اویلی کے قریب ہے جو مسجد کے متصل ہے۔ یہ تو زرقانی میں ہے۔ اور ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ حجرہ عقبہ کے قریب تھی، اور یہ جو حجرہ وسطیٰ کے قریب مسجد کی صورت میں مشہور ہے۔ اور جسے عوام مسجد منجر کہتے ہیں اس کی کچھ اصل نہیں بلکہ صحیح تر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کی جگہ آپ کی قیام گاہ ہی میں تھی، مسجد خیف کے قریب اور قبلہ مسجد خیف سے آگے۔

پس آپ نے عمر مبارک کے سالوں کی تعداد کے
آنحضرتؐ نے کتنے اونٹ خود ذبح کئے

مطابق اپنے دست مبارک سے ترسیعہ اونٹ منجر ذبح کئے۔ کذا فی الہدی۔ اور زرقانی کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ترسیعہ اونٹ ذبح کر کے اپنی عمر مبارک کے کل سالوں کی تعداد کا قصد کیا۔ چنانچہ عمر مبارک بھی ۶۳ سال تھی، پس ہر سال کے مقابلہ میں ایک اونٹ ہوا۔ یہ بات قاضی عیاض نے نقل کی۔ بعد ازاں زرقانی کہتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف وہی اونٹ ذبح کئے جو آپ کے ساتھ مدینہ سے آئے تھے۔ اور ان کی تعداد ۶۳ تھی۔ جیسا کہ ترمذی نے روایت کیا ہے: اور سوئس سے باقی ماندہ کے ذبح کا کام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا، اور مرقات میں قاضی عیاض سے نقل کیا ہے کہ: بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف وہی اونٹ ذبح کئے جو آپ کے ساتھ مدینہ سے آئے تھے۔ اور سوئس سے باقی ماندہ جو حضرت علیؑ کے ساتھ من سے آئے تھے۔ وہ حضرت علیؑ کو عطا کر دیئے، اور لامع کے حاشیہ میں ہے کہ اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے کتنے اونٹ ذبح کئے۔ چنانچہ بخاری کی اس حدیث سے جو حضرت انسؓ سے مروی ہے، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ۳ اونٹ ذبح کئے، اور علماء کے یہاں معروف اور راجح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر مبارک کے سالوں

کی تعداد کے مطابق ۶۲ اونٹ اپنے دست مبارک سے ذبح کئے تھے شیخ ابن قیمؒ الہدیٰ میں کہتے ہیں کہ آپ نے ۶۳ اونٹ اپنے ہاتھ سے ذبح کئے۔ اور بقیہ کے ذبح کرنے کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا تھا۔ پس اگر کہا جائے کہ تم اس حدیث کا کیا کر دو گے جو صحیحین میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ساٹھ اونٹ ذبح کئے؟ اس کے جواب میں ابن حزمؒ کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ کی حدیث کا تین توجہیں ہو سکتی ہیں۔ اول یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی سات سے زیادہ اونٹ بدست خود ذبح نہ کئے ہوں جیسا کہ حضرت انسؓ کا بیان ہے، البتہ ایسا ہوا کہ سات کے بعد ۶۳ تک تو آپؐ نے اپنے سامنے ذبح کر لئے، اور پھر وہاں سے تشریف لے گئے اور باقی ماندہ کے ذبح کرنے کا حکم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ دوم یہ کہ حضرت انسؓ نے صرف سات ہی کو ذبح ہوتے دیکھا ہوا، اور حضرت جابرؓ نے ۶۲ کو اور ہر شخص نے اپنے اپنے مشاہدہ کو بیان فرمایا۔ سوم یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سات اونٹ تو بلا شرکت غیر ذبح کئے، انہی کو حضرت انسؓ نے بیان کیا، اس کے بعد حضرت علیؓ نے آپکے ساتھ نیزہ پکڑا، اور دونوں نے مل کر ۶۳ تک ذبح کئے، چنانچہ عروہ بن حارثؓ کندسی کہتے ہیں کہ انہوں نے اس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ نے نیزہ اوپر کی جانب سے پکڑا اور حضرت علیؓ کو نیچے کی طرف سے پکڑنے کا حکم فرمایا۔ پھر دونوں نے مل کر اونٹ ذبح کئے، اور ۶۳ کے بعد سو تک حضرت علیؓ نے تنہا ذبح کئے، جیسا کہ حضرت جابرؓ کا بیان ہے اگر کہا جائے کہ تم اس حدیث کا کیا کر دو گے جو امام احمدؒ اور ابو داؤد نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس اونٹ ذبح کر لئے تو مجھے حکم فرمایا، باقی میں نے ذبح کئے، میں کہتا ہوں کہ یہ غلط ہے، دراصل حضرت علیؓ کے ذبح کردہ اونٹوں کی تعداد کو راوی نے غلطی سے الٹ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا۔ اگر کہا جائے کہ تم عبد اللہ بن قریظؓ کی حدیث کا کیا کر گے جس میں یوں آتا ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پانچ اونٹ لائے گئے، پس وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آگے بڑھنے لگے کہ آپؐ کس سے ابتداء فرماتے ہیں؟ ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم اسے قبول کر کے اس کی تصدیق کرتے ہیں دراصل سو اونٹ کی بارگاہی ہی آپؐ کے پاس نہیں لائے گئے تھے، بلکہ گروہ در گروہ لائے جاتے تھے، ان میں سے ایک گروہ پانچ نفری تھا۔ اور یہی گروہ تھا جس میں سے ہر ایک آگے بڑھ کر یہ چاہتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اس سے لبم اللہ کریں۔ ابن قیمؒ کی تقریر مختصر ختم ہوئی۔

اور ہمارے شیخ قدس سرہ نے حضرت علیؑ اور حضرت جابرؓ کی حدیث میں متعدد وجوہ تطبیق دی ہے۔ ان میں ایک یہ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کسی کی اعانت کے بغیر ذبح کئے اور ۳۳۳ حضرت علیؑ کی شرکت کے ساتھ۔ اور باقی مادہ حضرت علیؑ نے ذبح کئے میں کہتا ہوں یہ جواب میرے نزدیک سب سے عمدہ ہے، کہ اس میں حضرت علیؑ کی روایت کو غلط کہنے اور راوی پر لفظ کے الٹ جانے کا دعویٰ کرنے کی حاجت نہیں رہتی۔ اور حضرت انسؓ کی حدیث میں سات کی تخصیص کی سب سے عمدہ توجیہ یہ ہے کہ یہ سات وہی ہیں جن کا ذکر عبداللہ بن قرطہؒ کی حدیث میں جو بحوالہ احمد و ابوداؤد و پر گندری یوں آیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک آگے بڑھنا چاہتا تھا، کہ آپؐ کس سے ابتداء کرتے ہیں اور انہی صحیحیت کی بنا پر انہیں الگ ذکر کیا، اور عبداللہ بن قرطہؒ کی اس حدیث میں امام احمدؒ اور ابوداؤد نے پانچ یا چھ کا لفظ شک راوی کے ساتھ ذکر کیا ہے، پس بعید نہیں کہ وہ سات ہوں۔ اور مغنی میں موثق کے کلام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبداللہ بن قرطہؒ کی حدیث میں ذکر شدہ پانچ اونٹوں کو حضرت جابرؓ کی حدیث کے سوا اونٹوں کے علاوہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ وہ اس بحث میں کہ قربانی کا گوشت کھانا مستحب ہے، لکھتے ہیں: ”اصحاب رائے کہتے ہیں کہ حدیث جتنا زیادہ ہو بہتر ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری کے سوا اونٹ ذبح کئے اور ہر اونٹ سے گوشت کا ٹکڑا لینے کا حکم فرمایا، اور پھر ان سب کا غور بانوش فرمایا۔ اور آپؐ نے پانچ اونٹ ذبح کئے اور فرمایا جو چاہے ان کا گوشت کاٹ کر لے جائے۔“ آگے چل کر لکھتے ہیں: ”اور آپؐ نے ان میں سے کچھ نہیں کھایا۔“ احمد موثق کے ان دونوں عبارتوں سے ظاہر ہے کہ وہ پانچ اونٹوں والی حدیث کو قصہ حجۃ الوداع کے علاوہ کسی اور موقع پر محمول کرتے ہیں۔ ”حاشیہ لایع کامضمون ختم ہوا۔“

اور اس ناکارہ کے نزدیک جیسا کہ ابھی گذرا ان پانچ یا سات سات اونٹوں کی تخصیص کی وجہ سے اختلاف روایات کی تخصیص کی سب سے عمدہ توجیہ وہی ہے جس کی طرف ابوداؤد کی روایت میں یوں اشارہ کیا گیا ہے: ”ان میں سے ہر ایک آگے بڑھتا تھا کہ آپؐ سب سے پہلے کس سے ابتداء فرماتے ہیں؟ اور وہاں نے خوب کہا ہے۔“

داع جاتے تو ہیں مقل میں ہر اول سب سے

دیکھئے دار کرے وہ ستم آرا کس پر؟

اور نا، ہی شاعر نے اسی مضمون کو تین بانہ صاف ہے:۔

ہمہ آہوان صحر سر خود نبادہ بر کف بامید آنگہ روزے بشکار خواہی آمد (میر خسرو)

نیز: —

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاکت
سہر دستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی (دعائی)

دق؟ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ

قربانی کی جھول اور کھال کے قصہ کا حکم | اگلی جھول، چمڑے اور گوشت مساکین پر صدقہ کر دیں،

اور یہ بھی فرمایا کہ قصاب کو اجرت میں قربانی کی کوئی چیز نہ دیں، اور فرمایا کہ اجرت ہم اپنے پاس سے دیں گے، اور فرمایا کہ جس کا جی چاہے گوشت کاٹ کر لے جائے، آہ

اور واقع کے حاشیہ میں ہے کہ بغوی کہتے ہیں: جب قصاب کو

قصاب کو اس میں اجرت نہ دی جائے | اجرت پوری دے دی جائے اور پھر اگر وہ فقیر ہو تو اس پر صدقہ

کر دیا جائے، تو کوئی حرج نہیں۔ اور بغوی کے علاوہ دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ قصاب کو اس کی اجرت میں گوشت دینا ممنوع ہے، کہ یہ معاوضہ ہے۔ اور بطور صدقہ یا ہدیہ کے دینا اند دئے قیاس جائز ہے، لیکن شارع کے مطلقاً منع کرنے سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس کو صدقہ کے طور پر دینا بھی ممنوع ہے کیونکہ اس کی وجہ سے اجرت میں رعایت کرنے کا احتمال ہے، بالآخر یہ بھی معاوضہ ہی کی صورت ہو جائے گی۔

اور صرف من بصری اور عبد اللہ بن عبید نے اس کی رخصت دی ہے:

رشن، اور مشکوٰۃ میں مسلم وغیرہ کی جو طویل حدیث حضرت جابرؓ

آنحضرتؐ نے شور بانوش فرمایا | سے مروی ہے اس میں ہے: حضرت علیؓ کو حکم فرمایا انہوں نے باقی

ماندہ اونٹ ذبح کئے، پھر حکم فرمایا کہ ہر قربانی کا ایک ایک ٹکڑا لیا جائے۔ چنانچہ ان کو ہنڈیا میں پکایا گیا۔ پس دونوں حضرات نے ان کا گوشت کھایا اور شور بانوش کیا:

نوٹ کی کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ نفل کی ہدی اور

ہدی کے کن کن جانور کا گوشت کھانا جائز ہے | قربانی سے کھانا مستحب علماء فرماتے ہیں کہ چونکہ ہر ایک

قربانی سے کھانا سنت ہے، اور سو قربانیوں کو الگ الگ پکانے میں زحمت تھی۔ اس لئے سب کو

ایک ہی ہنڈیا میں ڈال دیا گیا۔ تاکہ آپ اس مجموعہ کے شور بے کو جس میں ہر ایک کا جزء ہے، نوش فرما سکیں،

اور شور بے میں جو گوشت ہے اسے بقدر ضرورت تناول فرما سکیں۔ اور علماء کا اتفاق ہے کہ نفل ہدی اور

قربانی سے کھانا سنت ہے واجب نہیں۔ ۱۷۰

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث سے موفق نے المعنی میں اور صاحب ہادی نے استدلال کیا ہے کہ تمتع اوقیان

کی ہدی سے کھانا مستحب ہے۔ یہ مشہور اختلافی مسئلہ ہے جس کی تفصیل اوجز میں ان کی کتب فروغ سے نقل کی گئی ہے اور اس کا خلاصہ حاشیہ لایع میں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "جن ہدایا کا گوشت کھایا جاسکتا ہے ان کے بیان میں ناقلین مذاہب کا اختلاف ہے جس کی تفصیل اوجز میں ذکر کی گئی ہے۔ اور اس میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ گذشتہ عبارتوں سے واضح ہوا کہ حناہ کے نزدیک دم متع، دم قران اور دم تطوع کے علاوہ کسی کا کھانا جائز نہیں۔ یہی قول حنفیہ کا ہے۔ امام مالکؒ مشہور مذہب یہ ہے کہ ہر وہ ہدی جو اپنے محل میں پہنچ چکی ہو اس کا کھانا جائز ہے۔ البتہ جسے صید فدیہ اذی، اور نذر مساکین کی ہدی کا کھانا جائز نہیں۔ لیکن شافعیہ کے نزدیک کسی دم واجب کا کھانا جائز نہیں۔ حتیٰ کہ دم متع اور دم قران کا کھانا بھی درست نہیں۔ اور دم تطوع کا کھانا جائز ہے۔ مگر کچھ گوشت کا صدقہ کرنا بھی واجب ہے" اور

کیا ان سوا اذیوں میں ابو جہل کا اونٹ بھی تھا؟
کیا حجۃ الوداع میں ابو جہل کا اونٹ نحر کیا گیا؟ جیسا کہ ترمذی شریف کے باب "رج النبی صلی اللہ علیہ وسلم" میں حضرت جابرؓ سے اس کی تصریح منقول ہے۔ اور مؤطا امام مالکؒ کے الفاظ بروایت عبد اللہ بن ابی بکرؓ بن حزم یہ ہیں کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج یا عمرہ میں ابو جہل کا اونٹ ہدی کیا تھا" اور اوجز میں ہے کہ یہ راوی کا شک ہے اور ابو داؤد میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے سال من جملہ اور ہدایا کے ابو جہل کا اونٹ بھی ذبح کیا تھا، اس کے ناک میں چاندی کی نیکیل تھی اور ترمذی نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین حج کئے، دو ہجرت سے پہلے اور ایک ہجرت کے بعد جس کے ساتھ عمرہ بھی تھا۔ آپ اپنے ساتھ ۶۳ اونٹ لے گئے تھے۔ اور باقی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سے لائے تھے، ان میں ابو جہل کا اونٹ بھی شامل تھا، صاحب عارضۃ الایحوزی وغیرہ نے اس اختلاف سے سکوت اختیار کیا، اور شیخ کوکب میں فرماتے ہیں: "یہ صحیح نہیں کیونکہ ابو جہل کا اونٹ عمرہ حدیبیہ میں ذبح فرمایا تھا اور اگر یہاں نہیں تو عمرہ قضا میں۔ اور وہ اتنی مدت زندہ نہیں رہا کہ اسے حجۃ الوداع میں ذبح کرنے کی نوبت آتی۔ جس میں آپؐ نے سوا اونٹ قربان کئے تھے" اور اس کے حاشیہ میں ہے کہ یہی صحیح ہے کیونکہ عام اہل سیرا ابن اسحقؒ، ابن ہشامؒ اور ابن کثیرؒ

رقلت، وذبح عن نسائه بقرۃ

توجہ: (رض) اور آپ نے ازواج مطہرات کی طرف سے ایک گائے ذبح کی۔

نئے الہدایہ والنبایہ میں ابو جہل کے اونٹ کی قربانی کا قصہ عمرہ حدیبیہ میں ذکر کیا ہے حجۃ الوداع میں نہیں۔ چنانچہ زاد المعاد میں قصہ حدیبیہ کے فوائد کے ضمن میں لکھا ہے: ”من جملہ ان کے اللہ کے دشمنوں کو غیظ دلانے کا استجاب ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدی کے جانوروں میں ابو جہل کا اونٹ بھی قربان کیا اور شیخ قدس سرہ نے اپنے اس قول میں کہ اگر یہاں نہیں تو عمرہ قضا میں اس قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے جو اہل سیر نے ذکر کیا ہے کہ یہ اونٹ بھاگ گیا تھا چنانچہ انھیں میں ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ حدیبیہ میں من جملہ اور بدایا کے ابو جہل کا اونٹ بھی بدی کیا تھا۔ یہ آپ کو غزوہ بدر کی غنیمت میں حاصل ہوا تھا۔ مروی ہے کہ ابو جہل کا یہ اونٹ بھاگ کر مکہ کوڑ چلا گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کارندے اس کے تعاقب میں گئے، سفہا رقریش نے ارادہ کیا کہ اسے واپس نہ کیا جائے، مگر سہیل بن عمرو نے جس نے عمارت صلح کا سنگ بنیاد رکھا تھا، انہیں اس سے منع کیا، چنانچہ روہ واپس لایا گیا تو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بخر کیا۔ پوری تفصیل اور جز میں ہے۔

صاحب خمیس نے لکھا ہے کہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر مبارک کے سالیوں کی تعداد کے مطابق ۶۳ اونٹ ذبح کئے اور ۶۳ غلام آزاد کئے، اور حیوۃ الیوان میں ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع میں ۶۳ اونٹ ذبح کئے اور ۶۳ غلام آزاد کئے۔ اور

ازواج مطہرات کی طرف سے گائے (رض) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج

مطہرات کی طرف سے ایک گائے ذبح کی۔ ابو داؤد

کے لفظ بروایت ابو ہریرہؓ یہ ہیں کہ آنحضرت صلی

ذبح کرنا اور اس میں اشکال

اللہ علیہ وسلم نے ان ازواج مطہرات کی جانب سے جنہوں نے عمرہ کیا تھا، ایک گائے ذبح کی جو ان کے مابین مشترک تھی: اس پر مشہور اشکال ہے کہ ازواج مطہرات تو نو تھیں، ایک گائے ان سب کی طرف سے کیسے کافی ہوگی؟ اور جز میں اس اشکال کے کئی جواب دیئے گئے ہیں۔ اور اس کا خلاصہ جامع کے حاشیہ میں ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں: ”اور میرے نزدیک سب اچھا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کی جانب سے الگ گائے ذبح کی تھی جیسا کہ مسلم میں حضرت جابرؓ کی روایت سے مفہوم ہوتا ہے اور بقیہ ازدواج کی جانب سے ایک گائے تھی، جو ابو داؤد کی روایت میں مذکور ہے حضرت عائشہؓ ان میں داخل نہیں تھیں۔ کیونکہ ابو داؤد کے الفاظ: "ان ازدواج کی طرف سے جنہوں نے عمرہ کیا تھا" اس سے مانع ہیں کیونکہ حضرت عائشہؓ ہمارے نزدیک مفرد بالجمع تھیں۔ البتہ یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کو خارج کر کے بھی تو ازدواج مطہرات کی تعداد آٹھ ہوتی ہے، میرے نزدیک بعید نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سوڈہ کو حضرت عائشہؓ کی گائے میں شریک کر دیا ہو۔ کیونکہ انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے رکھی تھی۔ اس توجیہ کے مطابق حضرت عائشہؓ کی حدیث پر شذوذ کا حکم کرنے کی حاجت نہیں رہتی، جیسا کہ حافظؒ نے کہا ہے اور ابن حزمؒ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ دیگر ازدواج مطہرات کے ساتھ شریک نہیں تھیں۔ کیونکہ دیگر ازدواج کا متع تھا۔ اور حضرت عائشہؓ کا قرآن۔ اور قرآن والے پر ابن حزمؒ کے نزدیک ہدی لازم نہیں۔

ابن قیمؒ اس پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "یہ مسلک فاسد ہے جس میں ابن حزمؒ تمام لوگوں سے مفرد ہیں، کیونکہ صحابہؓ، تابعینؓ اور ائمہ کے تمام حضرات اس پر متفق ہیں کہ قارن پر ہدی لازم ہے، جس طرح کہ متمتع پر لازم ہے" میں کہتا ہوں حضرت عائشہؓ کا قارن ہونا ان کے مسلک پر مبنی ہے ورنہ ہمارے نزدیک مفرد بالجمع تھیں۔ یہ بحث احرام عائشہؓ کے بیان میں پہلے گذر چکی ہے، بعد ازاں ابن قیمؒ نے طویل کلام میں اصل انکال کا جواب دیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ روایات جن میں سات کی حرکت کا ذکر ہے تعداد میں بھی زیادہ ہیں اور صحت میں بھی خافی ہیں۔ اور زرقانی نے شرح مواہب میں ان روایات پر خوب بسط سے لکھا ہے، اور نسائی کی اس روایت کو جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، ترجیح دی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے حج کے سال ہمارے ایک ایک جانب سے ایک ایک گائے ذبح کی تھی" اور حافظؒ نے جو اس حدیث پر شذوذ کا حکم کیا ہے اس پر زرقانی نے تعقب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "حدیث عائشہؓ کا راوی عمار الدہنی مسلم اور سنن اربعہ کا راوی ہے اس کی زیادتی مقبول ہوگی کہ جو لفظ دوسرے نے یاد نہیں رکھا وہ اس نے یاد رکھا۔ اور اس راوی کی زیادتی وہ ذکر راویوں کے خلاف بھی نہیں کیونکہ معمر کی روایت میں جو الفاظ ہیں کہ آپ نے صرف گائے ذبح کی"

اس سے مراد جنس ہے، مطلب یہ کہ اونٹ اور بکری کی قربانی نہیں کی بلکہ صرف گائے کی قربانی کی تھی۔ اسیلے یہ اس صریح روایت کے خلاف نہیں۔ جس میں ہر ایک کی جانب سے گائے ذبح کرنے کا ذکر آتا ہے۔ اور خذوذ کا حکم تو جب کیا جاسکتا ہے جب کہ دو روایتوں میں تطبیق ممکن نہ ہو۔ اور یہاں ممکن ہے الخ حاصل یہ کہ قربانی کا رجحان اس طرف ہے کہ تمام ازواج کی جانب سے ایک ایک گائے ذبح کی انتہی مختصراً

اس حدیث میں چند بچیں ہیں۔ جن کی تفصیل اوپر میں

نحر کی جگہ ذبح اور ذبح کی جگہ نحر | ہے۔ ایک یہ کہ روایات میں ذبح اور نحر دونوں الفاظ آتے

ہیں۔ اس امر میں علماء کا اختلاف ہے کہ قابل ذبح جانور کا نحر، اور قابل نحر جانوروں کا ذبح جائز ہے یا نہیں؟ موقوف کہتے ہیں، اہل علم کے درمیان اس امر میں تو اختلاف نہیں کہ اونٹ کا نحر مستحب ہے اور اس کے علاوہ دوسرے مویشیوں کا ذبح۔ رہا اونٹ کا ذبح اور دیگر مویشیوں کا نحر؛ تو جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے۔ اور روایہ ظاہری سے منقول ہے کہ اونٹ نحر کے بغیر اور دیگر جانور ذبح کے بغیر حلال نہیں ہوں گے۔ انتہی مختصراً۔ امام مالک کا صحیح مذہب یہ ہے کہ اونٹ کا نحر واجب ہے، جیسا کہ اوپر میں درج کیا اور دسوتی کا قول مفصل مذکور ہے۔

ایک بحث یہ ہے کہ ہدایا میں اشتراک جائز ہے یا نہیں؟ جمہور

ہدی میں اشتراک: بحث دوم | کے نزدیک جائز ہے اور مالک کے نزدیک جائز نہیں۔ چنانچہ

موطا میں ہے کہ امام مالک فرماتے ہیں کہ انہوں نے بعض اہل علم سے سنا ہے کہ ایک بدنہ راوٹ یا گائے، میں مرد اور عورت دونوں شریک نہ ہوں۔ بلکہ ہر ایک کو الگ بدنہ کی ہدی کرنی چاہیے، اور درویر کہتے ہیں: ہدی خواہ واجب ہو یا تطوع، اس میں اشتراک صحیح نہیں۔ نہ ذات میں نہ اجر میں، اگر وہ افراد نے اشتراک کیا تو دونوں کی ہدی جائز نہیں ہوئی، اھ دسوتی کہتے ہیں: پس ہدی کا معاملہ قربانی سے مختلف ہے کہ قربانی کے اجر میں اشتراک صحیح ہے الخ پور تہی تفصیل اس میں دیکھی جائے۔

روایات میں دونوں الفاظ وارد ہیں، جن کی

بحث سوم: یہ گائے ہدی کی تھی یا قربانی کی | تفصیل اوپر میں ہے، حافظ فرماتے ہیں: بظاہر

یہ راویوں کا تصرف ہے، کیونکہ ابو ہریرہ کی روایت میں تصریح ہے کہ یہ گائے ان ازواج کی جانب سے ذبح کی گئی جنہوں نے عمرہ کیا تھا۔ اس سے ان لوگوں کی روایت قوی ہو جاتی ہے، جنہوں نے ہدی کا لفظ

روایت کیا ہے۔ اور اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ یہ ہدی تمتع کی تھی۔ اور اس میں امام مالکؒ کے اس قول کے خلاف کوئی دلیل نہیں کہ اہل منیٰ کے ذمہ قربانیاں نہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بحثیں ہیں جن کا تفصیل و جزیر ہے یہ امر بھی مختلف فیہ ہے کہ آنحضرت

حجۃ الوداع میں اپنے بکری بھی ذبح کی یا نہیں؟ | صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر بکریاں

بھی ذبح کی تھیں یا نہیں؛ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کی حدیث سے جو آگے آتی ہے، بظاہر اثبات معلوم ہوتا ہے شیخ ابن قیمؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایا پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اگر کہا جائے کہ تم اس حدیث کا کیا کرو گے جو صحیحین میں حضرت ابو بکرؓ سے مروی ہے اور جس میں منیٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ یوم النحر کا ذکر ہے اور اس کے آخر میں بروایت مسلم یہ لفظ ہے: "پھر آپ لوٹ کر آئے دو سیاہ مینڈھوں کی طرف، پس ان کو ذبح کیا۔ اور بکریوں کے ایک ریوڑ کی طرف، پس اس کو ہمارے درمیان تقسیم فرمایا" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکہ کا ہے۔ اس کے برعکس حضرت انسؓ کی حدیث سے جو صحیح بخاری کے متعدد مواضع میں مروی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدینہ کا واقعہ ہے۔ جواب یہ ہے کہ لوگوں نے اس سلسلہ میں دو طریق اختیار کئے ہیں۔ ایک یہ کہ اس موقع پر حضرت انسؓ کا بیان صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں دو مینڈھے ذبح کئے تھے۔ اور یہ کہ آپ عید کی نماز سے فارغ ہو کر دو مینڈھوں کی طرف لوٹے، چنانچہ حضرت انسؓ نے مکہ میں اونٹ ذبح کرنے اور مدینہ میں مینڈھے ذبح کرنے کے واقعہ کو ایک دوسرے سے عین کر کے بیان کیا ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ دو واقعے ہیں، اور اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جتنے حضرات نے منیٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کا ذکر کیا ہے انہوں نے صرف اونٹوں کا ذکر کیا ہے، یہی ہدی آپؐ ساتھ لے کر گئے تھے۔ اور ان کا ذکر کرنا افضل تھا۔ بجائے اس کے کہ جو بکریاں آپؐ ساتھ نہیں لے گئے انہیں ذبح کرتے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ نے قصہ حجۃ الوداع میں ذکر کیا ہے کہ "آپؐ رمی کر کے واپس ہوئے تو اونٹوں کا ذکر کیا" دراصل بعض راویوں کو اس میں اشتباہ ہو گیا۔ چونکہ مینڈھوں کے ذبح کرنے کا عید کے دن کا تھا۔ اس بنا پر انہوں نے خیال کر لیا کہ یہ منیٰ کا واقعہ ہے۔ دوسرا طریقہ ابن حزمؒ اور ان کے ہم مسلک لوگوں کا ہے کہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔ اور دونوں عمل جدا جدا ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے مکہ کی قربانی کا ذکر کیا ہے۔ اور حضرت انسؓ نے مدینہ کی قربانی کا۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے یوم النحر میں بکریوں کو ذبح کیا۔ اور گائے اور اونٹوں کا شکر کیا تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن اپنی بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی دی تھی، یہ صحیحین میں ہے اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر میں حضرت عائشہ کی طرف سے ایک گائے ذبح کی تھی، اور سنن میں ہے کہ آپؐ نے آل محمد کی جانب سے ایک گائے شکر کی تھی۔ ابن حزم کا مذہب ہے کہ حاجی کے لئے ہدی کے ساتھ قربانی بھی شروع ہے۔ اور صحیح۔ انشاء اللہ پہلا طریقہ ہے۔ اور حاجی کے لئے ہدی مقیم کی قربانی کا حکم رکھتا ہے، کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل نہیں کیا نہ آپکے صحابہ کرام سے کہ انہوں نے ہدی اور قربانی کو جمع کیا ہو، بلکہ ان کی ہدی یہی قربانی تھی۔ پس یہ منیٰ جی ہدی ہے اور دوسری جگہ میں قربانی۔ را حضرت عائشہؓ کا یہ بیان کہ آپؐ نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی تھی تو اس میں ہدی پر قربانی کا اطلاق کیا گیا ہے۔ ابن قیم کا کلام ختم ہوا۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابوبکرؓ کی یہ حدیث امام بخاری نے صحیح بخاری میں نو جگہ روایت کی ہے کہیں مختصر کہیں مطول۔ مگر اسی کے کسی طریق میں مینڈوں کے ذبح کرنے کا ذکر نہیں دیکھا۔ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں: قاضی کہتے ہیں کہ دارقطنی نے کہا ہے کہ راوی کا یہ قول پھر آپؐ کو لے آیا یہ ابن عون کا وہم ہے، واصل یہ جملہ ابن سیرین نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے، مگر ابن عون نے اسے ابن سیرین کی سند سے ابوبکرؓ کی اس حدیث میں ذکر کر دیا۔ قاضی کہتے ہیں کہ امام بخاری نے یہ حدیث ابن عون سے روایت کی ہے مگر اس میں یہ فقرہ ذکر نہیں کیا غالباً انہوں نے اسے عمدۃ ترک کر دیا ہے۔ اور یہی حدیث مسلم شریف کی کتاب الدیات میں ابوب اور قرہ نے ابن سیرین سے روایت کی ہے انہوں نے بھی یہ زائد فقرہ نقل نہیں کیا، قاضی کہتے ہیں کہ بظاہر زائد فقرہ خطبہ عید الاضحیٰ کے سلسلہ میں کسی اور حدیث کا تھا، مگر راوی کو وہم ہوا اور اس نے اس کو خطبہ رجب میں ذکر کر دیا۔ یا یہ دو حدیثیں تھیں جو ایک دوسری میں ملا دی گئیں۔ امام مسلم نے ”الضمایا“ میں حضرت انسؓ کی یہ حدیث بروایت ابوب و بشام عن ابن سیرین روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز پڑھی، پھر خطبہ دیا، میں حکم دیا کہ جو لوگ نماز سے پہلے قربانی کر چکے ہیں۔ ان کی قربانی صحیح نہیں ہوئی اس لئے وہ دوبارہ قربانی کریں۔ اس حدیث کے آخر میں ہے: پھر آپؐ لوٹ کر گئے دوسیاہ مینڈھوں کی طرف الخ۔ پس یہی صحیح ہے اور اس سے اشکال رفع ہو جاتا ہے۔ انتہی۔

قال، فلما اكمل تحركه استدعى بالخلق
توجہ: پس جب نحر کامل پورا کر لیا تو حلق کو طلب فرمایا،

اور حاجی کی قربانی کا مسئلہ اختلافی ہے،
کیا مسافر اور حاجی کے ذمہ قربانی واجب ہے؟ چنانچہ لاسع کے حاشیہ میں ہے کہ عینی کہتے ہیں: کیا

مسافر کے ذمہ بھی قربانی واجب ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے، امام شافعی کا قول ہے کہ یہ سب
لوگوں کے لئے سنت ہے۔ منیٰ میں حاجی پر بھی۔ اور امام مالک کا قول ہے کہ اس کے ذمہ قربانی نہیں۔
اور سوائے منیٰ میں حج کرنے والے کے کسی کو اس کے ترک کرنے کا حکم نہیں کیا جائے گا۔ اور امام ابو حنیفہ
فرماتے ہیں کہ مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے، اھ اور موفق، کتاب الحج میں کہتے ہیں: ”جب یوم النحر میں جمرہ
عقد کی رسی سے فارغ ہو تو ٹھہرے نہیں، بلکہ فوراً واپس آجائے، اب سب سے پہلے جو کام اسے کرنا ہے وہ
ہدی کا نحر ہے۔ اگر اس کے ساتھ ہدی ہو، خواہ واجب ہو یا نفل کی۔ پس اگر ہدی ساتھ نہ لایا ہو، اور اس
کے ذمہ ہدی واجب ہو تو خرید لے اور اگر اس کے ذمہ واجب نہیں تو بہتر ہے کہ قربانی کا جانور خرید کر قربانی کر دے
اور صحابہؓ نے گائے اور اونٹوں میں شرکت کی تھی: صحیح

اونٹ اور گائے میں صحابہ کا اشتراک | مسلم میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ”ہم نے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا۔ پس ہم نے اونٹ کا سات آدمیوں کی جانب سے نحر کیا اور گائے
بھی سات کی جانب سے ذبح کی“ امام مسلم نے اس مضمون کی متعدد روایتیں نقل کی ہیں۔

پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نحر کا عمل پورا کر لیا تو حلق
حلق کے نام میں اختلاف | کو طلب فرمایا: خنس بن قیس کی تصریح کے مطابق یہ عمر بن عبد اللہ بن حنظلہ

بن عوف تھے۔ اور بدل میں ہے کہ ”نودویٰ کہتے ہیں کہ حلق کے نام میں اختلاف ہے، پس صحیح اور مشہور
یہ ہے کہ ان کا نام عمر بن عبد اللہ عدوی ہے۔ اور بخاری میں ہے کہ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ عمر بن عبد اللہ
تھے۔ اور کہا گیا ہے کہ اس کا نام خیراش بن امیہ بن ربیعہ الکلبی ہے“ اھ اور زر قانی نے شرح مواہب میں
ان دونوں ناموں پر مفصل کلام کیا ہے۔ اور دونوں کے بارے میں روایات نقل کی ہیں۔ اور پہلا نام
عمر بن عبد اللہ بن فضلہ ذکر کیا ہے، یعنی ”حنظلہ“ کے بجائے ”فضلہ“ اور حانظلہ نے بھی فتح میں ”فضلہ“
بی: کر کیا ہے۔ پس البدی میں حنظلہ کا لفظ تصحیف ہے اور زر قانی نے اس کو بفتح نون اور سکون

فخلق رأسه و قدم شعده۔

ترجمہ: پس اس نے آپ کا سر کا حلق لیا۔ اور اپنے مٹھے مبارک تقسیم فرما دیئے۔

ضاد کے ساتھ ضبط کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ بڑی عمر کے صحابی تھے، ہاجرین حبشہ میں شامل تھے۔ اور کہا کہ ابن السکن کا بیان ہے کہ خراش بن امیر صرف ایک حدیث کے راوی ہیں۔ اور وہ یہ کہ میں نے عمرۃ القضا میں مروی کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلق کیا تھا، ابن الکلبی کہتے ہیں کہ انہوں نے عمرۃ القضا میں حلق کیا تھا یا عمرہ حدیبیہ میں؟ احد اور حلفہ فرماتے ہیں، حلاق کے نام میں اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ وہ عمر بن عبد اللہ تھے، جیسا کہ بخاری نے ذکر کیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ خراش بن امیر تھے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ خراش نے عمرہ حدیبیہ میں حلق کیا تھا، ابن ہشام نے عمرہ حدیبیہ کے بارے میں ابن اسحاق کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میری اطلاع کے مطابق آپ کا حلق خراش بن امیر بن الفضل الخزاعی نے کیا تھا، احد۔ پس اس نے آپ کے سر کا حلق کیا، اور ناخن تراشے اور لبوں اور خنکوں کے بال لٹے۔ جیسا کہ طبقات ابن سعد میں ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مٹھے مبارک تقسیم فرما دیئے۔

موٹے مبارک کی تقسیم جیسا کہ روایات میں معروف ہے، ان طبقات میں ہے کہ آپ نے اپنے مٹھے مبارک اور ناخنوں کو دفن کرنے کا حکم فرمایا، آج ممکن ہے پہلے آپ نے دفن کرنے کا حکم فرمایا ہو پھر جب صحابہ کا شدید اشتیاق دیکھا کہ وہ مٹھے مبارک حاصل کرنا چاہتے ہیں تو تقسیم کرنے کا حکم فرمایا، چنانچہ طبقات ہی میں ہے کہ حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حلاق آپ کا حلق کر رہا ہے، اور آپ کے صحابہ آپ کے گرد جمع ہیں وہ چاہتے ہیں کہ جو بال بھی گرے کسی آدمی کے ہاتھ ہی میں گرے۔ الخ اور اگر تطبیق کے لئے یہ توجہ نہ کی جائے تو صحیح بخاری کا بیان زیادہ صحیح ہے۔ دق ایس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اختلاف روایات کے مطابق ابو طلحہ کو دائیں یا بائیں جانب کے مٹھے مبارک عطا فرمائے۔ (دق) اس امر میں روایات بہت ہی مختلف ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کونسی جانب ابو طلحہ کو مرحمت فرمائی اور کونسی جانب لوگوں میں تقسیم فرمائی۔ در صورت اول خود ابو طلحہ کو عطا فرمائے یا ان کی اہلیہ ام سلیم کو؟ اس سلسلہ میں شیخین وغیرہ کی روایات مختلف ہیں جیسا کہ شیخ ابن قیم صاحب البدایہ والنہایہ اور زرقانی نے شرح مواہب میں تفصیل سے ذکر کی ہیں شیخ ذہبی

سرفہ نے بدل میں شیخ ابن قیمؒ کے کلام کا خلاصہ ذکر کیا ہے اور میں نے تلخیص بدل میں خلاصہ کا خلاصہ دیا ہے جو بہت ہی مختصر ہے اور وہ اس مختصر کے مناسب ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: اس کا قول: وہ ابو طلحہؓ کو دئے اور سلمؓ کی روایت میں ہے کہ اُمّ سلیمؓ کو دئے پس احتمال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ سلیمؓ کو دئے ہوں کہ وہ اپنے شوہر ابو طلحہؓ کو دے دیں۔ غالباً ابو طلحہؓ اس وقت دہاں موجود نہ ہوں گے۔ بلکہ میرے مبارک کی تقسیم میں مشغول ہوں گے شیخ قدس سرفہ کا رجحان اسی طرف ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ آپؐ نے ابو طلحہؓ کو دئے ہوں تاکہ وہ اُمّ سلیمؓ کے سپرد کر دیں کہ ان کے پاس محفوظ رہیں۔ راہدائیں، بایں کا اختلاف تو شیخ ابن قیمؒ نے اس کو مفصل لکھا ہے۔ ان کے بیان کا حاصل یہ ہے کہ مقدسی کا رجحان اس طرف ہے کہ ابو طلحہؓ کو دائیں جانب عطا فرمائی، اور مقدسی نے اس کو ابن عون کی روایت سے ترجیح دی ہے جو صحیح بخاری میں ان الفاظ سے مروی ہے: ابو طلحہؓ پہلے شخص تھے جنہوں نے آپؐ کے سرے مبارک حاصل کئے: اور حافظ ابن قیمؒ کا رجحان یہ ہے کہ ابو طلحہؓ کو خود ان کی ذات کے لئے بائیں جانب عطا فرمائی تھی۔ اور وہ بخاری کی روایت کی توجیہ اس طرح کرتے ہیں کہ ابو طلحہؓ کو دائیں جانب میں سے بھی حصہ ملا تھا۔ اور بائیں جانب تو خاص ان ہی کے لئے مخصوص تھی۔ ابن قیمؒ نے اپنے قول کی تائید میں متعدد روایات ذکر کی ہیں جن میں تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں جانب تقسیم فرمائی تھی۔ اور بائیں جانب ابو طلحہؓ کو ان کی ذات کے لئے عنایت فرمائی تھی۔ اس بنا پر ابن قیمؒ کے نزدیک ابو داؤد کی روایت راجح ہے، جس میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلاق کو بلایا اس نے آپؐ کے سر کی دائیں جانب کے بال اتارے۔ پس آپؐ ارد گرد لوگوں کے درمیان ایک ایک دو دو بال تقسیم فرمانے لگے، اسی طرح شیخ قدس سرفہ نے بدل میں اس روایت کو اصل قرار دیا ہے۔ اور سلمؓ شریف کی وہ روایت جس کے الفاظ یہ ہیں: آپؐ نے دائیں جانب حلاق کی طرف کی، اس نے دائیں جانب حلق کیا، آپؐ نے ابو طلحہؓ کو بلا کر یہ بال ان کو دے دیئے۔ پھر حلاق کی طرف بائیں جانب کی اور اسے بالی اتارنے کا حکم فرمایا۔ اس نے بائیں جانب کے بال اتارے وہ آپؐ نے ابو طلحہؓ کو دے کر فرمایا یہ لوگوں میں تقسیم کر دئے شیخ نے اس کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ اس روایت میں تقدیم و تاخیر ہوئی ہے، یا یہ کہا جائے کہ اس کو تقسیم کر دئے۔ ”کی ضمیر قریب کی طرف نہیں بلکہ بعید کی طرف راجح ہے یعنی حوالہ پہلے اتارے گئے تھے ان کو تقسیم کرنے کا حکم فرمایا، پس غور کر لو، تلخیص بدل کا مضمون ختم ہوا۔“

اور حافظ روایات کا کچھ اختلاف ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں اور ان روایات میں تعارض نہیں۔ بلکہ ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ آپؐ نے دونوں جانب کے بال ابو طلحہ کو دیئے، دائیں جانب کے تو ابو طلحہؓ نے آپؐ کے حکم سے تقسیم کر دیئے اور بائیں جانب کے انہوں نے آپؐ کے حکم سے اپنی بیوی ام سلیم کو دے دیئے۔ اور امام احمدؒ کی روایت میں یہ اضافہ ہے تاکہ وہ ان کو اپنی خوشبو میں ڈال لیا کریں۔ الخ۔

آپؐ کے پسینہ مبارک کی خوشبو | میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلیم کو خوشبو میں موئے مبارک ڈالنے کا جو حکم فرمایا غالباً

اس کی وجہ وہ روایت ہے جو جمع الوسائل میں صحیح مسلم سے نقل کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ام سلیم کے ہاں آرام فرما رہے تھے، آپؐ کو پسینہ آیا، ام سلیم آپؐ کا پسینہ صاف کر کے شیشی میں جمع کرنے لگیں، آپؐ بیدار ہوئے تو دریافت فرمایا کہ یہ کیا کرتی ہو؟ ام سلیم نے عرض کیا کہ یہ آپؐ کا پسینہ مبارک ہے، ہم اس کو اپنی خوشبو میں ڈالیں گے۔ اور یہ سب سے عمدہ خوشبو ہے۔ اہ جب آپؐ کے پسینہ کا یہ حال ہے تو آپؐ کے موئے مبارک کی عطریہ کی کیا پوچھا؟

اور زرقانی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم | موئے مبارک کی تقسیم کی حکمت اور ابو طلحہؓ کی تخصیص کی وجہ

اور سامان تسلی ہو۔ گویا اس سے قرب اجل کی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا۔ اور ابو طلحہؓ کو موئے مبارک کی تقسیم پر مامور فرمانے میں اسی مضمون کی طرف اشارہ تھا، کیونکہ ابو طلحہؓ ہی نے آپؐ کی قبر مبارک تیار کی، الحمد للہ، اور اس میں کچی لاشوں کی چٹائی کی۔ اور اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ امام کبیر بعض حضرات کو عطیہ ادبہ دیہ وغیرہ کی تقسیم پر مامور کر سکتا ہے۔ اہر شیخ قدس سرہ کو کتب میں فرماتے ہیں: آپؐ نے وہ موئے مبارک ابو طلحہؓ کو، جو ام سلیم والدہ انس بن مالک کے شوہر تھے۔ عطا فرمائے، اس سے ان حضرات کی فضیلت معلوم ہوتی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اکابر کے بالوں کے ساتھ ادبہ اسی طرح لباس وغیرہ کے ساتھ تبرک حاصل کرنا جائز ہے۔ اور یہاں سے یہ نکتہ بھی انتباہ کیا جاسکتا ہے کہ تقسیم کے معاملہ میں افاضل کی تقدیم ضروری نہیں، چنانچہ

و قسمہ اظفارہ

ترجمہ: اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ناخن تقسیم فرمائے۔

اس موقع پر حضرات ابو بکر و عمر اور دیگر فاضل صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ مگر جس قدر موئے مبارک ابو طلحہ کو عطا فرمائے کسی دوسرے کو عطا نہیں فرمائے، البتہ اگر اس سے ان کی کبیدگی کا اندیشہ ہو تو ایسا کرنا مناسب نہیں: ۱۱

حلق نسک یا صر ممنوع
اشیاء کو مباح کرنا یا صر ممنوع
کے لئے ہے؛ یہ ایک مشہور اختلافی مسئلہ ہے۔ جس کی تفصیل اور جزئیں
ہے۔ جمہور علماء پہلی رائے پر ہیں۔ اور امام بخاریؒ نے صحیح میں ایک

باب کا عنوان قائم کیا ہے ”باب الحلق والتقصیر عند الاحلال“، حافظ فرماتے کہ امام بخاریؒ اسی ترجمہ الباب سے بتانا چاہتے ہیں کہ حلق عبادت ہے۔ کیونکہ انہوں نے حلال ہونے کے وقت حلق و تقصیر کا لفظ استعمال کیا ہے، یعنی حلق خود تحلل نہیں بلکہ حلال ہونے کے وقت کیا جاتا ہے، گویا انہوں نے اس دعا پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق کرانے والوں کے لئے دعا فرمائی۔ اور دعا ثواب کے کام پر ہوتی ہے۔ اور ثواب عبادت پر ہی ہوتا ہے نہ کہ مباحات پر۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلق کو قصر سے افضل قرار دینا بھی اسی طرف مشعر ہے۔ کیونکہ مباحات میں باہمی تفاضل نہیں ہوتا ہے۔ اور جمہور حلق کے عبادت ہونے کے قائل ہیں۔ اور شافعیہ کے نزدیک بھی یہی صحیح ہے۔ اور نوویؒ شرح جندب میں فرماتے ہیں کہ ابن منذر وغیرہ کے کلام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حلق کے عبادت نہ ہونے کے صرف امام شافعیؒ قائل ہیں، اور امام احمد سے بھی ایک روایت ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ سے بھی نقل کیا گیا ہے۔ موثق کہتے ہیں امام احمدؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ عبادت نہیں، بلکہ احرام کی بنا پر جو چیزیں ممنوع اور حرام قصیں محض ان کو مباح کرنا ہے۔ اتہنی من الادب مختصراً۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ناخن تقسیم فرمائے۔ اور المدی

آپ کے ناخن کی تقسیم
میں سند امام احمد کی روایت سے نقل کیا ہے کہ آپ نے اپنے سر کی بائیں

جانب کے موئے مبارک ابو طلحہ کو دیئے، پھر ناخن تراشے اور ان کو لوگوں پر تقسیم فرما دیا، اور ایک روایت میں محمد بن زبیر سے مروی ہے کہ ان کے والد نے ان سے بیان کیا کہ وہ قریش کے ایک آدمی کے ساتھ قرآن لکھا

رقلت، ثم لبس ثيابه و طيب رقال، ثم افاض الى مكة قبل الظهور اكباً رقلت
على راحلته

توجہ: دش پھر آپ نے اپنے کپڑے پہنے اور خوشبو لگائی (رق)، پھر آپ مکہ کی جانب روانہ ہوئے ظہر
سے پہلے، سوار ہو کر (دش) اپنی اونٹنی پر،

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے، اور آپ قربانی کے جانور تقسیم فرما رہے تھے،
مگر ان کو کچھ نہ ملا، نہ ان کے رفیق کو، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کپڑے میں سر کا حلق کر لیا،
پس وہ آپ کی خدمت آئے اور ان میں سے کچھ بال چمدا فرادہ پر تقسیم فرمائے، اور آپ نے اپنے ناخن
اسارے، پس وہ ان کے رفیق کو عطا فرمائے، اتہی۔

(رق) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق کرنے والوں کے لئے تین مرتبہ اور قصر کرنے والوں
کے لئے ایک مرتبہ دعا فرمائی۔ امیر شیخ ابن قیمؒ نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کا سعی پوری کرنے کے بعد مردہ کے پاس یہ دعا فرمانا پہلے گندرج کا ہے۔ اور اسی جگہ یہ بحث بھی
گندہ چکی ہے۔ کہ یہ قصہ حدیث کا ہے یا حجتہ الوداع کا؟ اور ہر تقدیر دوم مردہ کے پاس کا ہے یا منی
کا؟ اور یہ کہ محققین کے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہ دعا دونوں موقعوں پر فرمائی۔ لیکن حجتہ الوداع میں مردہ
کے پاس فرمائی یا منی میں؟ تو اس بارہ کے نزدیک مردہ کے پاس فرمانا واجب ہے کیونکہ وہاں حلق کرنا حلال
ہونے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا کمال اتباع تھا، لیکن منی میں حلق کرنے والوں کی کوئی
تخصیص نہ تھی کہ ان کے لئے تین بار دعا فرماتے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لندخلن المسجد
الحرام ان شاء الله امنین معلقین رؤوسهم و متعصرین لا تحفون" میں وہاں
تقصیر میں بھی ارشاد خداوندی: و متعصرین کی پیروی تھی۔

طوافِ افاضہ کیلئے تشریف لیجانا | اس سلسلہ کی روایات صاحب البدایہ والنہایہ نے تفصیل
سے ذکر کر دی ہیں۔ (رق)، پھر آپ اسی دن بروز ہفتہ مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اور اس پر گفتگو آگے
آتی ہے کہ کیا آپ نے رات کے قریب تک طواف مؤخر کیا؟ ظہر سے پہلے اور اس پر گفتگو آگے آتی
ہے کہ آپ نے ظہر کہ میں پڑھی یا منی میں؟ سوار ہو کر۔ (دش) اپنی اونٹنی پر جیسا کہ البدایہ والنہایہ

میں متعدد روایات میں اس کی تصریح ہے۔ اور ابو داؤد نے اپنی سند سے حضرت غزوہ بن حارث کنزی سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں حجتہ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس ابوالحسن (حضرت علیؑ) کو بلاؤ۔ بعد ازاں پوری حدیث ذکر کی، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؑ دونوں کامل کراؤٹوں کا ذکر کرنا مذکور ہے۔ اور اس کے آخر میں ہے۔ پس جب فارغ ہوئے تو اپنی خچر پر سوار ہوئے اور حضرت علیؑ کو اپنے پیچھے سوار کیا، صاحب البدایہ والنہایہ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ابو داؤد اس کے ساتھ متفق ہیں، اور اس کی سند اوتھن میں غایت ہے، ابو داؤد کی اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ صحیح مسلم میں ابو داؤد کی کتاب الحج، باب مبدء السقاء میں بکر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ابن عباسؓ سے کہا کہ کیا قصہ ہے کہ اس گھرنے کے لوگ نبینہ پلاتے ہیں؟ اس کا سبب بخل ہے یا احتیاج؟ ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر ہمارے پاس تشریف لائے، آپ کے پیچھے اسامہ بن زید سوار تھے الخ، اس حدیث سے اسامہ بن زید کا آپ کے پیچھے سوار ہونا ثابت ہے، اس کی توجیہ یہ ہے کہ اسامہ کا پیچھے سوار ہونا فتح مکہ میں تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری کی روایت میں حضرت ابن عمرؓ سے اس کی تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن اعلیٰ مکہ سے اپنی اونٹنی پر تشریف لائے۔ اور اسامہ بن زید کو اپنے ساتھ سوار کر رکھا تھا الخ، یا یہ کہا جائے کہ ابو داؤد کی روایت میں غایت ہے، جیسا کہ صاحب البدایہ والنہایہ نے کہا ہے۔

صاحب نسیم الریاض نے شرح شفا میں ان حضرات کے ناموں کی فہرست ذکر کی ہے جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اور جن حضرات کو آپ کے ساتھ سوار ہونے کا شرف حاصل ہوا ان کے ناموں کی فہرست

وہ یہ ہیں، اسامہ بن زیدؓ، عوفہؓ، واپسی میں، حضرت ابوبکر صدیقؓ، سفیر بھرت میں، عثمانؓ، حجتہ الوداع میں، عبد اللہ بن جعفرؓ، آپ کے نواسے بنو ہاشم کے دوڑ کوں کے ساتھ، حضرت عباسؓ کے تینوں صاحبزادے حسنؓ، حسینؓ، معاذیہؓ، معاذ بن جبلؓ، ابو ذرؓ، زید بن حارثہؓ، ثابت بن ضحاکؓ، شریک بن سویدؓ، سلمہ بن کوثرؓ، زید بن سہیلؓ، ابو طلحہؓ، سہیل بن بیضاؓ، آپ کے نواسے علی بن زینبؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ، بنو مطلب کا ایک لڑکا۔ اسامہ بن غیرؓ، ضعیف بنت حنیؓ۔ ابو السدادرؓ، آمنہ بنت ابی الصلتؓ، ابویاسؓ، ابوہریرہؓ، قیس بن سعدؓ

فطاف طواف الافاضۃ (قلت) راکباً۔

ترجمہ: پس طواف افاضہ کیا دش (سواری پر۔

نواف بن جبریل علیہ السلام براق پر شب امراء میں، ام حبیبہؓ جنتہ۔ زید بن ارقمؓ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم، اور ابن مندہ نے بعض دیگر حضرات کا بھی اضافہ کیا ہے، انتہی مختصراً۔

پس طواف افاضہ کیا۔ اس کو طواف زیارۃ اور طواف صد بھی کہتے ہیں۔ کذا فی

طواف افاضہ | الہدی۔ اور مختصر تھامیل میں ہے: مکروہ ہے یہ کہ کہا جائے طواف زیارت یا کہا جائے کہ زیارت کی ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی، دروہ کہتے ہیں: کیونکہ زیارت کے لفظ سے استغناء مفہوم ہوتا ہے اور غالباً یہ کسی گزشتہ زمانے میں ہوگا، مگر آج کل یہ لفظ تعلیم کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور رض (سواری پر۔ سواری پر طواف کرنے کی بحث طواف قدم میں گذر چکی ہے۔

اور افاع ثلاثہ میں ہمارے شیخ المشائخ شاہ عبدالعزیز دہلوی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ | قدس سرہ نے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: حجۃ الوداع میں جناب مسجدین بول و براز سے محفوظ رہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی پر سوار ہو کر طواف فرمایا تھا۔

جس سے مقصود تعلیم افعال طواف بھی اور لوگوں کے سوال کا جواب دینا اور اس حالت میں آپ کی اونٹنی نے نہ جگلا، نہ یتنگیاں کیں۔ اور نہ پیشاب کیا۔ پس حرمت مسجد بھی محفوظ رہی اور مقصود تعلیم بھی حاصل ہو گیا۔ اور حافظ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سواری پر طواف کرنا اس ضرورت کی بنا پر تھا کہ لوگ آپ سے مناسک سیکھ سکیں۔ اسی بنا پر جن حضرات نے آپ کے خصائص کو جمع کیا ہے انہوں نے اس کو منجملہ خصوصیات نبویہ کے شمار کیا ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس وقت آپ کی اونٹنی بطور آپ کی کرامت کے۔ بول و براز سے محفوظ رہی ہو۔ اس لئے دوسرے مؤرخین کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی ناقہ سدھائی ہوئی تھی، اس لئے اس کے چلنے کے دوران تلویث کا خطرہ نہیں تھا۔ ممکن ہے یہی حال ام سلمہؓ کے اڑٹ کا بھی ہو۔ اور

رق) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے علاوہ کوئی طواف نہیں کیا۔ اور اس طواف کے سلسلہ سعی نہیں کی، فتح ابن قیمؒ کے نزدیک یہی صحیح ہے۔ اور اس امر کی تین جماعتوں نے مخالفت کی ہے۔ اول وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ آپ نے دو طواف کئے، طواف قدم اور طواف زیارت۔ دوم وہ جماعت

جو کہتی ہے کہ آپ نے اس طواف کے ساتھ سعی بھی کی کیونکہ آپ قارن تھے، سووم وہ جماعت جن کا خیال ہے کہ آپ نے اس دن طواف نہیں کیا بلکہ طواف کو رات تک مؤخر کیا شیخ ابن قیمؒ ان کے دلائل ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: ”اور اس شخص کو دوم ہو جس نے یہ کہا کہ آپ نے دو مرتبہ طواف افاضہ کیا، ایک بار دن میں اور ایک بار رات میں (دش)، اور اس پر گفتگو غمگین آتی ہے کیونکہ اس کا منشا بخاری کی روایت ہے۔

اور حنفیہ کا مسلک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف افاضہ کے بعد سعی کی تھی، اس لیے طواف کے بعد سعی بھی کی تھی۔ کیونکہ ان کا مسلک

یہ ہے کہ قارن کے ذمہ دو طواف اور دو سعی ہیں۔ اس کی تفصیل اول رسالہ میں گذر چکی ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی نوعیت میں اولام کا بیان آیا تھا۔ اور ائمہ ثلاثہ کا قول ہے کہ قارن کے ذمہ صرف ایک طواف اور ایک سعی ہے شیخ ابن قیمؒ کا کلام اسی پر مبنی ہے۔ اور وہ اس کے خلاف کو وہم کہتے ہیں۔ اور القرمی لقاصد المرقی میں بحوالہ سند احمد ابن عباسؒ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی پر طواف کیا، آپ اپنی چھڑی سے حجر اسود کا استلام فرماتے تھے، طواف سے فارغ ہوئے تو زمزم پر گئے، آپ کے بنوعم نہ چیرے بھائی پانی کھینچ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا مجھے دو۔ دو ل آپ کو دیا گیا، آپ نے نوش فرمایا، پھر نکلے، پس صفاء مردہ کا طواف کیا۔ پس یہ حدیث اس باب میں صریح ہے کہ آپ نے طواف افاضہ کے بعد سعی کی، کیونکہ طواف قدیم بیدل تھا، جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

رقی) اور ابو داؤد اور نسائی میں جو حدیث

کیا آپ نے طواف افاضہ رات تک مؤخر کیا تھا

بروایت ابوالزبیر حضرت عائشہؓ اور حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم نحر کا طواف رات تک مؤخر کیا، یہ حدیث معلول ہے۔ اس کے علل کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: ”بظاہر اوس سے طواف کے نام میں غلطی ہوئی ہے۔ کیونکہ رات تک تاخیر کا قصہ طواف دواغ کا ہے۔“ بعد ازاں اس پر فصل کلام کیا ہے۔ اوپر جو حدیث عائشہؓ و جابرؓ کا لفظ آیا ہے یہ کاتب کی غلطی ہے۔ ورنہ ابو داؤد میں ابوالزبیر کی حدیث حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اور خود حافظ ابن قیمؒ نے بھی حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے ابوالزبیر کے سماع پر بحث کی ہے، اور بحث میں حضرت جابرؓ کا ذکر نہیں آتا۔ اسی طرح امام بخاری نے صحیح میں تعلیقات یوں ذکر کیا ہے: ”ابوالزبیر نے عائشہؓ اور ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت نے طواف زیارۃ

کورات تک مؤخر کیا: اصرار علماء نے ابوازیر کی اس حدیث میں اختلاف کیا ہے، اور حافظ ابن قیم نے اسے ضعیف قرار دینے پر مفصل کلام کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: یہ حدیث واضح طور پر غلط ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل معروف کے خلاف ہے، جس میں آپ کے حج سے واقفیت رکھنے والوں کو ذرا بھی شک نہیں، اور امام ترمذی کا قول ہے جو ان کی کتاب العلل میں ہے۔ نقل کیا ہے کہ انہوں نے (امام ترمذی نے) امام بخاری سے دریافت کیا کہ ابوازیر کا سماع حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے ثابت ہے؟ امام بخاری نے جواب دیا کہ ابن عباس سے تو ثابت ہے اور حضرت عائشہؓ سے ان کا سماع حمل نظر ہے، اور ابن قطان کہتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ حدیث صحیح نہیں، پوری تفصیل ترمذی کی کتاب العلل میں ہے۔ اور بحث کے آخر میں شیخ ابن قیم کہتے ہیں کہ دراصل غلطی طواف کے نام میں واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف وداع کو آخر شب تک مؤخر کیا تھا، جیسا کہ صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ یہاں حضرت عائشہؓ کی طویل حیات جس میں ان کے اپنے بھائی کے ساتھ عمرہ تنعیم کا ذکر ہے نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں: بغیر کسی شک و شبہ کے ٹھیک طور پر یہی طواف ہے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر شب تک مؤخر کیا تھا۔ پس ابوازیر نے یا ان سے روایت کنندہ نے غلطی سے یہاں طواف وداع کے طواف زیادہ کا لفظ ذکر کر دیا، انتہی مختصراً۔

اور صاحب البدایہ والنہایہ ان روایات کے طرق کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: اگر اس کی تاویل کی جائے کہ آپ نے طواف زیارت کو مابعد زوال تک مؤخر کیا، گویا رات سے مراد شام ہے تو یہ روایت صحیح ہے اور اگر رات سے مراد مابعد غروب لیا جائے تو یہ بہت ہی بعید اور روایات صحیحہ کے مخالف ہے۔ اور جس طواف کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کو گئے تھے وہ طواف وداع ہے، بعض راویوں کو بھی طواف زیارت سے تعبیر کر دیتے ہیں: یا اس سے مراد زیارت محضہ کا طواف ہے جو طواف وداع سے قبل اور طواف قدر یعنی طواف قرعہ کے بعد ہوتا کیونکہ روایات میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ کی راتوں میں ہر رات زیارت بیت اللہ کے لئے آتے تھے۔ مگر یہ تاویل بھی بعید ہے، انتہی مختصراً۔

اور شیخ بدل میں فرماتے ہیں: اس کی یہ تاویل ممکن ہے کہ حدیث کا اصل لفظ وہ تھا جو امام بخاری نے تعلیقاً ذکر کیا ہے یعنی آپ نے مؤخر کیا زیارت کورات تک: اور زیارت سے

اد طواف زیارۃ نہیں بلکہ زیارت بیت اللہ تھی۔ مگر کسی راوی نے اس سے یہ سمجھ کر کہ مراد طواف زیارت ہے۔ اس کو یوں روایت کر دیا کہ مؤخر کیا طواف یوم النحر کورات تک اور امام بخاری نے بصیغہ تریض ذکر کیا ہے کہ اور ذکر کیا جاتا ہے بواسطہ ابوجحان کے ابن عباس سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ کے ایام میں بیت اللہ کی زیارت کیا کرتے تھے۔ گویا امام بخاری حدیث ابوانزیر میں ذکر شدہ لفظ زیارت کو طواف زیارت پر نہیں بلکہ زیارت بیت اللہ پر محمول کرتے ہیں۔ اھ اور میرے حاشیہ بدل میں ہے کہ ابن حجر نے شرح منہاج میں یہ تاویل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انواع مطہرات کا طواف مؤخر کیا، اور خود بھی ان کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اھ اور تلامذہ قاری نے ابن حجر کی مذکورہ بالا توجیہ کو نووی سے نقل کر کے لکھا ہے کہ اس تاویل پر کوئی دلالت نہیں نہ لفظاً نہ معنایاً نہ حقیقتاً نہ مجازاً۔ مزید برآں یہ کہ اس کلام کے بین السطور یہ عجیب و غریب بات بھی پائی جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طواف زیارت کے لئے دوسری بار آئے پس سب سے بہتر یہ توجیہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے رات تک تاخیر زیارت کو مطلقاً جائز رکھا ہے یا اپنی ازواج مطہرات کورات تک طواف مؤخر کرنے کا حکم فرمایا۔ اور ابن حجر کا یہ کہنا کہ خود آپ بھی ان کے ساتھ تشریف لے گئے۔ صحیح نہیں۔ کیونکہ ازواج مطہرات کی معیت میں آپ کا دوبارہ رات میں آنا ثابت نہیں۔ اھ لیکن شیخ ابن ہمام کا رجحان یہی ہے جیسا کہ ابھی آتا ہے اور امام سرخسی نے مبسوط میں اس زیارت کو نفلی طواف پر محمول کیا ہے۔

اد شیخ قدس سرہ کو کتب میں فرماتے ہیں: قولہ: آخر طواف الزیارة اگر اس سے مراد یہ ہے کہ خود آپ نے رات وقت طواف کیا تو مسلم نہیں۔ کیونکہ اہل علم متفق ہیں کہ آپ نے ظہر سے قبل طواف کیا تھا۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ دوسروں کے لئے اس کے وقت کورات تک مؤخر فرمایا، یعنی رات تک طواف کو جائز قرار دیا تو ظاہر ہے کہ طواف زیارت کو بارہ تاریخ تک مؤخر کرنا ہمارے نزدیک بلاکراحت اور بغیر وجوب دم کے جائز ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک ہمارا تاریخ تک پس ”رات تک تاخیر“ کے کوئی معنی نہ ہوئے۔ اس لئے حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ طواف زیارت کے وقت مستحب کورات تک مؤخر کیا۔ اس کے بعد وقت مستحب باقی نہیں رہتا۔ اھ اور اس کے

(قال) ثم اتی ذمزم

توجہ: (وق) پھر زمزم پر آئے

حاشیہ میں ذکر مختار سے نقل کیا ہے کہ یوم نحر میں طواف کر لینا افضل ہے۔ اور قربانی کے تین دنوں میں سے کسی دن کر لینا واجب ہے۔ پس اگر ایام نحر اور ان راتوں سے مؤخر کر دیا تو مکروہ تحریمی ہے اور ترک واجب کی وجہ سے دم لازم ہوگا؛ انتہی مختصراً۔

گذشتہ بالا بحث سے ساتھ جواب نکل آئے۔ اَوَّل یہ کہ حدیث صحیح نہیں، بلکہ معلول ہے۔ یہ ابن عثمان نے ذکر کیا ہے۔ دُوم یہ کہ راوی سے طواف کے نام میں غلطی ہوئی۔ طواف وداع کے بجائے طواف زیارت کہہ دیا۔ یہ حافظ ابن قیمؒ نے ذکر کیا ہے۔ سَوم یہ کہ رات سے مراد مابعد غروب نہیں بلکہ مابعد زوال ہے۔ چہاں ہم یہ کہ بعض راوی طواف وداع کو طواف زیارت سے تعبیر کر دیتے ہیں، گو یا طواف زیارت طواف وداع کا غیر معروف نام ہے۔ پنجم یہ کہ اس سے طواف فرض مراد نہیں بلکہ طواف محض اور طواف نفل مراد ہے۔ یہ ابن کثیرؒ نے ذکر کئے ہیں۔ اور آخری جواب امام سرخسیؒ کا مختار ہے۔ اور یہی امام بخاریؒ کے ترجمہ الباب سے ظاہر ہے۔ ششم یہ کہ ازدواج مطہرات کے طواف کی تاخیر مراد ہے۔ یہ جواب نوویؒ نے شرح مہذب میں اصداغ کی اتباع میں ابن حجرؒ کی نے شرح منہاج میں ذکر کیا ہے۔ ہفتم یہ کہ طواف زیارت کی رات تک تاخیر کو جائز رکھنا مراد ہے۔

(وق) پھر طواف پورا کرنے کے بعد زمزم پر

طواف افاضہ کے بعد زمزم پر تشریف لانا

آئے۔ وہ لوگ پانی نکال رہے تھے، پس فرمایا کہ

اگر یہ خطرو نہ ہوتا کہ لوگ تم پر غالب آجائیں گے تو میں اتر کر تمہارے ساتھ پانی نکالتا۔ پھر انہوں نے آپؐ کو ڈول پکڑ لیا، پس آپؐ نے نوش فرمایا۔ کذافی الہدی۔ اور تلخیص بدل میں ہے کہ نوویؒ کہتے ہیں کہ آپؐ کا ارشاد: اگر یہ خطرو نہ ہوتا کہ لوگ تم پر غالب آجائیں گے، ”یعنی اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ کبیرؒ عمل کو دیکھ کر لوگ یہ اعتقاد کر بیٹھیں گے کہ یہ بھی منجملہ مناسک حج کے ہے، پس اس کو شنش میں تم پر چڑھ آئیں گے۔ اور تمہیں پانی نکالنے سے ہشادیں گے تو میں بھی تمہارے ساتھ پانی کھینچتا“۔ امدیہ واقعہ صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت جابرؓ کی طویل حدیث میں مذکور ہے اور اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ طبقات میں حضرت عطاءؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب طواف افاضہ

قشروب قائمًا۔
تو جیسا پس کھڑے ہو کر نوش فرمایا۔

کیا تو اپنے لئے خود ڈول نکالا، اس میں آپ کے ساتھ کوئی شریک نہیں تھا، پھر نوش فرما کر ڈول کا باقی ماندہ پانی کنوئیں میں ڈال دیا۔ اور ارشاد فرمایا، اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ اس کے نکالنے میں تم پر غالب آجائیں گے تو میرے سوا کوئی اس سے پانی نہ نکالتا۔ اس حدیث سے صاحب بدایہ نے استدلال کیا ہے کہ خود نکالنا مستحب ہے۔ اور اس کے حاشیہ میں بنایہ سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کو طبرانی و احمد اور ابن سعد نے روایت کیا ہے۔ احمد اور زبیری نے تخریج میں اس کے طرق کو مفصل ذکر کیا ہے۔ شیخ ابن ہمام کہتے ہیں کہ ان دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ ابن سعد کی روایت کا تہہ طواف و دواع کے بعد کیا ہے اور حضرت جابرؓ کی حدیث کا واقعہ طواف افاضہ کے بعد کا ہے۔ اور اس کے الفاظ اس سلسلہ میں بالکل واضح ہیں کہ پس آپ بیت اللہ گئے۔ ظہر کی نماز مکہ میں پڑھی، پس بنی عبدالمطلب کے پاس آئے، وہ لوگ پانی نکال رہے تھے، الخ اور آپ کا طواف دواع رات کے وقت ہوا تھا۔ اور حدیث پر ایک اشکال اس روایت سے بھی ہوتا ہے جو ازرتی نے تاریخ مکہ میں نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مستورات کی معیت میں رات کے وقت بیت اللہ پہنچے، پس اپنی اونٹنی پر طواف کیا، لہذا تھکی چھڑی سے حجر اسود کا استلام فرماتے تھے، پھر زمزم پر آئے اور فرمایا تم پانی نکالتے رہو اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم غلو ہو جاؤ گے تو میں بھی تمہارے ساتھ پانی نہ نکالتا۔ پھر آپ کے حکم سے پانی کا ڈول نکالا گیا، پس آپ نے نوش فرمایا، الخ الایہ کہ اس روایت کو اس پر محمول کیا جائے کہ ازواج مطہرات طواف افاضہ کیلئے بوقت شب تشریف لے گئیں تھیں، آپ بھی ان کے ہمراہ گئے تھے، اللہ اعلم، انتہی۔

پس کھڑے ہو کر نوش فرمایا۔ کھڑے ہو کر پانی پینے میں علماء کا بہت ہی اختلاف ہے اور وجہ میں اس پر بہت ہی بسط سے کلام کیا ہے۔ اور

کھڑے ہو کر پانی پینا

اس کی تلخیص حاشیہ الاتحاح میں ذکر کی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ علماء کے اس میں چند اقوال ہیں۔ اول یہ کہ نہی زمزم اور وضو کے باقی ماندہ پانی کے ماسوا کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ ہمارے بعض احناف کے ہاں مختار ہے۔ مثلاً صاحب نمید۔ ورمختار وغیرہ۔ دوم یہ کہ کھڑے ہو کر پانی پینا ضرورت کی بنا پر تھا۔ کہ دہاں بیٹھنے کی مناسب جگہ نہ ہوگی۔ سوم یہ کہ بوزاکی حدیث منسوخ ہے ابن حزم کا رجحان اسی طرف ہے۔ چہاں یہ کہ نہی کی حدیث منسوخ ہے، آخرم اسی طرف مائل ہیں۔ اور خود ہی نے اس پر شدید رد کیا ہے۔ پنجم

ثم رجع الى منى -

ترجمہ: پھر منی واپس آگئے

یہ کہ نہی تنزیہ کے لئے ہے اور فعل جواز کے لئے یہ نو دسی اور سیوطی وغیرہ کا مختار ہے۔ اور اکثر احناف نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ حتیٰ کہ جلی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ ششم: امام طحاوی نے اس کو اختیار کیا ہے کہ نہی حضرت کی بنا پر ہے پس یہ امر شرعی نہیں بلکہ ارشاد سیوطی ہے انتہی۔

عینی نے امام طحاوی سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اور یہی امام طحاوی کی معانی الآثار اور مشکل الآثار میں مذکور ہے۔ اور حافظ ابن حجر نے امام طحاوی سے جو نقل کیا ہے کہ نہی اس صورت پر محمول ہے جب کہ پانی پیتے وقت بسم اللہ نہ پڑھے۔ تو یہ شاید ان دو کتابوں کے علاوہ کسی اور کتاب میں ہو گا۔ اور شیخ قدس سرہ لایع میں فرماتے ہیں کہ نہی اس صورت میں ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا نقصان دہ ہو اور زمزم مضر نہیں۔ کیونکہ اس میں ضرر کا ثابتہ تک نہیں ہے پس زمزم کھڑے ہو کر پینا جائز ہوا۔

اور لایع کے حاشیہ میں زمزم کی فضیلت کی روایات تفصیل سے ذکر

آب زمزم کی فضیلت

اس میں من جملہ ان کے یہ ہے کہ حیریل علیہ السلام نے آپ کا سینہ مبارک آپ زمزم سے دھویا اور اسی میں ہے کہ علما کا اجماع ہے کہ زمزم کا پانی دنیا کے ہر پانی سے افضل ہے۔ سولے اس پانی کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتان مبارک کے درمیان سے پھوٹ نکلا تھا۔ یہ سوال کہ کیا آب زمزم آب کوثر سے بھی افضل ہے؟ اس میں علما کا اختلاف ہے بعض کا قول نفی میں ہے۔

مگر محققین اس طرف گئے ہیں کہ آب زمزم آب کوثر سے افضل ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ

شب معراج میں فرشتوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک آب زمزم سے دھویا تھا۔ اگر آب کوثر افضل ہوتا تو یقیناً وہی لایا جاتا۔ پوری تفصیل اسی جگہ دیکھی جائے۔

پھر آنحضرت منی واپس آگئے۔ اس میں اختلاف ہے کہ آپ

آنحضرت نے یوم نحر کی ظہر میں پڑھی یا منی میں؟ نے ظہر تک میں پڑھی یا منی میں واپس آکر؟ چنانچہ صحیحین

میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ظہر منی میں پڑھی یہ حدیث ابن قیم نے اسی طرح صحیحین سے نقل کی ہے، مگر حافظ زلیعی نے نصب الراية میں اور حافظ بن حجر نے الدرر النضر میں اور صاحب مشکوٰۃ نے صرف مسلم کی طرف منسوب کی ہے۔ نیز بیہقی نے السنن اور العرفۃ میں صرف مسلم کی طرف

منسوب کی ہے، جیسا کہ زیلعی میں ہے۔ نیز ابن ہمام نے بھی صحیح مسلم کی طرف منسوب کی ہے اور صحیح مسلم میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ آپؐ نے ظہر مکہ میں پڑھی۔ اور یہی قول حضرت عائشہؓ کا ہے۔ اب ایک جماعت نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے، اور ایک جماعت نے دوسری کو۔ اور شیخ ابن قیمؒ نے منیٰ میں ظہر پڑھنے کو راجح کہا ہے۔ اور مکہ میں ظہر پڑھنے کو وہم قرار دیا ہے۔ موصوف نے حسب عادت اس پر خوب بسط سے کلام کیا ہے اور فریقین کے دلائل اور ان کے وجوہ ترجیح کو مفصل بیان کیا ہے۔ ابن عربی کہتے ہیں کہ یہ بہت ہی مشکل ہے، کیونکہ دونوں روایتیں صحیح ہیں: اور ایک لاحالہ وہم ہے، مگر معلوم نہیں کہ صحیح کیا ہے: اھو اور عینی شرح ہدایہ میں کہتے ہیں کہ ایک روایت وہم ہے، مگر اس کی تعیین معلوم نہیں: اور اسی طرح ابن سید الناس نے بھی کہا ہے۔ جیسا کہ زیلعی نے نقل کیا ہے کہ ایک روایت لاحالہ وہم ہے۔ نیز حاطط نے درایہ میں ابن حزم سے نقل کیا ہے کہ ایک روایت وہم ہے اور زیلعی نے ابن حزم کے کلام میں یہ اضافہ کیا ہے کہ ایک روایت وہم ہے البتہ چند وجوہ سے غلبہ یہ ہے کہ آپؐ نے ظہر مکہ میں پڑھی: یہاں اس کی وجوہ ذکر کریں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ممکن ہے کہ آپؐ مکہ میں ظہر پڑھی ہو اور بیان جواز کے لئے منیٰ میں دوبارہ پڑھی ہو۔ صاحب البدایہ والنہایہ نے یہی تطبیق ذکر کی ہے، مگر یہ شافعیہ کے مذہب پر صحیح ہے کیوں کہ ان کے نزدیک فرض پڑھنے والے کا نقل پڑھنے والے کے پیچھے اقتدا کا صحیح ہے۔ اور مرقات میں ہے کہ نوویؒ کہتے ہیں ان دونوں روایتوں کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زوال سے قبل طواف افاضہ کیا، پھر ظہر کی نماز اول وقت میں مکہ میں پڑھی، پھر منیٰ لوٹ کر صحابہ کرامؓ کی درخواست پر ان کے ساتھ وہاں دوبارہ پڑھی، گویا منیٰ میں آپؐ کی نماز نقل تھی، ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو ایسی صورت پر محمول نہ کیا جائے جس کے جواز میں اختلاف ہو، بلکہ یہ تاویل کی جائے کہ آپؐ نے مکہ میں وہ گانہ طواف وقت ظہر میں ادا کیا اور منیٰ واپس آکر ظہر کی نماز پڑھی۔ یا یہ کہا جائے کہ دونوں روایتیں تعارض کی وجہ سے ساقط ہیں۔ پس ترجیح اس کو ہوگی کہ آپؐ نے مکہ میں ظہر پڑھی کہ وہاں افضل تھی۔ اور تنگی وقت اسکی مؤید ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طلوع آفتاب کے قبیل مزدلفہ سے چلے، منیٰ میں رجم کی سواونٹ خرکئے۔ ان کا گوشت پکایا کھایا۔ پھر مکہ گئے، طواف اور سعی کی۔ ظاہر ہے کہ ظہر کا وقت مکہ ہی میں آیا ہوگا۔ اور یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ آپؐ بلا ضرورت اس کو مستحب وقت سے مؤخر کر دیتے،

خبات بھا

تو چھ: پس رات و نماں رہے۔

اور یہاں کوئی ضرورت نہیں تھی۔ واللہ اعلم۔ آخر اور اجزا میں ہے کہ ہمارے شیخ المشائخ شاہ ولی اللہ دہلوی نے ”حجۃ اللہ“ میں مکہ میں نماز کو ترجیح دی ہے۔ اسی طرح ابن ہمام نے فتح میں اس کو رائج کہا ہے۔ اور صاحب ہدایہ اور مبسوط نے صرف آپ کے منی میں نماز پڑھنے کا ذکر کیا ہے۔ اور مکہ میں نماز پڑھنے کی روایت ذکر نہیں کی۔ اور شائع لباب نے مکہ میں نماز پڑھنے کو ترجیح دی ہے۔ البتہ اس کے نسخوں میں جو ہمارے پاس ہیں طباعت کی غلطیاں بہت ہیں۔

حضرت ام سلمہؓ کا راکھ طواف کرنا | (دی، ابن حزم کہتے ہیں کہ مسلم کی روایت کے مطابق حضرت ام سلمہؓ نے اس دن اپنے اونٹ پر طواف کیا کیونکہ

وہ بیمار تھیں۔ مگر اس میں یہ اشکال ہے کہ اسی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سورہ طور کی قرات کرنے کا ذکر بھی ہے، دن کے وقت ام سلمہؓ نے آپ کی قرات کیسے سن لی؟ اس لئے یہ عجیب ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ام سلمہؓ کا یہ طواف و طواف و دارع تھا جس کو شیخ ابن قیمؒ نے دلائل کے ساتھ خوب بسط سے بیان کیا ہے، اور حافظ نے فتح میں اس کی تصریح کی ہے۔ اور نسائی کی روایت میں یہ مخرج ہے اور صاحب البدایہ والہنایہ نے بھی اس پر جو م کیا ہے اور کہہ ہے کہ ”یوم النحر“ کا لفظ راوی کی غلطی ہے مزید تفصیل اوجیز میں

ایام تشریق کی راتیں منی میں گزارنے کا حکم | پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منی لوٹ آئے پس

بعد جرات کی رمی کرتے۔ کذا فی الزرقانی۔ پس رات و نماں رہے، جبور کے قول کے مطابق منی میں رہنا واجب ہے۔ اور امام شافعیؒ کا ایک قول اور امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ یہ سنت ہے، یہی حقیقہ کا مذہب ہے۔ اور منی کی شب گزاری ترک کرنے پر دم کا واجب ہونا یا نہ ہونا اسی اختلاف پر مبنی ہے۔ اور رات رہنا ”جب ہی ہوگا جب رات کا بیشتر حصہ نماں رہے۔ کذا فی الاوجیز اور اوجیز میں ایک جگہ یہ تفصیل مذکور ہے کہ منی کی شب گزاری کے ترک پر دم واجب ہوگا یا صدقہ وغیرہ،

فلما زالت الشمس مشى الى الجمرات، فبدأ بالجمرۃ الاولى ثم رطى الثانية:

ترجمہ: پس جب ال ہوا تو جمرات کی طرف چلے۔ پس جو ادلی سے ابتدا کی، پھر دوسرے کی رمی کی

(رق) پس جب دیکھا کہ جو یس تاریخ کی صبح ہوئی تو آپ نے

ایام تشریق میں رمی کا وقت | زوال آفتاب کا انتظار فرمایا۔ (فقہ) اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک یوم النحر کے بعد کی رمی زوال سے پہلے جائز نہیں۔ اس کی تفصیل اور جزئیات یہ ہے۔ اور اس کی تخصیص حاشیہ لامع میں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: ایام تشریق کی رمی کا وقت باتفاق ائمہ زوال آفتاب کے بعد ہے۔ البتہ ایام تشریق کے تیسرے دن کی رمی میں امام ابو حنیفہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس دن کی رمی بطور استحسان۔ زوال سے قبل بھی صحیح ہے، امام اسحاق بھی اسی کے قائل ہیں، اور یہیں ایک طائفت امام احمد سے مروی ہے۔

رمی کا آخری وقت: پس وہ بالاتفاق ایام تشریق کا آخری دن ہے۔ اگرچہ وقت مستحب، وقت کراہت، وقت جواز اور در صورت تاخیر و وجوب دم میں اختلاف ہے، جس کی تفصیل ان کی کتب فروع سے اور جز میں نقل کی گئی ہے۔ اور اس کا خلاصہ میرے حاشیہ منسلک میں اس طرح ہے: ائمہ ستہ کے نزدیک ایام تشریق کی رمی زوال سے قبل بطور اوجائز نہیں۔ البتہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک صرف یوم نحر ثانی اس سے مستثنیٰ ہے۔ پھر امام شافعی، امام احمد اور صاحبین کے نزدیک جو چوتھے دن کے غروب تک رمی کر سکتا ہے، اس کیلئے نہ کوئی معین وقت ہے نہ دم واجب ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہر دن کی رمی کا وقت مستحب غروب تک ہے۔ اس کے بعد طلوع فجر تک وقت اباحت ہے۔ غیر مغدور کو اس وقت رمی کرنا مکروہ ہے۔ مگر دم واجب نہیں۔ اور طلوع فجر کے بعد جو چوتھے دن کے غروب تک قضا ہے، جس میں دم واجب ہوگا۔ اور امام مالک کے نزدیک ہر دن کی رمی کا وقت ادا غروب تک ہے۔ اور اگر رات کو رمی کی تو دم واجب ہوگا: اھ اور یوم نحر کی رمی کے وقت میں اختلاف اپنی جگہ گذر چکا ہے۔

پس جب زوال ہوا تو جمرات کی طرف پیدل چلے اور سوار نہیں ہوئے۔ قبل ازیں رمی جمرہ عقبہ کے کے بیان میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ کہ پیدل رمی کرنا افضل ہے یا سوار ہو کر۔ پس جمرہ ادلی سے ابتدا کی

اور اس کے بعد دوسرے دن کے بعد فرماتے رہے، جو سورۃ بقرہ کی مقدار کے برابر تھی، پھر دوسرے کی رمی کی۔ یہاں بھی اسی طرح طویل دعا فرمائی جس طرح جمرہ ادلی کے پاس کی تھی۔ اور زرقانی میں ہے کہ جمرہ ادلی اور جمرہ ثانیہ کے پاس دوسرے دن کے زیادہ ٹھہرے۔ البتہ پہلے کے پاس زیادہ ٹھہرے۔ اور ان دونوں جمروں کے

شماری الثالثة

پھر میرے کی رمی کی۔

پاس کتنی دیر ٹھہرے؟ اس میں سلف کا اختلاف ہے۔ جس کی تفصیل حاشیہ طبع میں اور جز سے نقل کی گئی ہے۔ اور اس میں ہے کہ موفق کہتے ہیں: اگر توقف اور دعا کو ترک کر دیا تو سنت کو ترک کر دیا مگر اس کے ذمہ کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔ اس مسئلہ میں امام ثوریؒ کے علاوہ کسی کا اختلاف معلوم نہیں۔ اور امام ثوریؒ فرماتے ہیں کہ کچھ غلط طور پر دیکھ دیکھئے۔ اور اگر دم دیدے تو میرے نزدیک بہت ہی اچھا ہوگا۔ اور اور جز میں ہے کہ حجرہ اولیٰ و ثانیہ کے پاس قیام کرنا بخاری شریف میں بروایت سالم بن عبد اللہ عن ابیہ مرفوعاً وارد ہے۔ اور ابو داؤد میں حضرت عائشہؓ کی حدیث میں آیا ہے، اور حافظ نے ابن قدامہ کے حوالے سے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ اور ائمہ اربعہ کی کتابوں میں پہلے دو جہول کے پاس طویل قیام کی تصریح موجود ہے، جیسا کہ اور جز میں ائمہ اربعہ کی فقہی کتابوں سے عبارتیں نقل کی گئی ہیں۔

اور یہاں ایک اور اختلافی مسئلہ ہے کہ ان دونوں جہولوں میں **ان جہولین کے پاس دعا میں ہاتھ اٹھانا** کے پاس دعا کرتے وقت ہاتھ اٹھائے جائیں یا نہیں؟ اور جز میں اس پر بہت ہی تفصیل سے کلام کیا ہے۔ اور اس میں ہے کہ ابن منذر کہتے ہیں: مجھے معلوم نہیں کہ حجرہ کے پاس ہاتھ اٹھانے سے کسی نے انکار کیا ہو۔ بجز اس کے جو ابن قاسم نے امام مالک سے نقل کیا ہے: ”الغیر طویل بحث اور جز میں دیکھ لی جائے۔ اس میں یہ اختلاف بھی ذکر کیا ہے کہ اس موقع پر اسی طرح ہاتھ اٹھائے جائیں جس طرح دعا میں اٹھائے جاتے ہیں یا قبلہ کی طرف؟“

کیا تینوں جہرات کی رمی میں ترتیب واجب ہے؟ پھر میرے کی رمی کا تینوں جہرات کی رمی میں ترتیب واجب یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ چنانچہ موفق کہتے ہیں: ”ان جہرات میں ترتیب واجب ہے۔ پس اگر ترتیب الٹ دی اور پہلے حجرہ عقبہ کی رمی کی، پھر ثانیہ کی اور پھر اولیٰ کی تو صرف اولیٰ کی رمی صحیح ہوگی۔ امام احمد نے اس کی تصریح کی ہے اور امام شافعی، اور امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور حسن اور عطاء کہتے ہیں کہ ترتیب واجب نہیں۔ اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر ترتیب الٹ ڈالی تو عادیہ کرے۔ اور اگر عادیہ نہیں کیا تب بھی رمی صحیح ہوگی۔“

ولم یقف عندہ

ترجمہ: اور اس کے پاس نہیں ٹھہرے۔

اور اس کے پاس نہیں ٹھہرے اور اس پر اندر لے کر اجماع ہے جیسا
جرم عقبہ کے پاس ٹھہرے | کہ اوجز میں محلی سے نقل کیا ہے اور موتی کہتے ہیں: اس کے پاس ٹھہرنا سنو

نہیں کیونکہ ابن عمر اور ابن عباس نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس نہیں ٹھہرے تھے۔

اسی طرح ام جندبہ اور عائشہ کی روایت میں بھی یہی مضمون آیا ہے۔ اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں ترجمہ

الباب قائم کیا: باب من رمی جرۃ العقبة ولم یقف "جرم عقبہ کی رمی کے بعد نہ ٹھہرنے کا بیان" حافظ فتح میں

فرماتے ہیں: کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں، میں کہتا ہوں کہ اجماع کی حکایت مشکل ہے کیونکہ حصن میں روایت

ابن ابی شیبہ حسن بصری سے مرفوعاً مروی ہے کہ تمام جہرات کے پاس دعا کرے اور کسی کی تعمین نہ کرے والا یہ کہ کہا

جائے کہ یہ قول شاذ ہے اس لئے علمائے کرام کے نزدیک لائق اقباحت نہیں۔ یاد رکھا جائے کہ اس قول سے مراد

وہ ہے جو طاعلی قاری نے شرح لباب میں ذکر کیا ہے کہ تمام ایام رمی میں جرم عقبہ کے پاس دعا کے لئے

نہ ٹھہرے بلکہ بغیر ٹھہرنے کے دعا کرے۔ اور محلی میں ہے کہ پہلے دو جہروں کے پاس ٹھہرے اور جرم عقبہ

کے پاس نہ ٹھہرنے میں حکمت یہ ہے کہ دعا وسط عبادت میں واقع ہو۔ اور بعض نے کہا ہے کہ چونکہ جرم عقبہ

لوگوں کی گذر گاہ میں واقع ہے اس لئے وہاں ٹھہرنے سے لوگوں کا راستہ بند ہو جائے گا۔ عموماً اہل علم

نے دوسری وجہ کو اختیار کیا ہے۔ اور حافظ ابن قیم اور صاحب ہایہ نے پہلی وجہ یعنی دعا کے وسط عبادت میں

واقع ہونے کی حکمت کو جیسا کہ اوجز میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اور اس میں ابن حجر کا یہ قول نقل کیا ہے

کہ "جرم عقبہ کے پاس نہ ٹھہرے نہ یوم نحر میں نہ اس کے بعد کیونکہ اس کی جگہ تنگ ہے۔ ٹھہرنے سے دوسرے

کو تکلیف ہوگی۔ لیکن یہ تعلیل زمانہ گذشتہ کے اعتبار سے ہے البتہ اگر یہ علت ذکر کی جائے کہ اس سے فارغ

ہو کر نہ ٹھہرنے میں قبولیت کی نیک خالی ہے۔ تو بعد نہ ہوگا" اھ حاصل یہ کہ رمی عقبہ کے بعد نہ ٹھہرنا آیا

مرفوعہ و موقوفہ سے ثابت اور اندر لے کر کے نزدیک اجماعی ہے۔ البتہ اس کے سبب میں اقوال مختلف ہیں

بعض کے نزدیک دعا کا وسط عبادت میں واقع ہونا اس کا سبب ہے۔ بعض کے نزدیک جگہ کا تنگ ہونا

اور بعض کے نزدیک قبولیت کی نیک خالی۔ کذا فی الاوجز۔

(قلت) وھل کان یانی مکة کل لیلۃ۔

ترجمہ: (رض) اور کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (منیٰ سے) ہر رات مکہ آیا کرتے تھے؟۔

آنحضرت نماز ظہر سے پہلے منیٰ کرتے تھے یا بعد میں؟ (ق) آنحضرت نماز ظہر سے پہلے منیٰ کرتے تھے

یا بعد میں؟ بحال ظن یہ ہے کہ ظہر سے قبل کرتے تھے۔ کذا فی الہدیٰ — اور ابن قیمؒ نے اس کے وجوہ ترجیح کو بسط سے ذکر کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج میں ٹھہر کر دعا کرنے کے چھ مواقع پیش آئے۔ — اول، اصفیاء۔ دوم، مردہ پر۔ سوم، عرفہ میں۔ چہارم، مزدلفہ میں۔ پنجم، حجرہ اویٰ کے پاس۔ ششم، حجرہ ثانیہ کے پاس۔

(رض) اور کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (منیٰ سے) ہر رات مکہ آیا

منیٰ کی راتوں میں ہر رات مکہ آیا کرتے تھے؟ حافظ ابن قیمؒ نے اس کا انکار کیا ہے۔ اور اس کو اولام

میں شمار کیا ہے۔ اور موفقؒ کہتے ہیں: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایام منیٰ میں ہر دن بیت اللہ کی زیارت کیا کر دے اور بعض اس کو ترجیح دیتے ہیں کہ مکہ نہ آئے بلکہ منیٰ ہی میں مقیم رہے کیونکہ یہ منیٰ کے دن ہیں اور ابو عبد اللہ (امام احمد) نے ابن عباسؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات مکہ جایا کرتے تھے۔ اھ حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث امام بخاری نے اپنی صحیح میں تعلیقاً نہ کر ذکر کیا جاتا ہے کے لفظ سے ذکر کیا ہے۔ حافظ کہتے ہیں کہ اس کو طبرانی نے بسند متصل روایت کیا ہے: اس کی تصحیح پر مفصل کلام کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اور ایک مرسل روایت اس کی مؤید ہے جس کو ابن ابی شیبہؒ نے طاؤس کے والد سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات بیت اللہ جاتے تھے: اھ میں کہتا ہوں کہ امام مخرمؒ کا رجحان اسی کی طرف ہے اور حافظ کا بھی۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رات تک تاخیر طواف کی حدیث کے ذیل میں قریب ہی گند چکا ہے۔

(ق) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں دو خطبے دیے۔ ایک

وسط ایام تشریق کا خطبہ | خطبہ یوم نحر کو۔ جو پہلے گند چکا ہے۔ اور دوسرا خطبہ وسط ایام تشریق میں پس

کہا گیا ہے کہ یہ یوم النحر سے اگلے دن قضاء اھ و منیٰ، خفیہ اور مالکیہ اسی کے قائل ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ بارہ تاریخ تھی جیسا کہ یشافعیہ اور حنابلہ کا قول ہے۔ اور خطبات حج میں ائمہ کا اختلاف ساتویں تاریخ کے خطبہ کی بحث میں گند چکا ہے اور خفیہ اور ان کے موافقین نے اراذی الحج کے خطبے پر اوداد کی حدیث سے

استدلال کیا ہے کہ سرادبت نبہان کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم الرؤس کو خطبہ دیا: اور حافظ ابن قیم کہتے ہیں کہ یوم الرؤس؛ بالاتفاق یوم النحر سے الگ ادا ہے: اور زرقانی کہتے ہیں کہ یوم الرؤس: بضماء و ہمزہ۔ یہ گیارہ ذی الحجہ کا نام ہے کیونکہ لوگوں کا معمول تھا کہ یوم النحر کو قربانیاں کیا کرتے، اور اس رات قربانی کے سردوں کو پکاتے اور صبح سویرے اٹھ کر کھایا کرتے تھے: اھ اور شرح غامک نووی میں روایت طبقات ابن سعد عمر بن یثربی سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر کے اگلے دن ظہر کے بعد خطبہ دیا۔ جیسا کہ میرے حاشیہ بدل میں ہے۔ اور البدایہ والنہایہ میں یوم النحر کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس کے بعد کا دن یوم النحر کہلاتا ہے۔ کیونکہ وہ اس میں قرار پکڑتے تھے۔ اور اس کو یوم الرؤس بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں قربانی کے سر پکانے کھانے کا معمول تھا۔ یہ ایام تشریق کا پہلا دن ہے اور ایام تشریق کے دوسرے دن ۱۲ ذی الحجہ کو یوم النحر الاول کہتے ہیں، کیونکہ اس دن نئی سے رخصت ہونا جائز اور بعض نے کہا ہے کہ اسی دن کو یوم الرؤس کہا جاتا ہے: اھ میں کہتا ہوں کہ روایات میں جو آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وسط ایام تشریق میں خطبہ دیا ہے اس سے ۱۱ ذی الحجہ مراد ہے کیونکہ سرادبت نبہان کی روایت میں، جو ابھی ابوداؤد کے حوالے سے قریب ہی گذری ہے۔ یہ لفظ ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یوم الرؤس میں خطبہ دیا، پس فرمایا کہ یہ کونسا دن ہے؟ ہم نے عرض کیا: اللہ و رسولہ وسلم۔ فرمایا: کیا یہ وسط ایام تشریق نہیں؟ الخ اور البدایہ والنہایہ میں ہے کہ ابن خرم کہتے ہیں: روایت میں آتا ہے کہ آپ نے یوم الرؤس کو خطبہ دیا۔ اور اہل مکہ سے بلا اختلاف منقول ہے کہ یہ یوم النحر سے الگ ادا ہے اور یہ بھی آتا ہے کہ آپ نے وسط ایام تشریق میں خطبہ دیا، پس احتمال ہے کہ اوسط بمعنی اشرف ہو، جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے، وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَبَيَّنَ

ذی، اور امام بیہقی نے حضرت ابن عمر سے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت کا قرآن صاب کو مجھوس کر لینا یہ سورۃ: اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وسط ایام تشریق میں نازل ہوئی اور آپ نے جانا کہ یہ وداع کا پیغام ہے دش، اور البدایہ والنہایہ میں اللہ کے حوادث میں ہے: اس سال کا حادثہ فطمی اور فاجعہ کبرئیی سید ابوداؤد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ ہے۔ اور اسی ذیل میں آیت کریمہ: الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ الْاٰیۃ میں عرفہ کی شام کو نازل ہوئی اور ہم نے بسند جمید روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر بن خطاب

رقال) واستاذنہ العباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان ہیبت بمکة۔ واستاذنہ رعاء الابل
توجہ: (رق) اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ سے مکہ میں رات رہنے کی اجازت چاہی۔ اور اونٹ
چرانے والوں نے بھی آپ کی اجازت چاہی۔

روپرے، رونے کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ کمال کے بعد صرف نقصان رہ جاتا ہے۔ گویا ان کو محسوس
ہو گیا کہ اس آیت میں وصال نبوی کی خبر ہے۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرف اشارہ فرمایا،
چنانچہ مسلم میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمرہ عقبہ کے پاس کھڑے ہوئے اور
فرمایا: ”مجھ سے اپنے مناسک حاصل کرو۔ شاید میں اس سال کے بعد حج نہیں کروں گا۔“ اور حافظ بزاز اور
حافظ بیہقی نے اسی عمر سے روایت کیا ہے کہ جب یہ سورتہ اذاجاء نصر اللہ والفتح، ایام تشریق میں
نازل ہوئی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہچانا کہ یہ پیغام وداع ہے، پس اپنی ناقہ قصوا کی تیاری کا حکم فرمایا۔
پس وہ تیاری گئی۔ اس کے بعد اس دن کے خطبہ کا ذکر کیا۔ اسی طرح جب عمر بن خطابؓ نے ابن عباسؓ
سے اس سورۃ کی تفسیر دریافت کی تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی
خبر ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بھی اس سے ہی سمجھتا ہوں جو کچھ تم نے سمجھا ہے، جیسا کہ بخاری
کی متعدد روایات میں مروی ہے: ”انہیں کہتا ہوں کہ اس امر میں روایات مختلف ہیں کہ یہ سورۃ کس وقت اور
کس جگہ نازل ہوئی، جیسا کہ خطبہ یوم النحر میں گذر چکا۔“

رق) اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سقایۃ زمزم کی
حضرت عباسؓ کا مکہ میں رات کو رہنے کی اجازت مانگنا

چنانچہ آپؓ نے ان کو اجازت دے دی۔ یہ اختلاف قریب ہی گذر چکا ہے کہ منیٰ میں رات رہنا واجب
ہے یا سنت؟ اور حنفیہ کا مسلک ہے کہ سنت ہے، اس لئے حضرت عباسؓ اور دیگر حضرات کے
ترک ہیبت میں ان کے نزدیک کوئی اشکال نہیں۔ اور جو حضرات وجوب کے قائل ہیں۔ ان کے مسلک
پر اشکال لازم آتا ہے، جس کا بیان ابھی آتا ہے۔

اور اونٹ چرانے والوں نے بھی آپ سے منیٰ سے باہر رات
گذرنے کی اجازت چاہی۔ چنانچہ آپؓ نے ان کو بھی اجازت
اور اونٹوں کے چرانے والوں کا منیٰ سے
باہر رات گزارنے کی اجازت طلب کرنا
مرحمت فرمائی۔

اور اجز میں ہے کہ یہ اختلاف تو پہلے گزر چکا
 کیا یہ اجازت تمام مقررین کو شامل ہے | ہے کہ منی میں رات نہ سنا داجب ہے یا سنت ہے لیکن

اس پر اتفاق ہے کہ چرواہوں کو یہ معاف ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ معافی صرف چرواہوں
 اور ریزم پلانے والوں سے مخصوص ہے یا تمام اصحاب عذر کو شامل ہے؟ اور امام بخاری کا ایک
 ترجمہ الباب یہ ہے، باب ہل میبیت اصحاب السقایہ او غیر ہم بمکۃ لیالی منی عافظ فرماتے ہیں کہ
 ”او غیر ہم سے مقصود وہ لوگ ہیں جن کو مرض یا مشغل کا عذر ہو مثلاً لکڑہارے اور چرواہے۔ رما
 یہ سوال کیا سقایت کی اجازت حضرت عباسؓ کے ساتھ خاص ہے یا اس کا مدار ان اوصاف پر
 جو اس حکم میں معتبر ہیں؟ پس بعض کا قول ہے کہ یہ حکم صرف حضرت عباسؓ سے خاص ہے، یہ تو
 جہود ہے، اور بعض کا قول ہے کہ اس حکم میں حضرت عباسؓ کے ساتھ ان کی آل، اور بقول بعض ان کی
 قوم بنو ہاشم بھی داخل ہیں۔ اور بعض کا قول ہے کہ ہر وہ شخص جو سقایت کا محتاج ہو اس کے لئے
 یہی حکم ہے۔ اور صحیح یہی ہے کہ حکم کو عام رکھا جائے۔ اور اس کی علت پینے والوں کے لئے پانی
 جمع کرنا ہے۔ رما یہ سوال کہ کیا یہ حکم صرف پانی کے ساتھ مخصوص ہے یا کھانا وغیرہ، جو اس کے ہم
 معنی ہیں، وہ بھی اسی کے ساتھ ملحق ہیں۔ یہ محل احتمال ہے اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ صرف
 چرواہے اہل سقایت کے حکم میں ہیں۔ اور یہی امام احمد کا قول ہے، اسی قول کو یعنی اس حکم
 کے اہل سقایت اور چرواہوں کے ساتھ مخصوص ہونے کو ابن منذر نے اختیار کیا ہے اور امام
 احمد سے معروف روایت یہ ہے کہ یہ حکم صرف حضرت عباسؓ کے لئے مخصوص ہے، اور مالکیہ کہتے
 ہیں کہ چرواہوں کے علاوہ باقی سب امور میں دم واجب ہوگا، انتہی مختصر من الاوجز۔

اور منی میں رات پینے کے مسئلہ میں قتایب کا خلاصہ یہ ہے کہ شافعیہ، مالکیہ اور مالکیہ کے نزدیک چرواہوں
 اور ریزم نکالنے والوں کے لئے اس کا ترک جائز ہے۔ پھر مالکیہ کی ایک جماعت۔ ردیر
 وغیرہ کا قول یہ ہے کہ خصت صرف اونٹوں کے چرواہوں کے ساتھ مخصوص ہے، اور شافعیہ
 کی ایک جماعت مثلاً ابو اسحق کی المہذب، اور امام غزالی کی الوجیز سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔
 اور مالکیہ کی ایک جماعت مثلاً ابن شاش، ابن حابط اور ابن عرفہ کا قول ہے کہ یہ اجازت
 چرواہوں کے علاوہ دوسروں کو بھی عام ہے، ترد ثانی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور کیا اہل

ولم يتعجل في يومين

ترجمہ: اور آپ نے دو دن میں دمکہ واپس آنے میں تعجل نہیں کی۔

اعذار مثلاً مریض اور وہ شخص جس کے ال ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو وغیرہ کا حکم بھی یہی ہے۔ اس میں شافعیہ کی دو روایتیں ہیں، دونوں میں صحیح تر روایت اثبات میں ہے۔ اور یہی خیالہ کا قول ہے۔ اور دوسری کا جواب نفی میں ہے، اور یہی مالکیہ کا قول ہے۔ اور کیا یہ حکم حضرت عباسؓ کے ساتھ خاص ہے؟ رافعی کہتے ہیں کہ اہل تقایت کی رخصت عباسیہ کے ساتھ خاص نہیں کیونکہ معنی ولت حکم ان کے ساتھ دوسروں کو بھی شامل ہے۔ اور امام مالک و ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ یہ اولاد عباس کے ساتھ خاص ہے۔ اور یہی ایک وجہ روایت ہمارے اصحاب کے لئے بھی ہے اور بعض نبولہ شمس سے اختصاص کو نقل کرتے ہیں۔ کذا فی الاوجز مع زیادة عن غیرہ۔

رق، اور آپ نے اوٹوں کے جرواہوں کو چرواہوں کو دو دن کی رمی جمع کر نیکی اجازت رخصت دی کہ وہ یوم نحر کی رمی کر لیں اور یوم نحر کے بعد دو دن کی رمی ایک ہی دن کر لیا کریں۔ انہو دنوں کے شیخ ابن قیمؒ کے کلام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ چرواہوں کو اختیار تھا کہ چاہے دو دن کی رمی پہلے دن کر لیا کریں۔ یا دوسرے دن۔ یعنی جمع تقدیم اور جمع تاخیر دونوں کا اختیار تھا۔ اس سلسلہ میں روایات حدیث مختلف ہیں۔ جیسا کہ ترمذی، ابو داؤد، مؤطا مالکؒ اور موطا محمدؒ میں ہے۔ اور بادل، کوکب اور اوجز میں ان روایات کی اور اقوال ائمہ کی توجیہ تفصیل سے ذکر کی گئی ہے۔ زیادہ تفصیل اوجز میں ہے۔ اور اس کا خلاصہ میرے حاشیہ بادل میں ہے کہ ابن حزم وغیرہ کا قول ہے کہ انہیں جمع تقدیم و تاخیر دونوں کا اختیار ہے۔ اور ائمہ ستہ کا اتفاق ہے کہ جمع تقدیم جائز نہیں اور جمع تاخیر کی صورت میں امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک لازم آئیگا۔ باقی چار ائمہ کے نزدیک نہیں۔ انتہی۔

اور آپ نے دو دن میں دمکہ واپس آنے میں،
انحضرت نے ایام تشریق کے تیسروں کی رمی بھی فرمائی،
یہاں تک کہ ایام تشریق کی رمی بھی پوری فرمائی۔ اور ائمہ کا اجماع ہے کہ جو شخص بارہ تاریخ کو مٹی سے واپس آنا چاہے اسکا ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے تیس جس نے دو دن میں دمکہ آنے میں تعجل کی اس

و افاض یوم الثلاثاء۔

ترجمہ: اور منگل کے دن منی سے چلے۔

کے ذمہ کچھ گناہ نہیں۔ اور جس نے تیسرے دن (تاخیر کی اس کے ذمہ بھی کچھ گناہ نہیں)۔ الایہ۔ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ امام جلدی آئے۔ رہے امام کے علاوہ دوسرے لوگ؟ تو آفاقی کیلئے جلدی آجانا جائز ہے اور اہل مکہ کے بارے میں امام مالک کے اقوال مختلف ہیں: ایک قول یہ کہ اس کے لئے مناسب نہیں۔ اور ایک قول یہ کہ وہ آفاقی کی مثل ہے۔ اور اجز میں ہے کہ موفق کہتے ہیں: اہل علم کا جماع ہے کہ جو شخص منی سے نکل کر حرم سے رخصت ہونا چاہے اور اسے مکہ میں رہنا ہو وہ ایام تشریق کے دوسرے دن زوال کے بعد منی سے جاسکتا ہے۔ اور اگر مکہ میں رہنا چاہے تو امام احمد فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ جو شخص منی سے بارہ تاریخ کو آجائے وہ مکہ میں ٹھہرے اور نو دینی اپنے مناسک میں کہتے ہیں: بارہ تاریخ کو منی سے آجانا اگرچہ جائز ہے لیکن تیسرے دن تاخیر افضل ہے: ابن حجر کی اس کی شرح میں کہتے ہیں کہ تاخیر افضل ہے الایہ کہ کوئی غدر ہو اور اس میں امام اور غیر امام یکساں ہیں۔ اور احکام سلطانہ میں ہے کہ امام کے لئے نفراول جائز نہیں۔ کیونکہ وہ متبوع ہیں۔ اس کو مناسک پورے کرنے کے بعد ہی آنا ہوگا: ۱۵ اور ہایہ میں ہے کہ پہلے دن ۱۲ تاریخ کو بھی آسکتا ہے، مگر افضل یہ ہے کہ ۱۳ تک ٹھہرے: نیز اجز میں ہے کہ موفق کہتے ہیں: اگر ۱۲ تاریخ کو منی سے نکلنے سے قبل آفتاب غروب ہو جائے تو نہ نکلے، خواہ کوچ کر چکا تھا یا اپنی جگہ میں مقیم تھا۔ دونوں صورتوں میں اس کے لئے نکلنا جائز نہیں۔ یہی قول امام مالکؒ و امام شافعیؒ کا ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تیسرے دن کی صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے جاسکتا ہے:

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیسرے دن کی رمی کر کے

منی سے محصب کی طرف روانگی | منگل کے دن ظہر کے بعد منی سے چلے الہدیٰ میں اسی طرح ہے

اور قطلانی نے مواہب میں اس کی پیروی کی ہے۔ اور مراد اس سے زوال کے بعد اور نماز ظہر سے پہلے چلنا ہے۔ صحیح بخاری کا ترجمہ الباب ہے: باب من صلی العصر یوم النفر بالبطح، امام بخاری نے اس میں عبد الغفر بن رفیع کی حدیث نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النفر پہ روزی الحجہ کی نماز ظہر کہاں پڑھی تھی؟ فرمایا میں نے پوچھا کہ منی سے واپسی کے

اتی المصحب

توجہ: اور مصحب پہنچے۔

دن عصر کہاں پڑھی تھی؟ فرمایا: بطح میں۔ اور تم وہی کرو جو تمہارے امراء کریں۔ اس کے بعد حضرت انسؓ کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر، عصر، مغرب، عشاء مصحب میں پڑھیں اور تھوڑا سا سوئے بھی۔ اور البیہ والنبایہ سے ظاہر ہے کہ ان دونوں روایتوں میں تعارض ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں: مشکل کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور مسلمانوں کو ساتھ لے کر منیٰ سے چلے، مصحب میں فروکش ہوئے اور وصال عصر پڑھی، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے (وہاں پہلی حدیث ذکر کی)۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ آپؐ نے یوم النفر کی نماز ظہر بطح میں پڑھی۔ واللہ اعلم بہاں دوسری حدیث کو ذکر کیا۔ اور حافظہ فرماتے ہیں کہ سزاوی کا یہ بیان کہ آپؐ نے ظہر بطح میں پڑھی اس امر کے منافی نہیں کہ آپؐ نے زوال کے بعد رمی کی۔ چنانچہ آپؐ نے رمی کی، پھر کوچ کیا، مصحب پہنچے، پس یہاں ظہر پڑھی۔ اہ اور مصحب پہنچے۔ مصحب: بضم میم، فتح حائے، مہلہ و صا و مہلہ و مشدود و بانے موحده۔ اس کو بطح اور بطحا بھی کہتے ہیں، کذا فی الزرقانی۔ اور مخیم البلدان میں ہے، کہ اس کو ابطح، بطحا اور خیف بنی کنانہ کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ اہ اور نووی کہتے ہیں کہ مصحب، مصبار، بطح، بطحا اور خیف بنی کنانہ ایک ہی جگہ کے نام ہیں۔ اہ اور اس میں اختلاف ہے کہ ذو طوی، بھی مصحب ہی کا نام ہے یا اوس جگہ کا؟ جیسا کہ حاشیہ لایع میں ہے، اور اس میں قسطلانی سے نقل کیا ہے کہ یہ ایک وسیع جگہ کا نام ہے۔ جو مکہ اور منیٰ کے درمیان ہے، منیٰ سے زیادہ قریب ہے اور اس کے حدود دونوں پہاڑوں کے مابین مقبرہ تک ہیں۔

اس میں علماء کے دو قول ہیں کہ مصحب میں اترنا سنت ہے یا یہ مصحب میں اترنا سنت ہے یا نہیں؟ [اتفاقی منزل تھی؟ اور جہ میں اس کو خوب بطل سے بیان کیا ہے۔]

ائمہ اربعہ اور جمہور نے پہلی شق کو اختیار کیا ہے۔ اگر چہ ان کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ سنت ہے یا مستحب؟ اور امام مالک، معتدی اور غیر معتدی کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک معتدی کے حق میں ہوگا ہے اور غیر معتدی کے حق میں غیر ہوگا۔ اور بعض سلف نے قول ثانی کو اختیار کیا ہے۔

ان کی دلیل مسند احمد میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ اللہ کی قسم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں صرف میری وجہ سے فروکش ہوئے تھے۔ یعنی حضرت عائشہؓ کے غم کی خاطر۔ اور ایک روایت میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف اس لئے ٹھہرے کہ یہاں سے مدینہ کی واپسی آپ کے لئے آسان تھی۔ یہ

حدیث بخاری شریف باب المحصب میں ہے۔ اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ سے چلنے سے قبل ہی یہاں کے قیام سے آگاہ فرمایا تھا۔ چنانچہ وجہ میں ہے کہ صحاح ستہ میں حضرت اسامہؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کل کہاں قیام ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کل انشاء اللہ بمخیف بنی کنانہ یعنی محصب میں اتریں گے، جہاں کفار نے کفر کا عبد و بیان کیا تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہاں اترنا قصد تھا، اور پہلے ہی سے اس کی نیت تھی۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ان کے اپنے فہم پر مبنی ہے علاوہ انہیں اس جگہ کا واپسی کے لئے مناسب ہونا یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عمرہ کی مصلحت اس امر کے منافی نہیں کہ کسی مستقل وجہ کی بنا پر آپؐ نے یہاں اترنے کا قصد کیا ہو اسی طرح حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی اس کے منافی نہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محصب میں خیمہ لگانے کا حکم نہیں فرمایا تھا، اب میں نے از خود وہاں خیمہ لگا دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ اتر گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد چونکہ یہاں اترنے کا تھا، اس لئے ہی امر حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کے قلب پر وار ہوا۔ یہ ایک ایسا امر ہے جو اہل حقائق سے مخفی نہیں۔ نہ اس کا انکار کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ یہ اہل قلوب کے ہاں معروف چیز ہے۔ مزید یہ کہ اگرچہ خیمہ آپؐ کے حکم سے نصب نہیں کیا گیا، مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں نزول فرمایا تو یہاں کا نزول سنت ٹھہرا، بالخصوص جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین کا عمل بھی یہی رہا۔ جیسا کہ حاشیہ لامع میں ہے۔ اور اس میں ہدایہ سے نقل کیا ہے کہ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نزول بالقصد تھا۔ یہی صحیح تر ہے لہذا یہاں اترنا سنت ہوگا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا: کل بمخیف بنی کنانہ میں فروکش ہوں گے الخ پس معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں اس مقصد کے لئے نزول فرمایا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے لطف احسان کا جو معاملہ فرمایا، شریکین کے سامنے اس کا اظہار کیا جائے۔ اس لئے رمل کی طرح یہ بھی سنت ہوا۔ اللہ نووی کہتے ہیں: جمہور کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی آفتاب میں یہاں کا نزول مستحب ہے۔ اور اس پر اجماع ہے کہ اس کے ترک سے کچھ لازم نہیں آتا۔ احد اوشیخ قدس سرہ کو کب میں فرماتے ہیں: یہاں کا نزول حج سے متعلق نہیں بلکہ ایک مستقل سنت ہے اس لئے جو حضرات فرماتے ہیں کہ محصب میں اترنے کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ حج سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔ اور جہاں یہ کہا گیا ہے کہ یہ سنت ہے وہاں مراد یہ ہے کہ حج سے الگ ایک مستقل اور علیحدہ سنت ہے۔

فنزل هناك. ثم نهض الى مكة فطاف للوداع

توجہ: پس وہاں فروکش ہوئے۔ پھر مکہ کی طرف چلے اور طواف وداع کیا۔

اور کوکب کے حاشیہ میں ہے کہ حافظ لکھتے: "حاصل یہ کہ جن حضرات نے اس کے سنت ہونے کی نفی کی مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباسؓ ان کی مراد یہ ہے کہ یہ مناسک میں سے نہیں۔ لہذا اس کے ترک سے کوئی چیز لازم نہیں۔ اور جن حضرات نے اس کو سنت کہا ہے، جیسے ابن عمر رضی اللہ عنہ ان کی مراد یہ ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کی اقتداء کے عموم میں داخل ہے۔" اھ

پس وہاں بالوں کے بنے ہوئے خیمے میں فروکش ہوئے جیسا کہ زندگانی میں ہے، یہ خیمہ آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافعؓ نے نصب کیا تھا، ان کے نام میں دس قول ہیں ان میں سے "اسلم" زیادہ مشہور ہے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان کی نگہبانی پر مامور تھے۔ یہ فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں خیمہ لگانے کا حکم نہیں فرمایا تھا الخ جیسا کہ امام مسلم اور ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر سے عشاء تک کی نماز

مُحْصَبٌ فِي چار نمازوں کا استحباب

پڑھیں اور قدرے نیند کی اُمہ اور بچہ کا اجاع ہے کہ یہاں چار نمازیں پڑھنا مستحب ہے۔ جیسا کہ اوپر میں مفصل ذکر کیا ہے لیکن درود یہ کہتے ہیں: "چار نمازوں کا یہاں مستحب ہونا جب ہے جبکہ اسے جلدی نہ ہو۔ اور وہ ایسی جموع کے دن نہ ہوئی ہو، ورنہ محصب میں اُمہ نماز مستحب نہیں۔ اور یہاں ظہر کی نماز کے مندوب ہونے کا موقع اس وقت ہے جب کہ تنگی وقت سے پہلے یہاں پہنچ جائے۔" اور شرح مناسک نو دہی میں ہے: "ظہر کی نماز منیٰ میں نہ پڑھے بلکہ محصب کی منزل میں یا کسی دوسری جگہ پڑھے۔ اور اگر منیٰ میں پڑھ لی تب بھی جائز ہے۔ مگر افضل کو ترک کر دینا اُحد اور اجز میں محل سے نقل کیا ہے کہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: "اور ایک گھڑی کے لئے محصب میں اترے۔" اھ۔ اور فتح القدیر میں ہے: "اور اس جگہ ظہر سے عشاء تک کی نمازیں پڑھے۔ اور قنوی سی نیند کرے، پھر مکہ میں داخل ہو۔" اھ اس سے ظاہر ہوا کہ ایک گھڑی ٹھہرنے سے اصل سنت ادا ہو جائے گی۔ مگر کمال وہ ہے جو کمال (ابن ہمام) نے ذکر کیا ہے۔" اھ۔

پھر مکہ کی طرف چلے اور رات کو سحری کے وقت طواف وداع کیا، زندگانی

حضور کا طواف وداع کرنا کہتے ہیں کہ وداع بفتح واؤ اور اس کو طواف صدق بفتح صاد۔ کا نام بھی دیا

جانتا ہے کہ اس میں بیت اللہ کی طرف واپسی ہوتی ہے اور اجزہ میں ہے: الوداع بفتح واو۔ سلام اور کلام کے وزن پر تودیل درخصت کرنے کا نام ہے اور ابن نجیم کہتے ہیں کہ اس کے پانچ نام ہیں۔ طواف صدر۔ طواف وداع۔ طواف افاضہ۔ طواف واجب، طواف آخر عید بالبيت۔ اور صدر کے معنی رجوع کے ہیں مگر اس رجوع سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ چنانچہ ہمارے نزدیک افعال حج سے رجوع مراد ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک اپنے گھر کی طرف رجوع مراد ہے۔ اس پر مسئلہ مبنی ہے کہ اگر طواف صدر کے بعد کسی ضرورت کے لئے مکہ میں ٹھہر گیا تو ہمارے نزدیک اعانہ لازم نہیں۔ اور ان کے نزدیک لازم ہے۔ اور اس طواف کے حکم میں دو قول ہیں شیوہ قول یہ ہے کہ واجب ہے۔ اور یہی ائمہ ثلاثہ کا قول ہے اور دوسرا قول یہ کہ یہ سنت ہے۔ یہ امام مالک اور داؤد ظاہری کا مسلک ہے۔ یہ بحث عنقریب آتی ہے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز صبح مکہ میں پڑھی تھی؟

دق) اور حضرت صفیہؓ نے آپ کو بتایا کہ وہ عائشہؓ
حضرت صفیہؓ کی ماہواری کا قطعہ اس پر اشکال ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا یہ ہمیں جانے سے روک رکھے گی؟ آپ کو بتایا گیا کہ یہ طواف افاضہ کر چکی ہیں۔ آپ نے فرمایا پھر کوئی مضائقہ نہیں طواف وداع کے بغیر ہی واپس چلے۔ (محدثین) حضرت صفیہؓ منیٰ سے واپسی کی رات عائشہؓ ہوئی تھیں، اس لئے ابن عربیؒ کی الحاضہ میں اس موقع پر لیلۃ النحر کا لفظ کتابت کی غلطی ہے۔ لیلۃ النحر کے بجائے لیلۃ النفر صحیح ہے۔ کیونکہ خود ابن عربیؒ نے اس سے قبل لکھا ہے کہ حضرت صفیہؓ نے اس دن یعنی یوم نحر کو طواف افاضہ کیا، اور لیلۃ النفر کو عائشہؓ ہوئیں۔ اور اجزہ میں ہے کہ وہ یوم النحر کا طواف کر نیکی بعد عائشہؓ ہوئیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا، پس ہم نے یوم نحر کو طواف کیا۔ پھر صفیہؓ کو ایام شروع ہوئے۔ الخ اور ان کے حیض کی ابتداء لیلۃ النفر منیٰ سے واپسی کی رات تھی، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ لیلۃ النفر کو صفیہؓ عائشہؓ ہوئیں۔ پس کہنے لگیں کہ میرا خیال ہے میری وجہ سے تمہیں ٹھہرنا پڑے گا۔ الخ اور اجزہ میں اس سلسلہ کی روایات کے اختلاف کو بہت ہی بسط کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: حضرت صفیہؓ کے قصہ میں حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے اشکال بتواتر ہے کہ ہم نے حج کیا پس یوم نحر

رقلت) و طاقت ام سلمہ رضی اللہ عنہا علیٰ بعیدھا رقال) و رغبت عائشہؓ عمرہ۔
توجہ: اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اونٹ پر طواف کیا۔ (رق) اور حضرت عائشہ رضی اللہ
عنہا نے عمرہ کی خواہش ظاہر کی۔

کو طوافِ افاضہ کیا پس صفیہؓ حائضہ ہو گئیں پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مقاربت کا قصد کیا
تو میں نے کہا کہ یا رسول اللہ وہ تو حائضہ ہیں! الخ و جہ اشکال یہ ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھلا
تھا کہ یہ طوافِ افاضہ کر چکی ہیں تو یہ کیسے فرمایا کہ کیا یہ ہم کو روک رکھے گی؟ اور اگر یہ معلوم نہیں تھا کہ
انہوں نے طوافِ افاضہ کر لیا ہے تو محل ثانی سے قبل مقاربت کا ارادہ کیسے فرمایا؟ جواب یہ ہے کہ ازواج
مطہرات آپ سے طوافِ افاضہ کی اجازت حاصل کر چکی تھیں۔ اور آپ انہیں اجازت دے چکے تھے،
پس اس بنا پر مقاربت کا ارادہ فرمایا کہ وہ حلال ہو چکی ہیں۔ مگر جب آپ کو بتایا گیا کہ وہ حائضہ ہیں تو خیال
فرمایا کہ شاید یہ قصد طوافِ افاضہ سے قبل نہ پیش آیا ہو۔ اور اس کی وجہ سے وہ طوافِ افاضہ نہ کر سکی
ہوں، اس لئے اس کے بارے میں دریافت فرمایا۔ حضرت عائشہؓ نے آپ کو بتایا کہ یہ دیگر ازواج مطہرات
کی معیت میں طوافِ افاضہ کر چکی ہیں۔ تو یہ اندیشہ نازل ہو گیا: اھ

حیض و نفاس والی عہدت کی طواف و دواع سے قبل
حیض و نفاس والی عورتوں کے طواف و دواع کا حکم
میں مختلف فیہ تھا۔ بعد ازاں حضرت صفیہؓ کے قصہ کے پیش نظر جمہور امت کا اس پر اجماع ہو گیا ہے کہ
اس کے لئے واپسی جائز ہے، چنانچہ اوجز میں ہے کہ موقوف لکھتے ہیں: جب طواف و دواع سے قبل کسی عورت
کو حیض شروع ہو جائے تو وہ جا سکتی ہے۔ اس کے ذمہ طواف و دواع نہیں، نہ کچھ قدیہ لازم ہے۔ یہ عام
فقہاء و اصحاب کا قول ہے اور حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ وہ ایسی عورت کو طواف و دواع کے
لئے ٹھہرنے کا حکم فرماتے تھے، اور حضرت زید بن ثابتؓ بھی اسی کے قائل تھے۔ مگر انہوں نے اس سے
رجوع کر لیا تھا! الخ۔

رش) اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اونٹ پر طواف کیا۔ اس کی تفصیل یوم نحر کے بیان میں گزر
چکی ہے۔ اور وہ ان حرم کا وہیم بھی گزر چکا ہے، اور صحیح یہ ہے کہ ان کا یہ طواف، طواف و دواع
تھا۔ جو ۴۴ روزی الحجہ کی صبح کو کیا۔
رق) اور اس رات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عمرہ کی خواہش
حضرت عائشہؓ کا عمرہ تنعیم ظاہر کی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بجائی عبدالرحمنؓ کو

حکم فرمایا کہ انہیں معیم سے عمرہ کرائیں۔ اور وہ رات ہی کو عمرہ سے فارغ ہو گئیں۔ ان کے اس عمرہ پر تفصیل بحث موضع سرف میں ان کے حائفہ ہونے کے قصے میں گذر چکی ہے۔ اور دلائل شیخ ابن قیم کا یہ قول بھی گذر چکا ہے کہ ان کے عمرے میں علماء کے چار مسلک ہیں۔ اور یہ بھی گذر چکا ہے کہ ان کا یہ عمرہ اس عمرہ کی قضا حق جو حیض کی وجہ سے فسح کرنا پڑا تھا۔ کیونکہ حنفیہ کے نزدیک ان کا حج مفرد تھا۔ بخلاف ائمہ ثلاثہ کے، کہ ان کے نزدیک انہوں نے عمرہ ہرج کا احرام باندھ کر قرآن کر لیا تھا جیسا کہ پہلے تفصیل سے گذر چکا ہو (ق) پھر وہ عمرہ سے فارغ ہو کر اپنے بھائی کے ساتھ محصب پہنچ گئیں تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم فارغ ہو گئے؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! پس آپ نے کوچ کا اعلان فرمایا۔ بخاری میں اسی طرح ہے: "اھ دش" اس بار سے میں روایات بہت ہی مختلف ہیں کہ حضرت عائشہؓ عمرہ سے فارغ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کس جگہ پہنچیں، راستہ میں کیا محصب میں؟ یا کسی اور جگہ؟ اور اس ناکارہ کے نزدیک اوجہ وہی ہے جو شیخ ابن قیم نے ذکر کیا کہ حضرت عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محصب ہی میں جا کر ملی تھیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: میں تم دونوں کا انتظار کرتا ہوں: اور واپسی پر فرمایا: کیا تم فارغ ہو گئے؟ اور جب حضرت عائشہؓ نے بتایا کہ وہ فارغ ہو چکے ہیں تو آپ نے کوچ کا اعلان کیا: اس کے علاوہ اور روایات بھی اس پر دلالت کرتی ہیں۔ پس اوجہ وہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محصب میں ان کا انتظار فرمایا۔ تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ مگر ابھی تک محصب کی حدود سے نہیں نکلے تھے۔ پس جن حضرات نے یہ کہا کہ وہ آپ کی منزل ہی میں آپ سے آکر ملی تھیں اس سے ان کی مراد خیمہ نہیں۔ بلکہ محصب ہے۔ کیونکہ آپ خیمہ سے نکل کر مکہ کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ اور جن حضرات نے یہ کہا کہ وہ راستہ میں ملیں، ان کا قول اپنے ظاہر پر ہے۔ یعنی خیمہ سے نکل کر مکہ کی طرف کوچ کرنے کے راستہ میں۔ پھر جب حضرت عائشہؓ اور ان کے بھائی پہنچ گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ کا اعلان فرمایا تاکہ لوگ سامان وغیرہ باندھ کر تیار ہو جائیں۔ کہ یہ افعال کافی وقت اور کئی گفتگوں میں ہو سکتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیزہ حضرات جنہوں نے طواف وداع نہیں کیا تھا مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

(ق) اگر کہا جائے کہ اس حدیث کے درمیان اور حدیث اسود کے درمیان تطبیق کی کیا صورت

ہوگی۔ جو صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے درآنحالیکہ آپ چڑھ رہے تھے۔ اور میں اتر رہی تھی، یا میں چڑھ رہی تھی اور آپ اتر رہے تھے۔ چنانچہ اس حدیث میں ہے کہ ملاقات راستہ میں ہوئی۔ شیخ ابن قیمؒ نے ان دونوں کے درمیان تطبیق کی دو صورتیں ذکر کی ہیں اور ایک تیسری صورت شیخ ابو محمد بن حزمؒ سے نقل کی ہے، جیسا کہ حاشیہ لایع میں بسط کے ساتھ مذکور ہے۔ اور اس ماکارہ کے نزدیک وجہ یہ ہے کہ اس شک میں صحیح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طوافِ وداع کے لئے محصب سے مکہ کی طرف اتر رہے تھے۔ اور حضرت عائشہؓ عمرہ سے فارغ ہو کر مکہ سے محصب کی طرف چڑھ رہی تھیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات محصب میں اس وقت ہوئی جب کہ آپ خیمہ سے باہر تشریف لاپکے تھے، جیسا کہ ابھی اوپر گذرا اور یہ توضیح ناگزیر ہے۔ اور اس کا عکس میرے نزدیک واضح طور پر غلط ہے، اس کی متعدد وجوہ حاشیہ لایع میں مذکور ہیں۔ من جملہ ان کے ایک یہ کہ یہ توضیحات تمام اعتراضات سے سالم ہے جو قاضی عیاضؒ اور حافظ دیغیرہ نے اس قصہ کی روایات پر کئے ہیں۔ جن کی تفصیل حاشیہ لایع میں ہے۔ من جملہ ان کے ایک یہ کہ امام بخاری نے ”باب الاولاج من المحصب“ کا عنوان قائم کیا ہے۔ اور اولاج بسکون دال اول حصہ شب میں چلنے کو کہتے ہیں۔ اور بتشہید دال رات کے آخری حصہ میں چلنے کو۔ اور امام بخاری نے اس باب میں حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث ذکر کی ہے اور شارحین نے اس حدیث سے دونوں ترجمے ثابت کئے ہیں۔ بسکون دال کا حضرت عائشہؓ کے فعل سے اور تشہید دال کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے۔ من جملہ ان کے ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات کو صبح کی نماز مکہ میں پڑھی اور اس میں سورۃ طہ کی قرات کی۔ جیسا کہ بہت سی روایات میں مودع ہے۔ اور اس کا بیان آگے آتا ہے۔ پس یہ صورت بہت ہی بعید ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اول شب میں مکہ آئے ہوں، پھر محصب واپس تشریف لے گئے ہوں۔ اور نماز صبح کے لئے پھر مکہ آئے ہوں۔ اور یہ ثابت نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس رات دو مرتبہ مکہ گئے، اور کوئی وجہ نہیں کہ طواف وداع سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس محصب تشریف لے گئے ہوں۔ اور نہ اس کی کوئی وجہ ہے کہ محصب سے دوبارہ مکہ جائیں جب کہ آپ طواف وداع سے فارغ ہو چکے تھے۔ اور بخلاف

وہل دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم البیت فی حجۃ ام لا۔

ترجمہ: اور کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حج میں بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہوئے یا نہیں!

ان کے ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے مدینہ کی طرف واپسی بالاتفاق اسفل مکہ سے براستہ کھدی ہوئی۔ پس یہ نہایت بعید ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طواف و دواع سے فارغ ہو کر محصب چلے جائیں، جو اعلیٰ مکہ میں ہے۔ اور پھر اسفل مکہ سے مدینہ کی طرف واپسی کے لئے دو بار مکہ اٹکیں۔ ان کے علاوہ اور وجوہ ہیں جو حاشیہ لامع میں مفصل مذکور ہیں۔ اور حافظ ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ یہ باتیں مسائل میں۔

اول یہ کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے یا نہیں | اس حج میں بیت اللہ شریف کا قصد مل ہوئے

یا نہیں؟ پس بہت سے فقہاء کا خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہوئے اور بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ بیت اللہ میں داخل ہونا سنن حج میں سے ہے، کیونکہ ان کے خیال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حج میں بیت اللہ میں داخل ہوئے تھے۔ اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر بیت اللہ میں داخل ہوئے، حج یا عمرے میں نہیں۔ کیوں کہ ان کے خیال میں روایات میں صرف بیت اللہ میں داخل ہونے کا ذکر ہے۔ کذا فی الہدی مختصراً
 رش) حاصل یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمرہ قضا کے موقع پر بیت اللہ میں داخل ہونا متفق علیہ ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر داخل ہوئے یا نہیں؟ شیخ ابن قیمؒ نے اس کا انکار کیا ہے۔ اسی طرح ان کے شیخ حافظ ابن تیمیہؒ اور شیخ نوویؒ بھی منکر ہیں۔ اور ابن سعدؒ نے حجۃ الوداع میں آپ کا داخل ہونا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح بیہقی بھی اسی طرف مائل ہیں، چنانچہ انہوں نے حضرت عائشہؓ کی حدیث کو جو آگے آتی ہے۔ حجۃ الوداع پر محمول کیا ہے۔ اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے نکلے ورنہ ایک آپ بہت ہی خوش تھے۔ پھر واپس تشریف لائے تو غمگین تھے، پھر ارشاد فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ شاید میں نے اپنی امت پر مشقت ڈال دی۔“ اس حدیث کو ابو داؤد، ترمذی، ابن خزیمہ اور حاکم نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ اور ابن حبان بھی اس طرف مائل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کے موقع پر بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ اور محب طبرسی نے عبد اللہ بن ابی اونی کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حج میں اور فسخ مکہ کے موقع پر کعبہ شریف میں داخل ہوئے، اور علامہ سیوطیؒ اور ابن ہمامؒ اس طرف گئے ہیں کہ دونوں دفعہ کا داخلہ حجة الوداع ہی میں ہوا۔ ایک مرتبہ یوم النحر کو داخل ہوئے مگر نماز نہیں پڑھی۔ اور اس سے اگلے دن پھر داخل ہوئے اور نماز پڑھی، یہ حدیث دارقطنی نے بسند حسن ابن عمر سے روایت کی ہے۔ اور زیلعی نے بھی اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ اور مرقات میں ہے کہ میرک کہتے ہیں: متعدد مرتبہ داخل ہونے کا احتمال مسلک جمہور کے خلاف ہے۔ میں کہتا ہوں: جن حضرات نے حجة الوداع میں آپؐ کے داخل ہونے کا انکار کیا ہے وہ حضرت عائشہؓ کی مذکورہ بالا حدیث کو فسخ مکہ پر محمول کرتے ہیں۔ اور یہ بہت ہی بعید ہے۔ کیونکہ بیت اللہ شریف میں داخل ہونے کا افسوس اس مرتبہ کا نہیں ہو سکتا کہ فسخ مکہ اور دیگر فتوحات سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ منورہ میں اپنے گھر شریف لائے تک باقی رہتا۔ یہاں تک کہ فسخ مکہ اور دیگر عظیم الشان فتوحات کی مسرت پر بھی غالب آجاتا۔ اور مدینہ منورہ شریف لاتے ہی اس غم کا اتنا غلبہ ہوتا کہ حضرت عائشہؓ دیکھتے ہی پہچان جاتیں۔ اور فوراً اس افسوس اور غم کی وجہ دریافت کرتیں جیسا کہ ابن ماجہ کی روایت کے الفاظ اس کی طرف شہید ہیں۔ کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ جب میرے پاس سے شریف لے گئے تھے تو خوش و خرم تھے۔ اور واپس شریف لائے تو غمگین ہیں؟ اس سے واضح تر الفاظ وہ ہیں۔ جو تاملی قاری نے نقل کئے ہیں یعنی: آج میں نے ایسا کام کیا کہ اگر مجھے پہلے خیال ہوتا۔ الم اور یہی لفظ ابن سعد کی روایت کے ہیں پس یہ روایت اس امر میں گویا نص ہے کہ بیت اللہ میں داخل ہونے کے بعد یہ واپسی اسی دن مکہ مکرمہ میں حضرت عائشہؓ کے گھر ہوئی تھی۔ کنانی حاشیہ الامع۔

اور اس مسئلہ پر اجازت میں خوب بسط سے کلام کیا ہے اور اس کی تلخیص
بیت اللہ میں داخل ہونے کا حکم | حاشیہ الامع میں دو جگہ ذکر کی ہے۔ کتاب الحج میں۔ اور کتاب المغازی

میں۔ اس میں کتاب الحج میں ہے: ائمہ اربعہ کی فقہی کتابوں میں بیت اللہ شریف کے داخلے کو منہوبات میں ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ الموفق نے المغنی میں، نووی نے مناسک اور شرح منہب میں اسی طرح شرح لباب، ابن ہمام، صاحب نہر، صاحب درختہ اور ابن عابدین نے اس کی تصریح کی ہے انہوں نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ بیت اللہ میں داخل ہونا مکہ میں شامل نہیں۔ اور شرح لباب میں ہے کہ وفال ہونے والوں سے اجرت لینا علماء امت کے نزدیک بالاتفاق حرام ہے۔ اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ جس چیز کا لینا حرام ہے بلا ضرورت اس کا دینا بھی حرام ہے۔ اور یہاں کوئی ضرورت نہیں کہ یہ مناسک میں نہیں۔ اھ

وہل وقف صلی اللہ علیہ وسلم فی الملتزم املا۔
ترجمہ: اور کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ملتزم میں کھڑے ہوئے یا نہیں۔

نودہنی اپنے مناسک میں فرماتے ہیں: خبردار! اس بدعت سے دھوکا مت
العرۃ الوثقی | کھائیو جو بعض اہل ضلالت نے "العرۃ الوثقی" کے نام سے ایجاد کی ہے کہ بیت اللہ
کے دروازے سامنے کی دیوار میں جو بلند سی جگہ ہے اس کا نام انہوں نے العرۃ الوثقی رکھ لیا اور
خیال کیا کہ جو شخص اس کو پڑے اس نے العرۃ الوثقی کو مضبوط پکڑ لیا:

"اور دوسری بدعت یہ کہ بیت اللہ کے اندر جو شیخ ہے اس کا نام انہوں نے دنیا کی
دنیا کی ناف | ناف رکھ لیا اور عوام کو اس پر آمادہ کیا کہ آدمی اپنی ناف نگلی کر کے اس پر بیٹھ کے
بل بیٹھ جائے تاکہ وہ اپنی ناف کو دنیا کی ناف پر رکھنے والا ہو! اور ابن حجر اس کی شرح میں لکھتے ہیں: یہ
دونوں باطل اور نودہنی نے ذکر کئے ہیں، مجدد اللہ کعبہ شریف سے ہٹا دیئے گئے ہیں: احمد شیخ ابن ہمام
کہتے ہیں: دیوار کعبہ کی بلند سی جگہ کو العرۃ الوثقی کہنا جیسا کہ عوام میں مشہور ہے ایک بے اصل بدعت
ہے اور بیت اللہ شریف کے درمیان کی میخ کو جبال دنیا کی ناف کہتے ہیں۔ اور اپنی ناف کھول کر اس پر
رکھتے ہیں، یہ ایک ایسے شخص کا کام ہو سکتا ہے جو علم کجا، عقل سے بھی محروم ہو، اسی طرح ہمارے بہت
سے حضرات مثلاً صاحب نور الایضاح، اور صاحب در مختار نے اس بدعت کا ذکر کیا ہے۔

مسئلہ دوم: اور کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ملتزم میں کھڑے ہوئے
ملتزم پر کھڑے ہونا | یا نہیں؟ صریح روایت دلالت کرتی ہے کہ آپ کا ملتزم میں کھڑا ہونا فتح
مکہ کا واقعہ ہے، چنانچہ ابوداؤد میں عبدالرحمن بن ابی صفوان سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا، تو میں گیا، پس میں نے دیکھا کہ آپ اور آپ کے صحابہ بیت اللہ سے نکلے،
اور دروازہ شریف سے حطیم تک استلام کیا۔ اور اپنے رخسار بیت اللہ پر رکھے، رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ان کے درمیان میں تھے، نیز ابوداؤد نے عمرو بن شعیب سے اباعن جد روایت کی ہے کہ میں
نے حضرت عبداللہ کے ساتھ طواف کیا، جب ختم طواف کے بعد حجر اسود کا استلام کیا تو حجر
اسود اور دروازہ بیت اللہ کے درمیان کھڑے ہوئے اور اپنا سینہ، چہرہ، کلائیوں اور ہاتھیلیاں
دیوار پر رکھیں، اور ان کو خوب پھیلایا۔ اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے

دیکھا ہے۔ اس میں احتمال ہے کہ یہ عمل طواف وداع کے موقعہ کا ہو یا کسی دوسرے موقعہ کا۔ لیکن حضرت مجاہدؒ اور ان کے بعد امام شافعیؒ وغیرہ اس کے قائل ہیں کہ طواف وداع کے بعد ملتزم پر کھڑا ہونا مستحب ہے۔ اتہنی۔ اور امام مالکؒ نے بلا غار روایت کیا ہے کہ ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ رکن و مقام کے مابین حصہ ملتزم ہے۔ اور جن میں اس روایت پر مفصل کلام کیا ہے۔ نیز اس میں مستند البند شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی روایت سے ملتزم کے پاس قبولیت دعا کی حدیث مسلسل ذکر کی ہے۔ اور موفق کہتے ہیں: حدیث ابو داؤد کی بنا پر طواف وداع کرنے والے کے لئے ملتزم میں کھڑا ہونا مستحب ہے، منصور کہتے ہیں کہ میں نے حضرت مجاہد سے دریافت کیا کہ جب ریت اللہ سے وداع کا ارادہ کروں تو مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ طواف بیت اللہ کے ساتھ پھیرے کرو، مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھو، پھر چارہ زمرم پر جا کر کھڑے ہو کر پانی پیو، پھر ملتزم پر آکر اس کا استلام کرو، پھر دعا کرو، اور جو چھتا جتن اللہ تعالیٰ سے مانگنی ہوں مانگو، پھر حجر اسود کا استلام کر کے واپس آجاؤ، اھ اور نوویؒ نے اپنے مناسک میں طواف وداع کے بعد ملتزم کی دعا کو مستحب کہا ہے، اور تلامذہ علی قاریؒ شرح لباب میں فرماتے ہیں: اور وداع کا طریقہ یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہو کر سب سے پہلے حجر اسود کا استلام کرے، پھر طواف کے ساتھ پھیرے کرے، پھر دو گانہ طواف ادا کرے، پھر زمرم پر آکر پانی پیئے، اور دھوسکے تو خود پانی نکالے، پھر ملتزم پر حاضر ہو، اور باب کعبہ پر حاضر ہو کر اس کی دہلیز کو چومے اور دعا کرے۔ یہ ترتیب جو ذکر کی ہے روایات میں بھی مشہور ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ دو گانہ طواف کے بعد ملتزم پر جائے، وہاں سے فارغ ہو کر زمرم پر آئے، اور وہاں سے واپس ہو اور پہلی ترتیب زیادہ صحیح ہے۔ جیسا کہ زیلعیؒ اور کرمانی نے اس کی تصریح کی ہے۔ اور ہدایہ میں ہے: پھر مکہ میں داخل ہو اور طواف بیت اللہ کے ساتھ پھیرے کرے۔ ان میں مثل نہ کرے۔ یہ طواف صد ہے۔ جسے طواف وداع کہتے ہیں۔ اور طواف کی دو رکعتیں پڑھے، پھر زمرم پر جا کر پانی پیئے، کیونکہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس پانی نکال کر نوش فرمایا، پھر باقی نڈل کنوئیں میں ڈال دیا۔ اور مستحب ہے کہ بیت اللہ شریف کے دروازے پر حاضر ہو۔ اس کی دہلیز کو ہوسرے، پھر ملتزم پر آئے۔ پس اپنا سینہ اور چہرہ اس پر رکھے اور کچھ دیر تک سر دھکے کو پکڑے رہے، پھر اپنے گھر کی طرف لوٹ آئے۔ اسی طرح روایت کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملتزم پر یہ عمل کیا تھا۔

دھل صلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الصبح صبیحۃ لیلة الوداع حکمت اوخاجنا ترجمہ: اور کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلة الوداع کی صبح کو فجر کی نماز مکہ میں پڑھی یا بیرون مکہ؟۔

قبولیت دعا کے مقابلے اور ابن ہمام فرماتے ہیں: ملزم ان مقامات میں سے ہے جہاں دعا قبول ہوتی ہے۔ یہ بات حضرت ابن عباسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے۔

اور حسن بصریؒ نے جو خط اہل مکہ کو لکھا تھا اس میں تحریر فرمایا تھا کہ وہاں پندرہ مقامات پر دعا قبول ہوتی ہے۔ طواف میں، ملزم پر، میزب رحمت کے نیچے، بیت اللہ کے اندر۔ زمزم کے پاس۔ مقام ابراہیمؑ کے پیچھے، صفا پر، مردہ پر، سخی میں۔ عرفات میں، مزدلفہ میں۔ منیٰ میں۔ اور تینوں حجرات کے پاس، اور حسن بصریؒ کے علاوہ دوسرے حضرات نے ذکر کیا ہے کہ بیت اللہ کو دیکھتے وقت اور حطیم میں بھی دعا قبول ہوتی ہے لیکن دوسرا مقام تحت المیزاب ہے: اہم اور علامہ جزیریؒ نے ”حسن حصین“ میں حضرت حسن بصریؒ کا خط نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: ”اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس، یعنی وہ نہ تشریف کے پاس۔ دعا قبول نہ ہو تو اور کہاں ہوگی؟“ اور مولانا عبدالحی کھنوی نے حسن حصین کے حاشیہ میں حزن نہیں سے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ: ”اسی طرح مسجد نبوی کے تمام مواضع میں دعا قبول ہوتی ہے۔ جیسے منبر شریف اور ستون ہائے شریف اور دینہ منورہ کے باقی مشاہد اور ان کنوؤں کے پاس جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہے۔ اور تہقیر واحد میں صحابہ کرامؓ کے مقابر کے پاس۔ اسی طرح مسجد قبا اور تمام مساجد ماثورہ میں۔ انتہی۔“

مسئلہ سوم: اور کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلة الوداع صبح کی نماز مکہ میں پڑھی یا بیرون مکہ؟ صبح کو فجر کی نماز مکہ میں پڑھی یا بیرون مکہ؟ صحیحین میں حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مرض کی شکایت کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا کہ سوار ہو کر لوگوں کے اوپر اوپر سے طواف کر لیجیو، چنانچہ انہوں نے طواف کیا وہ تغلیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ طور پر صدمہ رہے تھے: اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ جب صبح کی جماعت کھڑی ہو تو طواف کر لینا، اس حدیث سے بظاہر اس کی تائید ہوتی ہے کہ آپؐ نے فجر کی نماز مکہ میں پڑھی، اور جن لوگوں نے کہا کہ یہ یوم النحر کی نماز فجر تھی یہ ان کا وہم ہے۔ کذا فی الہدیٰ تغیر و اختصار رش، اور یہ کہنا بھی وہم ہے کہ عشا کی نماز تھی جیسا کہ ابن خزیمہ کی روایت میں ہے اور یہ روایت شاذ ہے جیسا کہ ابوزر میں ہے۔ اور ابن ماجہ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے اس کو نماز نفل پر محمول کیا ہے جیسا کہ فتح میں ہے،

(قلت) ثم خرج من مكة من طريق كُدَيْ
(ش) پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم براستہ کدئی مکہ سے نکلے

اور بخاری کی روایت میں نماز صبح کا لفظ دوسرے تمام احتمالات کی تردید کرتا ہے۔

رشدِ حجۃ الوداع کے سلسلہ کی دو حدیثیں باقی رہ گئیں جن کے محل کی تحقیق مجھے ابھی تک نہیں ہو سکی، انکی تفتیش کر لی جائے۔ ایک تو ابوہریرہؓ کی روایت اپنے باپ سے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ حجۃ الوداع میں اپنی ازواج مطہرات سے فرما رہے تھے، "هذه شعرة راحل الحصر" یعنی تیس تمہارا یہ جج بولیا، پھر حیثائی کی پشت سے چٹے رہنا یہ حدیث امام ابو داؤد نے کتاب حج کے آغاز میں ذکر کی ہے اور شیخ قدس سرہ نے بدل میں اس حدیث کی تشریح اور روافض کی تردید خوب شرح و بسط سے کی ہے، اسی طرح حافظ ابن حجرؒ اور حافظ عینی نے بھی اس حدیث پر کلام کیا ہے، مگر مجھے ابھی تک یہ تحقیق نہیں ہو سکی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں کس جگہ یہ ارشاد فرمایا تھا۔

دوسری حدیث اس کو بھی ابو داؤد ہی نے "باب من عطی الصدقة وحدا لثی" میں عبد اللہ بن خیاری بن عدی کی روایت سے ذکر کیا ہے، ان کا بیان ہے کہ مجھے دو شخصوں نے بتایا کہ وہ دونوں حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ صدقات تقسیم فرما رہے تھے۔ انہوں نے بھی صدقہ کا سوال کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سر سے پاؤں تک دیکھ کر محسوس کیا کہ ہم قومی اور مضبوط ہیں، پس ارشاد فرمایا تم چاہو تو ہمیں بھی دے دیتا ہوں مگر ان صدقات میں نہ غنی کا حق ہے نہ ایسے طاقتور کا جو کسب معاش پر قادر ہو، یہ حدیث امام احمد، بیہقی اور دارقطنی نے بھی روایت کی ہے۔ اس میں حجۃ الوداع کی تصریح ہے، نیز امام طحاوی، نسائی، اور ابن ابی خبیبہ نے بھی اس کو روایت کیا ہے مگر ان میں سے کسی کتاب میں تصریح نہیں ملی کہ یہ دونوں صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حجۃ الوداع میں کس جگہ حاضر ہوئے تھے۔ اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس جگہ صدقات تقسیم فرمائے تھے۔

اس کی تفتیش کر لی جائے۔ ————— (ش) پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم براستہ کدئی مکہ سے نکلے۔ کدئی مکہ کی تفتیش کر لی جائے۔ —————

اور البدایہ والنہایہ میں ذکر کیا گیا ہے اور صحیحین وغیرہ کی روایات میں معروف ہے

حافظ کہتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس حکمت کی بنا پر آمدت راستہ بدلنے کی حکمت | کاراستہ تبدیل فرمایا! اس میں مختلف قول ہیں۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ اس میں

واستصحب معه من ماء زمزم شيئاً
توجہ: اور کسی قدر ماء زمزم بھی اپنے ساتھ لیا۔

حکمت یہ تھی کہ وہ سارے لوگ جو آپ کے راستہ میں آئیں، اس سے برکت حاصل کریں۔ پس یہاں بھی کچھ وہی باتیں ذکر کی گئی ہیں جو عید کے بیان میں ذکر ہو چکی ہیں۔ اور عید کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے میں اسے بالاستیعاب دہاؤں ذکر کر چکا ہوں، ان میں بعض امور یہاں اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ داخلہ کے لئے بلندی کی جانب مناسب تھی کہ اس میں مکان کی تعظیم ہے۔ اور نکلنے کے لئے تہیب کی جانب مناسب تھی کہ اس میں فراق کی طرف اشارہ ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ چونکہ ابراہیم علیہ السلام مکہ میں اسی جانب سے داخل ہوئے تھے اس لئے یہ جانب اختیار کی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے موقع پر مکہ سے خفیہ نکلے تھے اس لئے ارادہ فرمایا کہ بلندی کی جانب سے کمال ظہور داخل ہوں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ جو شخص اعلیٰ مکہ سے داخل ہو اس کو بیت اللہ کا استقبال حاصل ہوتا ہے اس لئے اس جہت کو اختیار فرمایا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ میں اس جانب سے داخل ہوئے تھے۔ اس لئے وہی معمول برقرار رہا، الخ پوری تفصیل دہاؤں دیکھ لی جائے۔

اور ابدا یہ والنبایہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

آپ نے زمزم ساتھ لے جانا
نے واپسی پر کسی قدر آب زمزم بھی اپنے ساتھ لیا۔ چنانچہ ترمذی نے اپنی سند سے حضرت عائشہؓ کا یہ معمول نقل کیا ہے کہ وہ اپنے ساتھ آب زمزم لے جاتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسے لے جاتے تھے۔ شیخ قدس سرہ کو کتب میں فرماتے ہیں: اس میں آب زمزم لے جانے کے حوازی دلیل ہے، مگر دہری چیزوں کو، جو لے جانے سے کم ہو جاتی ہیں اور اس میں مکہ کا نقصان ہے۔ اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً مٹی، کہ مٹی لے جانے میں دہاؤں کے مقامات میں نقص واقع ہوگا۔ اور گڑھے بن جائیں گے۔ آٹھ شیخ قدس سرہ نے جو فرمایا ہے وہ بالکل واضح ہے کہ آپ زمزم لے جانے سے کم نہیں ہوتا۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ لاکھوں انسان اسے رات دن پیئیں اور ہزاروں ڈرم ساتھ لے جاتے ہیں مگر وہ ذرا بھی کم نہیں ہوتا۔ اور رد ویر نے آب زمزم بکثرت پینے اور اپنے ساتھ دہاؤں لے جانے کو منہ دبات میں ذکر کیا ہے۔ اور شرح لباب میں ہے کہ آب زمزم

قال، ثم ارتحل رسول الله صلى الله عليه وسلم راجعاً إلى المدينة رقت، فلما وصل غدیر خم خطب صلى الله عليه وسلم وذكر فيها فضل علي رضي الله عنه توجهم: (رق) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف واپسی کے لئے روانہ ہوئے (رش) پس جب غدیر خم پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور اس میں حضرت علیؑ کی فضیلت بیان فرمائی۔

کا وطن لے جانا مستحب ہے، تاکہ ہندوکان خدا اس سے برکت حاصل کریں۔ اس پر ترمذی کی مذکورہ بالا روایت دلیل میں پیش کی ہے، اور غیر ترمذی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ساتھ لے جاتے تھے، مہربانوں کو پلاتے اور ان پر چڑھتے تھے اور حسن و حسین کی تحنیک بھی اسی کے ساتھ فرمائی تھی۔ میں کہتا ہوں کہ روایات میں یہ بھی آتا ہے، جیسا کہ کنز العمال میں ہے، کہ مازنرم کا ہدیہ مانگنے کا حکم فرمایا۔ اور یہ بحث طواف زیارۃ کے بیان میں گذر چکی ہے، کہ مازنرم تمام پانیوں سے افضل ہے۔

خطبہ غدیر خم | (رق) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۴ ارذی الحج چہار شنبہ بدھ، کی صبح کو مدینہ کی طرف واپسی کے لئے روانہ ہوئے (رش) پس جب غدیر خم پہنچے، جموی کہتے ہیں:

غدیر بفتح اول و کسر ثانی۔ اور غدیر خم مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے، اس کے اور محفہ کے درمیان دو میل کا فاصلہ ہے۔ اور خم کے بیان میں کہتے ہیں: زخم شری کا قول ہے کہ خم، دو اصل ایک زنگریز آدمی کا نام تھا اس کی طرف یہ تالاب منسوب ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ وہ محفہ سے تین میل پر ہے، اور صاحب مشارق کہتے ہیں: اور خم ایک جگہ ہے جہاں چشمہ بہتا ہے۔ تالاب اور خمہ کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ہے۔ اور حازمی کہتے ہیں: خم کہ اور مدینہ کے مابین محفہ کے پاس ایک داوی کا نام ہے، جہاں ایک تالاب ہے۔ اس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا تھا اور جموی نے غدیر اور خم کی وجہ تسمیہ میں اقوال بسط سے ذکر کئے ہیں، اول شیخ احمد بن عبدالحید عباسی نے عمدة الاخبار میں ذکر کیا ہے کہ اسدی کہتے ہیں: محفہ سے تین میل پر راستے کی بائیں جانب چشمہ کے برابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ہے۔ اور اس کے پاس ہی ایک بن ہے، یہی غدیر خم ہے، اور یہ محفہ سے چار میل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہی خم ہے جس کے پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منزل کی اور وہاں درخت کے نیچے طہر کی نماز پڑھی، اور حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اے اللہ! جس کا میں دوست ہوں علیؑ بھی اس کے دوست ہیں۔ الخ۔ ۱۱ھ۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور اس میں حضرت علیؑ کی فضیلت بیان فرمائی، صاحب البدایہ

والنہایہ کہتے ہیں: "فصل: اس حدیث کے ذکر میں جو حضرت علیؑ کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے واپسی پر مکہ اور مدینہ کے درمیان جحفہ کے قریب ایک جگہ میں جو غدیر خم کہلاتی ہے خطبہ دیا۔ اس میں حضرت علیؑ کی فضیلت بیان فرمائی۔ اور بعض اہل یمن جو آپ کے ساتھ تھے ان کے اعتراضات سے ان کی برأت ظاہر فرمائی۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ حضرت علیؑ نے ان سے عدل و انصاف کا معاملہ کیا تھا۔ جس کو ان میں بعض نے ظلم، سنگی اور بھل سمجھا، حالانکہ اس معاملہ میں علیؑ حق بجانب تھے، اس لئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیان مناسک سے فارغ اور مدینہ کی طرف واپس ہوئے تو راستہ میں اس کو بیان فرمایا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بروز اتوار ۸ اردی الحجۃ کو غدیر خم میں ایک درخت کے نیچے ایک عظیم الشان خطبہ دیا، جس میں بہت سی چیزیں ذکر فرمائیں۔ اور حضرت علیؑ کے فضل و کمال، عدل و انصاف اور آپ سے ان کی قربت کو بیان فرمایا۔ جس سے بہت سے لوگوں کے دل میں جو شکوک و شبہات تھے وہ زائل ہو گئے، ہم یہاں ان منتخب احادیث کو ذکر کرتے ہیں جو اس سلسلہ میں وارد ہوئیں۔ اور یہ بھی بیان کریں گے کہ ان میں کون سی صحیح ہے اور کون سی ضعیف۔ نیز یہ بتائیں گے کہ شیعہ کے لئے ان میں کوئی حصہ نہیں۔ نہ ان کے باطل مدعا پر کوئی دلیل و حجت ہے: "اس کے بعد صاحب البدایہ والنہایہ نے ان روایات کو ذکر کیا ہے۔ اور ان میں سے بیشتر روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے: "من كنت مولاً فعلي" مولاً: جس کا میں دوست ہوں علیؑ بھی اس کے دوست ہیں (اور مشکوٰۃ میں بروایت احمد برابر ابن عازب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غدیر خم میں اترے تو حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: کیا تمہیں علم نہیں کہ مجھے اہل ایمان سے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قرب و تعلق ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: بے شک۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: اے اللہ! جس کا میں دوست ہوں علیؑ بھی اس کے دوست ہیں۔ اے اللہ! جو شخص علیؑ کو دوست رکھے تو اس کو دوست رکھ، اور جو شخص اس سے دشمنی کرے تو اس سے دشمنی کر۔" اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حضرت علیؑ سے ملاقات ہوئی تو ان سے فرمایا اے ابن ابی طالب! تمہیں مبارک ہو کہ تم صبح و شام یعنی: ہر وقت و ہر حال، ہر مومن مرد و عورت کے محبوب اور دوست ہو گئے۔" ۱۷

تلا علی قاری کہتے ہیں: "شیعہ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ یہ حدیث حضرت علیؑ کی خلافت پر نص صریح ہے، چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ یہاں مولیٰ کے معنی اولیٰ بالامانت یعنی خلافت کا سب سے زیادہ مستحق کے ہیں۔

ورد لوگوں کو اس طرح جمع کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اور یہ دان کے خیال میں ان کا سب سے بڑا مسئلہ تو یہی مسئلہ تھا۔ علمائے اہلسنت نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ مولیٰ بمعنی محبوب ہے، بلاشبہ حضرت علیؑ ہمارے آقا اور محبوب ہیں، اور مولیٰ کے کئی معنی ہیں، ان میں سے جملہ ناصر و غیرہ ہیں۔ لہذا یہ حدیث دان کے مدعی پر نص بھی نہیں چڑھا سکتے۔ اسے نص صریح کہا جائے۔ اگر بالفرض اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہاں مولیٰ کے معنی اولیٰ بالامتن ہیں تو اس سے مراد وہی الحال نہیں بلکہ فی الحال ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سبوحگی میں بھی امام دوسری ہوں۔ اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ حدیث سے مقصود یہ ہے کہ جب ان کی خلافت کے لئے عقد بیعت ہوگا اسی وقت وہ سب سے اہق ہوں گے۔ لہذا یہ خلفائے ثلاثہ کی تقدیم کے منافی نہیں۔ کہ ان کی تقدیم پر تمام قابل ذکر لوگوں کا۔ حتیٰ کہ خود حضرت علیؑ کا بھی۔ اجماع ہے۔ مزید براں یہ کہ حضرت علیؑ نے اپنے دور خلافت تک کبھی اس حدیث سے استدلال نہیں فرمایا۔ آپ کی خاموشی معمولی علم و عقل کے آدمی کے نزدیک بھی اس امر میں فیصلہ کن ہے۔ کہ حضرت علیؑ کے نزدیک یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی خلافت بلا فصل میں نص نہیں جیسا کہ خود حضرت علیؑ تصریح فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ ان کی خلافت کی تصریح فرمائی نہ کسی دوسرے کی۔ علاوہ انہیں یہ کہ یہ حدیث خبر واحد ہے اور پھر اس کی صحت بھی مختلف فیہ ہے، پس جب شیعوں کا اس اصول پر اتفاق ہے کہ احادیث امامت میں تو اثر شرط ہے تو انہیں اپنے اصول کے خلاف اس حدیث سے استدلال کی جرأت کیسے ہوئی؟ اس کو مناقض صریح اور تعارض قبیح کے سوا اور کیا نام دیا جائے؟ اھ۔

اور صحیح الاشی میں مسلمانوں کی اعیاد کے بیان میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: اور شیعہ نے ایک تیسری عید اختراع کر رکھی ہے، جس کو وہ عید الفطر کا نام دیتے ہیں، جس کا سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غدیر خم میں حضرت علیؑ سے مواخات قائم کرنا ہے، اس کا قصہ یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس ہوئے تو غدیر خم میں اترے، اور صحابہ کرام کے درمیان مواخات قائم کی، مگر حضرت علیؑ کے ساتھ کسی صحابی کی مواخات قائم نہیں کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ ان میں اس کی وجہ سے شکستگی پائی جاتی ہے۔ تو انہیں اپنے ساتھ لایا، اور فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہارا تعلق مجھ سے وہی ہو جو ہارون علیہ السلام کا مولیٰ علیہ السلام سے تھا۔ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور آپ نے صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: جس کا میں دوست ہوں، اس کا علیؑ دوست ہے، یہ واقعہ اردو المجلد سہم کا ہے، شیعہ اس عید کو ساری ملت نماز پڑھتے۔ اور اس کی صبح کو زوال سے قبل دو کھیتیں پڑھتے ہیں۔ اور اس عید میں کپڑے

پہننا غلام آزاد کرنا، بکریاں ذبح کرنا اور اپنے پرانے سبک الفت و اکرام سے پیش آنا ان کا شعار ہے۔
اور شعرا وغیرہ ان کے بڑوں کو عید کی مبارک باد دیتے ہیں: "اھ۔"

میں کہتا ہوں کہ صاحب "صبح الاعشٰی" نے اس خطبہ کا سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرام کے درمیان
مواخات قائم کرنا جو ذکر کیا ہے میں اس کے سمجھنے سے قاصر ہوں۔ کیونکہ مواخات کا واقعہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے زمانہ میں دو مرتبہ پیش آیا۔ اول مکہ میں، جب کہ صرف مہاجرین کے درمیان حق و غم خواری
کے لئے مواخات قائم فرمائی۔ چنانچہ حضرت ابو بکر و عمرؓ کے درمیان اور حضرت علیؓ اور خود اپنی ذات کے
درمیان مواخات فرمائی، اسی طرح قسطلانی نے کچھ اور مہاجرین کے نام بھی ذکر کئے ہیں۔ جن کے درمیان
مواخات فرمائی۔ دوم: ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں قسطلانی کہتے ہیں: "جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ
میں تشریف لائے تو حضرت انس بن مالکؓ کے گھر میں مہاجرین و انصار کے درمیان مہمدومی و غم خواری
کے لئے مواخات قائم کی۔ اور وہ دو شروع شروع میں اس مواخات کی بنا پر ایک دوسرے کے وارث ہوتے
تھے" جیسا کہ حاشیہ بخاری میں قسطلانی سے نقل کیا ہے۔ میرے نزدیک اس خطبہ کا سبب یہ ہے کہ بعض
صحابہ خصوصاً اہل یمن نے حضرت علیؓ سے بے الفتی کا مظاہرہ کیا تھا۔ چنانچہ امام بخاری نے "بعثت علی الی
الیمین قبل حجة الوداع" کے ذیل میں حضرت بریدہؓ کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ: "میں حضرت علیؓ سے
بعض رکھتا تھا۔ ایک بار انہوں نے غسل کیا تو میں نے راز راہ اعتراض حضرت خالدؓ سے کہا: "ان کو دیکھتے ہو؟"
پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو میں نے آپؐ سے اس کا تذکرہ کیا۔ الحدیث۔ اور البیہاقی
والنبہایہ میں حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ میں حضرت علیؓ کے ساتھ جہاد کے لئے یمن گیا، پس میں نے ان سے کچھ
بے وفائی رجوعہ محسوس کی، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو تنقیص کے انداز میں حضرت
علیؓ کا ذکر کیا، میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور متغیر ہو گیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا اے
بریدہ! کیا مجھے تمام مومنوں سے ان کی جان سے بھی زیادہ تعلق نہیں؟ میں نے عرض کیا: بے شک۔ آپؐ
نے فرمایا! جس کا میں دوست اور محبوب ہوں علیؓ بھی اس کے دوست اور محبوب ہیں" یہ حدیث
نسائی نے ابوداؤد حسانی سے اسی طرح روایت کی ہے۔ اور شیخ ابن حجرؒ نے "الصواعق المحرقة" میں
شیعہ کے استدلال پر جو انہوں نے امام المشرق و المغرب امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
کی خلافت بلا فصل پر اس حدیث سے کیا ہے، خوب رد کیا ہے اور اس کا کچھ حصہ مشکوٰۃ کے اردو ترجمہ کے

مظاہر حق میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ نیز صبح الاغشیٰ میں "اما رضیٰ ان کون منی بمنزلہ ہارون من من موسیٰ" کا اس وقت پر ذکر کہ خلافت معروف ہے۔ کیونکہ روایات میں معروف یہ ہے کہ یہ ارشاد غزوہ تبوک کو جاتے ہوئے فرمایا تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے لئے تشریف لے گئے، اور حضرت علیؑ کو مدینہ میں اپنا جانشین بنایا تو انہوں نے عرض کیا کہ کیا آپ مجھے خود توں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں، اس پر آپؐ نے فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہاری نسبت مجھ سے وہی ہو جو ہارون علیہ السلام کی موسیٰ علیہ السلام سے تھی؟ اور علی قاری نے مرقات میں اس مضمون کی متعدد روایات ذکر کی ہیں۔ اور انہوں نے توبہ پستی کے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا تھا جب کہ آپؐ غزوہ تبوک کے لئے تشریف لے جا رہے تھے، اور حضرت علیؑ کو اپنے اہل پر خلیفہ مقرر کیا تھا۔ منافقوں نے اس کو خوب اڑایا۔ اور کہا کہ ان کو گرانی اور بے قدری کی بنا پر چھوڑے جا رہے ہیں۔ جب حضرت علیؑ نے یہ باتیں سنیں تو اپنے ہتھیار اٹھا کر نکلے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ آپؐ اس وقت مقام حرف میں فروکش تھے، پس عرض کیا کہ یا رسول اللہ! منافق مجھے بوں طعنے دیتے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: وہ جھوٹ کہتے ہیں، میں تجھے ان لوگوں کی خاطر چھوڑ کر جا رہا ہوں جو میرے پیچھے رہ جائیں گے۔ جا، میرے اور اپنے اہل و عیال میں میرا جانشین ہوا لے علیؑ کیا تو راضی نہیں کہ میری نسبت "الحديث" اور اس حدیث سے حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل پر استدلال کرنا وہ صواب سے بعید ہے۔ بوری بحث مرقات میں ہے۔ (دفعہ) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطبہ میں ارشاد فرمایا: صدقہ نہ مجھ کو حلال ہے نہ میرے اہل بیت کو۔ اللہ کی لعنت ہو اس پر جو اپنے باپ کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے، یا اپنے آقاؤں کے علاوہ کسی اور سے موالات قائم کرے، بچہ اس کا ہے جس کے فراش پر پیدا ہوا اور زانی کے لئے پتھر ہے۔ وارث کیلئے وصیت نہیں۔ "نیلوبی" تخریج ہدایہ میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث ابن عدی نے زید بن الدقم اور برائوس سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم درخت کی شاخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک سے اٹھا رہے تھے، پس آپؐ نے فرمایا: صدقہ... الحديث۔ اور اس حدیث میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصہ کا ذکر نہیں۔

وقال) فلما كان بالروحاء لقي ركباً فسلم عليهم
توجہ: پس جب کہ آپ مقام روحاد میں پہنچے تو سواروں کی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی، پس آپ
نے ان کو سلام کہا۔

رق) ایس جب آپ مقام روحاد میں پہنچے، یہ مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے دوسری منزل ہے اس کے
ضبط اور مسافت کا بیان آنحضرت صلی اللہ علیہ کی مدینہ سے روانگی کے بیان میں گذر چکا ہے۔ تو سواروں
کی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی۔ ركب: راکب کی جمع ہے، یعنی سواروں کی جماعت۔ اور اوجز میں
ہے کہ: میرے والد قدس سرہ نے اپنے شیخ حضرت قطب گنگوہی قدس سرہ سے درس نسائی کے افادات
میں نقل کیا ہے کہ: ملاحظہ روایات سے جو بات منتقع ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ سوال بیت اللہ کو جاتے وقت
مواقتاً اس لئے یہاں صدور سے مراد مدینہ سے روانگی ہے: اور حضرت گنگوہیؒ کے کلام میں لفظ یہاں
سے مراد نسائی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: صدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما كان بالروحاء الخ یعنی
حوٹے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تک کہ جب روحاد میں پہنچے شیخ ابن قیم نے البہدئی میں اور ہمارے
شیخ نے بذل میں یہ رائے اختیار کی ہے کہ یہ قصہ مکہ سے واپسی کا ہے، اس کی تائید ایک تونسائی کی مذکورہ
روایت کے لفظ صدر سے ہوتی ہے، دوسرے سند شافعی اور سیقی میں بطریق شافعی عن ابن عیینہ عن
ابراہیم اس روایت کے الفاظ یہ ہیں: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قفل فلما كان بالروحاء الخ
یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے۔ یہاں تک کہ جب روحاد پہنچے: اوجز کی عبارت ختم ہوئی۔
اور شیخ گنگوہیؒ کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام ابوداؤد اور امام نسائی نے اس حدیث کو کتاب الحج کے
آغاز میں ذکر کیا ہے۔ پس آپ نے ان کو سلام کہا اور دریافت فرمایا کہ کون لوگ ہیں؟ اس حدیث میں ایک
انکال ہے اور وہ یہ کہ آگے حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ ان حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
بارے میں سوال کیا کہ آپ کون ہیں، اب سوال یہ ہے کہ کیا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ سے واپسی
تک نہیں پہچانا؟ نہ طواف میں، نہ عرفات میں، نہ منیٰ کے خطبات میں؟ اس کا جواب نووٹس نے اور ان کی پیروی
میں زرقانی نے شرح مواہب میں یہ دیا ہے کہ معیاض کہتے ہیں کہ احتمال ہے کہ یہ ملاقات رات کے وقت
ہوئی ہو۔ اس لئے انہوں نے آپ کو نہ پہچانا ہو، اور احتمال ہے کہ دن کا وقت ہو مگر انہوں نے اس سے قبل
آپ کی زیارت نہ کی ہو، کہ اپنے علاقے میں اسلام لائے اور اس سے قبل رحمت نہیں کی الخ مگر یہ جواب نہایت

فأخرجت امرأة من محفتها صبيًا لها فقالت هذا حج فقال نعم ولك أجره
 مترجمہ: پس ایک عورت نے اپنے بودج سے اپنا بچہ نکالا اور عرض کیا کہ کیا اس کا بھی حج ہو
 سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں! اور ثواب تجھے ہوگا۔

بعد ہے۔ کیونکہ بظاہر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج میں شرکت کے بعد واپس آرہے ہوں گے
 الایہ کہ یہ کہا جائے کہ انہوں نے اس سال حج بھی نہیں کیا تھا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حج سے
 واپسی پر آپ سے ملے تھے۔ پس ایک عورت نے اپنے بودج سے اپنا بچہ نکالا اور عرض کیا کہ کیا اس کا
 بھی حج ہو سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں! اور ثواب تجھ کو ہوگا۔ مخففہ: بالکسر۔ عورتوں کا مرکب جو بودج کی طرح
 ہوتا ہے مگر اس پر حقہ نہیں ہوتا۔ کنانی البذل۔

پچھتے کے حج کے مسائل: اور ترجمہ میں اس حدیث کے ذیل میں بچے کے حج کے مسائل بڑی تفصیل سے ذکر
 کئے ہیں اس کا خلاصہ معاشرہ لائے میں ان الفاظ میں مذکور ہے: ”اس میں چند فصول ہیں کلام ہے۔ اقل: بچوں کے
 ساتھ حج کرنا مشروع ہے۔ اگر ارادہ اور جمہور اسی کے قائل ہیں۔ ماضی عیاض کہتے ہیں علماء کے درمیان اس کے جواز
 میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس کو صرف اہل بدعت کے ایک ناقابل التفات گروہ نے ممنوع کہا ہے۔ اللہ کا یہ قول
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل، صحابہ کے عمل اور اجماع امت سے مردود ہے۔“

دوم: اس کا حج منعقد ہوتا ہے یا نہیں؟ اور کیا اس پر احکام حج جاری ہوتے ہیں یا نہیں؟ جمہور
 کا قول ہے بچہ کے ذمہ نہیہ اور دم جبر لازم ہے۔ اور اس پر بالغ کے تمام احکام جاری ہوتے ہیں۔
 اس میں امام ابوحنیفہؒ کا اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ منوعات احرام میں کوئی چیز اس پر لازم نہیں آتی۔
 اور اسی سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ خفیہ کے نزدیک بچے کا حج منعقد ہی نہیں ہوتا۔ صحیح یہ
 ہے کہ ان کے نزدیک اس کا حج نفل منعقد ہوتا ہے۔

سوم: کیا اس کے ذمہ جزا اور کفارات لازم ہیں؟ رد قائل کہتے ہیں کہ اس کے ذمہ جزا نہیہ اور
 کفارات لازم ہیں، یہ امر ثلاثہ اور جمہور کا قول ہے۔ اور خفیہ کو اس سے اختلاف ہے، میں کہتا ہوں صحیح
 یہ ہے کہ کفارات کے ساقط کرنے میں خفیہ متفرد نہیں، بلکہ بعض حالات میں امر ثلاثہ اور ابن جزم بھی
 اپنی ظاہریت کے باوصف ان سے موافقت کرتے ہیں۔

رقلت، واناخ راحلتہ یا لبطحاء قبات بھا و صلی بھا۔

ترجمہ: (رش) اور آپ نے بطحا میں اپنی اونٹنی بٹھائی، پس وہاں رات رہے اور نماز پڑھی۔

چہاںم: اُمراء بعد کے نزدیک بچے کو اسکے حج اور دیگر حسنات پر ثواب ہوتا ہے۔ اس میں کسی ایسے شخص کا اختلاف نہیں جس کا قول لائق اتباع ہو۔ البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ اس کی حسنات صرف اسی کے لئے ہوتی ہیں۔ ماں باپ کو ان میں سے کچھ نہیں ملتا؛ یا یہ کہ ماں باپ کو پورا ثواب ملتا ہے۔ اور بچے کے اجر میں بھی کمی نہیں کی جاتی۔

پتھم: کیا اس کا حج، حج فرض کی جگہ کفایت کرے گا؟ اُمراء بعد کا اجماع ہے کہ کفایت نہیں کرے گا۔ بلکہ بالغ ہونے کے بعد اسے حج کرنا ہوگا، ظاہر یہ کا قول ہے کہ بس یہی کافی ہے۔

ششم: بچے کی طرف سے کونسا ولی احرام باندھے؟ اس میں وسیع اختلاف ہے۔

ہفتم: اگر بچہ دوران حج بالغ ہو جائے تو کیا کرے؟ اور کیا اس کا حج فرض ادا ہو جائے گا؟

اس میں بھی طویل کلام ہے۔ جو اوجز میں مفصل مذکور ہے۔ "حاشیہ لامع کا خلاصہ ختم ہوا۔"

رش) اور آپ نے بطحا ذی الحلیفہ میں اپنی اونٹنی بٹھائی۔ پس وہاں رات

بطحا میں رات گزارنا رہے اور نماز پڑھی۔ اور مؤطا میں ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے بطحا ذی الحلیفہ میں پڑاؤ کیا، پس وہاں نماز پڑھی، امام مالک فرماتے ہیں کہ حج سے واپسی میں کسی کے لئے مناسب نہیں کہ اس منزل میں نماز پڑھے بغیر یہاں سے تجاوز کرے، "۱۰" اور وجہ میں ہے کہ راوی کا قول: "پس نماز پڑھی" یعنی جب اپنے حج سے واپس ہوئے، باجی کہتے ہیں کہ واپسی کی تخصیص اس بنا پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف واپسی میں یہاں پڑاؤ کیا تھا: "آھ۔"

میں کہتا ہوں کہ بخاری میں حدیث المساجد میں ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عمو کے لئے تشریف لے جاتے تو ذی الحلیفہ میں فروکش ہوتے۔ اور جب حج کیا تب بھی ذی الحلیفہ میں ٹھہر کر گئے، اور جب کسی غزوہ سے واپس آتے، اور فدا الحلیفہ راستے میں واقع ہوتا، یا حج و عمو سے واپس آتے تو وہاں بطن وادی میں اترتے، اور جب وادی کے نشیب سے اوپر چڑھتے تو اس بطحا میں جو وادی کے مشرقی کنارے پر واقع ہے، رات کو پڑاؤ کرتے، اور صبح تک وہاں قیام کرتے۔ "الی آخر الحدیث۔ اور بخاری شریف میں کتاب الحج کے آخر میں ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ کی طرف

(قال) ودخل صلى الله عليه وسلم المدينة من طريق المعرس (قلت) فلما طلع له احد

فقال هذا اجل يجينا ونحبه

ترجمہ (ق) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں براہ معرس داخل ہوئے (ش) پس جب جبل احد آپ کے لئے نمودار ہوا تو فرمایا: یہ وہ پہاڑ ہے جسے ہم سے محبت ہے اور ہمیں اس سے محبت ہے۔

تشریف لے جاتے تو مسجد شجرہ میں نماز پڑھتے اور جب واپس آتے تو ذوالحلیفہ میں بطن وادی میں نماز پڑھتے۔ اور وہاں صبح تک رکت رہتے۔ اور اوپر جزیں ہے کہ قاضی کہتے ہیں کہ حج سے واپسی میں بطحا ذوالحلیفہ میں اتنا سنا سک حج میں سے نہیں، اہل مدینہ میں سے جو حضرات اس پر عامل تھے ان کا مقصود محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے برکت حاصل کرنا تھا۔ اور اس لئے بھی کہ یہ بطحا بابرکت ہے۔ اور امام مالک نے یہاں اترنے اور نماز پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے کہ بغیر نماز پڑھے آگے نہ بڑھے۔ اور اگر نماز کا وقت نہ ہو تو یہاں ٹھہرے یہاں تک کہ نماز کا وقت داخل ہو جائے۔ اور کہا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں اس لئے منزل کی تھی تاکہ لوگ اپنے گھروں میں رات کو اچانک نہ جائیں، جیسا کہ احادیث مشہورہ میں اس سے صراحتہ ممانعت آئی ہے۔ یہ نو دوس نے کہا ہے: "آحد اور امام نسائی کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ جانے کا ہے، واپسی کا نہیں کیونکہ انہوں نے یہ حدیث مبدا احرام میں ذکر کی ہے۔

(ق) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں براہ معرس دن کے وقت

مدینہ میں براہ معرس داخل ہوا

داخل ہوئے۔ معرست نفع را و مشدود و مہلتین۔ یہ مکہ سے مدینہ آتے تھے راستہ پر ایک معروف جگہ ہے۔ جو ذی الحلیفہ سے نیچے اور اس کی نسبت مدینہ سے قریب تر ہے۔ کذائی الزرقانی۔

(ش) پس جب جبل احد آپ کے سامنے نمودار ہوا تو فرمایا: یہ وہ پہاڑ ہے

جبل احد سے محبت

جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔ اور جزیں ہے کہ زرقانی کہتے ہیں: "یعنی جب خیر سے نکلے (تو یہ ارشاد فرمایا): "میں کہتا ہوں کہ روایات میں یہی معروف ہے جو زرقانی نے کہا، اور حافظ کہتے ہیں کہ بخاری کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا تھا جب کہ حج سے واپسی میں اس پر نظر پڑی۔ اور ابو حنیفہ کی روایت

رقال، قد دخل صلى الله عليه وسلم قاتلاً أثيون، تائبون، عابدون، ساجدون لربنا

..... حامدون صدق الله وعده ونصر عبده وهزم الأحزاب وحده

ترجمہ: (رق) پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے ہوئے داخل ہوئے، اُثیون، تائبون، عابدون،

ساجدون، لربنا حامدون صدق اللہ وعده ^{وعدہ} ونصر عبده وهزم الأحزاب وحده

میں ہے کہ آپ نے یہ ارشاد فرمود تو بوک سے واپسی پر فرمایا تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارشاد کوئی بار فرمایا تھا یہ حدیث امام مالک نے موطا میں تحریم المیزین میں ذکر کی ہے۔ اور زرقانی کہتے ہیں: ارشاد نبوی: اس کو ہم سے محبت ہے، حقیقت پر محمول ہے جیسا کہ ایک جماعت نے اس کو راجح کہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اسی طرح خطاب فرمایا جس طرح ذی عقل سے کہا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: اے اُحد! ٹھہر جا: پس اللہ تعالیٰ نے اس میں محبت و ولایت فرمائی جس طرح داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں میں تسبیح پیدا فرمائی۔ اور جس طرح ان پتھروں میں خشیت پیدا فرمائی جن کے بارے میں ارشاد ہے: اور بے شک بعض پتھر گر جاتے ہیں اللہ کے خوف سے اور جس طرح اُسٹوانہ میں بچے کی طرح رونے کی تخلیق فرمائی، وغیرہ الگ، اور ارشاد نبوی: ہم اس سے محبت رکھتے ہیں، بھی حقیقت پر محمول ہے۔ کیونکہ جو محبت کرے اس کی جزا یہی ہے کہ اس سے محبت کی جائے۔ نیز اس لئے کہ وہ جنت کے برابر ہے میں سے ہے، جیسا کہ مسند احمد کی روایت میں ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ ہاں مضاف مخدوف ہے یعنی اہل اُحد انصار ہم سے محبت کرتے ہیں۔ اور وہ جبل احد کے ہمایہ تھے۔ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بھی۔ اور آپ کو ان سے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس تشریف لاتے تو چونکہ جبل احد بزبان حال آپ کو قرب اہل کی بشارت دیتا تھا، پس آپ اس کو دیکھتے ہی سفر سے واپسی اور اہل کے قرب سے مسرور ہو جاتے راسی کو محبت سے تعبیر فرمایا پھر اوجڑ میں جبل احد جبل رحمت رجوع فرمیں ہے (جبل ابی قیس اور جبل طور جس پر موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے۔

کے، ابن فضیل پر مختصر کلام کیا ہے (رق) پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے ہوئے مدینہ

مدینہ میں داخل ہوئی دعا طیسر میں داخل ہوئے!

اُثیون، تائبون، عابدون، ساجدون، ہم جمع کر نوالے، عبادت کر نوالے، سجدہ کر نوالے

لربنا حامدون، صدق اللہ وعده، اور اپنے رب کی حمد کر نوالے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ

نصر عبده، وهزم الأحزاب وحده، سچا کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی۔ اور تمام رطخوتی

شکروں کو تنہا شکست دے دی۔

قلت، وقال ﷺ عليه وسلم لام سنان وام معقل وغيرهما بعد الرجوع الى المدينة
توجه: (دش) اور مدینہ کی واپس کے بعد ام سنان اور ام معقل وغیرہ سے فرمایا۔

زر قانی کہتے ہیں کہ ارشاد نبوی: اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ سے
اظہار دین وغیرہ کے جو وعدے کئے تھے وہ پورے کر دیئے۔ یہ دعا سفر جہاد کی ہے۔ اور حج و عمرہ کے
ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا: لئن دخلن المسجد الحرام بحیوہ
پورا ہو گیا، اھ اور امام بخاری نے ترجمۃ الباب قائم کیا ہے: باب ما یقول اذا وجع من الحج اذ العتہ
اد الغزوہ اور اس کے تحت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم جب جہاد یا حج یا عمرہ سے واپس تشریف لاتے تو زمین کی ہر بلندی پر ترنہ تکبیر کہتے۔ پھر یہ دعا
پڑھتے۔ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ، وهو علیٰ کل شیء قدیوم، اثبتون
ثابتون الخ نیز امام بخاری نے ایک باب کا عنوان قائم کیا ہے: باب من اسرع ناقة اذا بلغم
المدينة اور اس کے ذیل میں حضرت انسؓ کی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب
سفر سے واپس تشریف لاتے، اور مدینہ کے بلند راستوں پر نظر پڑتی تو حجت مدینہ کی بنا پر ناک کو تیز کر دیتے
یا کوئی سواری ہوتی تو اسے تحریک فرماتے۔

ام معقل کے قصہ میں روایات کا اضطراب (دش) اور مدینہ کی واپس کے بعد ام سنان اور ام معقل
وغیرہ سے فرمایا کہ رمضان کا عمرہ میرے ساتھ حج کے برابر
ہے۔ اور اس شخص کا وہم ہے جس نے یہ کہا کہ یہ ارشاد مدینہ سے تشریف لے جانے سے قبل فرمایا تھا۔
جیسا کہ مدینہ سے تشریف لے جانے کے بیان میں اس پر تنبیہ گذر چکی ہے۔ جس خاتون کو یہ ارشاد فرمایا
تھا اس کے نام کی تعیین میں روایات مختلف ہیں۔ بخاریؒ باب حج النساء میں ہے کہ یہ ارشاد ام سنان
کو فرمایا تھا۔ اور شیخ قدس سرہ لامع میں باب عمرة فی رمضان میں فرماتے ہیں: یہ حدیث جو اس باب میں
مصنف نے ذکر کی ہے اس باب کی صحیح روایت ہے، پس ابو داؤد میں اس عورت کا جو قصہ مروی ہے
اسے یا تو بخاری کی روایت کی طرف راجع کیا جائے یا غلطی کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ اھ اور لامع کے
حاشیہ میں ہے کہ شیخ کا قول یا غلطی کی طرف منسوب کیا جائیگا۔ اس قول پر مبنی ہے کہ ام سنان اور ام معقل
دونوں ایک ہی خاتون کے نام ہیں جیسا کہ عینیؒ نے نقل کیا ہے، اور ابو داؤد کی روایت کو خطا کی طرف منسوب

ان عمرۃ فی رمضان تعدل حجة معی۔

ترجمہ: کہ رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے مساوی ہے۔

کرنے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اس کی روایت میں اضطراب ہے اور اس ناکارہ کے نزدیک یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ یہ متعدد واقعات ہیں: آخر۔

میں کہتا ہوں کہ ابو داؤد نے ام معقل کا قصہ مختلف طرق و روایات سے ذکر کیا ہے، او شیخ نے بدل میں اس موقع پر لکھا ہے کہ اس حدیث میں بہت ہی اضطراب ہے، اور اضطراب کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے اس اشکال کو رفع کرنے سے تعرض کیا ہو۔ بجز اس کے جو مولانا محمد عینی مرحوم نے اپنے شیخ کے افادات سے نقل کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: قصہ امی معقل کی روایات متعارض ہیں۔ ان روایات میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ ابو معقل کے پاس ایک اونٹ سواری کے لئے تھا اور ایک زراعت کے لئے۔ الخ پوری تفصیل بدل میں دیکھ لی جائے۔ اور حافظ ام سنان کا قصہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ”اسی نوعیت کا قصہ ام معقل کا بھی ہے، جو نسائی اور ابو داؤد نے نقل کیا ہے۔ میرے نزدیک یہ دو قصے الگ الگ ہیں۔ جو دو عورتوں کو پیش آئے۔ اور اسی قسم کا ایک قصہ ام طلیق کا ہے جو ابن السکس اور ابن مندہ نے نقل کیا ہے۔ ابن عبد البر کا خیال ہے کہ ام معقل اور ام طلیق ایک ہی عورت کے دو نام ہیں۔ مگر ان کا خیال محل نظر ہے۔ کیونکہ امی معقل کا انتقال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا اور ابو طلیق آپ کے بعد مدت تک زندہ رہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں عورتیں جدا جدا ہیں۔ نیز دونوں روایتوں کے سیاق کا مختلف ہونا بھی ان کے تغایر پر دلالت کرتا ہے۔ اور بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں انصار کی ایک عورت کا جو لفظ مبہم واقع ہوا ہے اس کی تفسیر ام سنان یا ام سلیم ہی کے ساتھ کرنا ناگزیر ہے۔ کیونکہ حدیث ابن عباسؓ کا قصہ دوسری احادیث کے قصہ سے مختلف ہے نیز ابن عباسؓ کی حدیث میں اس عورت کو انصاریہ کہا گیا ہے۔ جب کہ ام معقل کا تعلق بنو اسد سے ہے۔ اور یہی واقعہ مبہم کو بھی پیش آیا۔ واللہ اعلم انتہی۔

(ارشاد نبوی) کہ ”رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے

رمضان کا عمرہ حج کے برابر ہے | مساوی ہے۔“ معنی ”میرے ساتھ“ کا لفظ بعض روایات میں نہیں۔

مگر ابو داؤد کی روایت میں موجود ہے۔ اور امام بخاری نے بھی باب حج النساء میں یہ لفظ ذکر کئے ہیں! ...

”تقصی حجتہ او حجتہ معیٰ یعنی بدل ہے حج کا یا فرمایا میرے ساتھ کے حج کا اور ابن حجر کی شرح مناسک نووی میں رمضان کے عمرہ کی فضیلت میں ابن حبان وغیرہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔“ آدھ اور حاشیہ لایع میں ہے کہ کرمانی کہتے ہیں: اگر تم کہو کہ حدیث کا تقاضا بظاہر یہ ہے کہ جو عمرہ رمضان میں ادا کیا جائے وہ حجتہ الاسلام (حج فرض) کے قائم مقام ہے۔ تو کیا واقعی رمضان کے عمرہ سے حج فرض ادا ہو جاتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ ثواب میں حجتہ الاسلام کی مثل ہے اور قائم مقام نہ ہونے کا قرینہ اجماع ہے۔ اور ترمذی نے اسحاق بن راہویہ سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کا مضمون اس حدیث کی نظیر ہے جس میں آتا ہے کہ قل هو اللہ احد یعنی سورہ اخلاص (ثلث قرآن کے برابر ہے۔) ابن عربی کہتے ہیں: ”فضیلت عمرہ کی حدیث اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام ہے۔ پس عمرہ کے ساتھ رمضان مبارک مل جائے تو وہ حج کا قدر حال کر لیتا ہے۔“ ابن جوزی کہتے ہیں: ”یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ عمل میں شرف و وقت کے شامل ہونے سے اس کے ثواب میں اضافہ ہو جاتا ہے، جس طرح حضور قلب اور خلوص نیت سے اضافہ ہوتا ہے، ابن القین کہتے ہیں کہ عمرہ کے حج کی مثل ہونے میں احتمال ہے کہ وہ اپنے باب پر ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ رمضان کی برکت سے ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ شرف صرف اس عورت کے ساتھ مخصوص ہو، جیسا کہ بعض سلف سے منقول ہے، چنانچہ سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا ہم تو اس فضیلت کو صرف اسی خاتون کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں۔“ اور سنن ابوداؤد میں ۲ م معقل سے روایت ہے کہ: ”حج حج ہے، عمرہ عمرہ ہے، پس میں نہیں جانتی کہ یہ صرف میرے لئے ہے یا سب لوگوں کے لئے۔“ مگر ظاہر یہی ہے کہ اسے عموم پر محمول کیا جائے۔“ اور علامہ عینی نے تفصیل سے ان حضرات صحابہ کے اسماء گرامی ذکر کئے ہیں جن سے یہ حدیث مروی ہے۔ چنانچہ اس حدیث کو بروایت ترمذی شریف ام معقل سے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں اور اس باب میں ابی عباس جابر، ابو ہریرہ، انس اور وہب بن خنیس سے احادیث مروی ہیں یہ نام تو امام ترمذی نے ذکر کئے ہیں، اور علامہ عینی نے اس پر یوسف بن عبد اللہ ابوطلیح اور ام طلیح کے ناموں کا اضافہ کیا ہے۔ اور عینی نے ان روایات کی تخریج خوب بسط سے کی ہے۔ اور ان میں سے بہت سی روایات میں کسی مخصوص عورت کا ذکر کئے بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ رمضان کا عمرہ

حج کے برابر ہے: حافظ کہتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے عمرے کئے اشہرج میں کئے، اور حدیث الباب سے رمضان کے عمرہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے پس ان دونوں میں سے افضل کونسا ہوا؟ را شہرج کا عمرہ یا رمضان کا؟ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں کے لئے تو رمضان ہی کا عمرہ افضل ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں وہی افضل تھا جو آپ نے کیا کیونکہ اہل جاہلیت کے نزدیک اشہرج میں عمرہ منسوخ تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً و عملاً ان کی تردید کا قصد کیا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اس کے بیان جواز کے لئے تھا۔ لہذا یہ اگر دوسروں کیلئے مکروہ بھی ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہی افضل تھا، حاشیہ لامع کا مضمون ختم ہوا۔

میں نے ان چند اوراق میں جن مضامین کے ذکر کرنے کا ارادہ کیا

خاتمہ رسالہ

تھایہاں ان کا اختتام ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حمد و توفیق سے بروز ہفتہ ۲۴ مارچ مبارک ربیع الاول کی صبح کو اسی سال اس سے فراغت ہوئی، جو آغاز رسالہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی رشد و جواب کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے۔ پس اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی حمد اور حسن توفیق سے ایک دن رات اور نصف رات میں یہ رسالہ مکمل ہوا۔ البتہ حواشی کا اضافہ متفرق اوقات میں ہوتا رہا۔ اس رسالہ کی تالیف جیسا کہ آغاز رسالہ میں ذکر کیا جا چکا ہے، ۱۳۷۲ھ میں ہوئی تھی، پس جب کبھی مآخذ و مراجع کی ضرورت پیش آتی تو متقدمین کی شروح حدیث اور کتب مشہورہ مثلاً فتح اور عینی وغیرہ کا حوالہ دے دیتا تھا۔ اور طویل عبارتوں کو نقل کرنے کی بجائے صرف حوالہ پر کفایت کرتا، پھر جب اللہ تعالیٰ نے مجھے اجز السالک، الکوکب الدرری اور لامع الدراری کی تالیف کی توفیق عطا فرمائی اور ان میں یہ عبارات اور نقول سب جمع ہو گئیں تو اس رسالہ میں صرف ان کے حوالے اور اقتباس پر اعتماد کیا، تاکہ مراجعت میں سہولت ہو، اور جب بعض احباب کے اصرار پر اس رسالہ کی طباعت کا ارادہ ہوا تو چونکہ ضعف بصر کی بنا پر خود مراجعت سے معذور تھا۔ اس لئے عزیز زاد مولوی محمد عاقل استاد حدیث مظاہر العلوم سہارن پور اور عزیز زاد مولوی محمد سلمان مدکس مدسہ مظاہر العلوم نے اس کو پڑھا، رسالہ کے بین السطور اور حاشیہ میں جن احادیث و عبارات کی طرف اشارات تھے۔ میں نے ان دونوں عزیزوں سے ان کے نقل کرنے کی فرمائش کی چنانچہ ایک پڑھتا رہا اور دوسرا نقل کرتا رہا۔ اور بین سنتار رہا۔ پس میں نے تنقیح اور اختصار کے ساتھ ان عبارات کو لیا، اور جہاں یہ اشارات

اس رسالہ میں مختصر تھے اور وہ مباحث کتابوں میں بسوط اور بہت سے فقہی نوادر پر مشتمل تھے۔ وہاں بقدر ضرورت ان اشارات کی وضاحت کر دی اور ناظرین کے لئے اوجز اور لامع وغیرہ کتابوں کا حوالہ دے دیا۔

اور عزیز مولوی محمد یوسف جو پوری سلمہ استاذ حدیث مدرسہ مظاہر علوم نے اس رسالہ کو گہری نظر سے دیکھا اور بعض مقامات میں کچھ اضافے بھی کئے، اللہ تعالیٰ ان تینوں عزیزوں کی مساعی کو قبول فرمائے، اور جن لوگوں نے اس رسالہ میں اور میری دوسری تالیفات میں اعانت کی اللہ تعالیٰ ان کو بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے۔

والحمد للہ اذلاً و اخراً، والصلوة والسلام

الاتمنان الاکملان علی سید الانس

والجان صلوة وسلاماً دائماً

متلازمین الیوم

الدین ۵

وَاتَّبِعُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ

عمراتِ شہی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حامداً ومصلياً و مسلماً، وبعد، جب میں حجۃ الوداع کے سننے سے فارغ ہوا اور اس کی تبیین بیع الآخر کی آخری جمعرات کی صبح کو پوری ہوئی تو میں نے جمادی الاول کی پہلی بدھ کو دہر کے قیلو لے میں یہ خواب دیکھا کہ ایک شخص مجھے حکم دیتا ہے کہ میں حجۃ الوداع کی تکمیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عروں کے بیان سے کروں اور اس نے کہا کہ حجۃ الوداع کی تکمیل کے لئے آپ کے عروں کی تفصیل ضروری ہے، پس خواب ہی میں میں نے اس کے حکم کی تعمیل کی، اور کاغذ قلم لے کر اپنے قلم سے لکھنے لگا، اس وقت گویا مجھے نہ آنکھ کی تکلیف ہے، نہ کوئی اور عارضہ ہے۔ اور میں نے خواب ہی میں "حدیث جواز" کے دو جملوں کی شرح لکھ دی، پہلا جملہ جامع الطریق طریق المدنیۃ۔ اور دوسرا جملہ، فاصحہ جکتہ کلمات۔ اس کے بعد میں (خواب ہی میں) ایک تبلیغی اجتماع کے لئے گیا۔ آگے بڑا طویل خواب ہے جو اس دن دیکھا تھا۔ خواب سے بیدار ہوا تو مجھے اس خواب پر بہت ہی حیرت ہوئی، کیوں کہ ان بہت سے امراض کے علاوہ۔ جو اس زمانہ میں مجھے عارض ہیں، ایک مہینے سے تو آنکھ کی بھی شدید تکلیف ہے چنانچہ دو ہفتے تک اس سلسلہ میں سچا اور متاثر رہا، کبھی اس کام کا ارادہ کر لیتا اور کبھی توڑ دیتا، مگر اس دور کے مشائخ، مشائخ مولانا الحاج افعام الحسن کاندھلوی امیر تبلیغ دہلی، مولانا الحاج ابوالحسن علی ندوی شیخ التفسیر و اظم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا الحاج مفتی محمود حسن گنگوہی رئیس الافکار دار العلوم دیوبند وغیرہ نے اس خواب کی تعمیل پر بہت ہی اصرار فرمایا، پس بہت ہی پس و پیش کے بعد

انحضرت اس سے مدد مانگتے ہوئے اور اس کی رحمت کی امید کرتے ہوئے، جمادی الاول ۱۳۹۰ھ کو بروز چہارشنبہ اس کا آغاز کر دیا اور اس رسالہ میں پانچ فصلیں لکھنے کا ارادہ کیا:

فصل اول - عمرہ کی تعریف، اس کے حکم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرہ کی تعداد کے بیان میں۔

فصل دوم - عمرہ حدید میں۔ ————— فصل سوم - عمرہ القضاء میں

فصل چہارم - عمرہ جہانہ میں۔ — اور جو عمرہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے ساتھ ادا کیا تھا۔ اس کا بیان جزو حجۃ الوداع میں گنچکا ہے۔

فصل پنجم - متفرق مسائل میں۔ شہان شمیم روایات پر بحث جو ابواب عمرہ میں وارد ہیں اور دیگر مباحث۔ — اور میں نے اس رسالہ کی بنیاد تمہایب لڑیہ اور تمہایخ فیض پر رکھی، جیسا کہ جزو حجۃ الوداع کی بنیاد حافظ ابن قیم کی کتاب زاد المعاد پر تھی کیوں کہ حجۃ الوداع کے بیان میں وہ اُن تمام کتابوں کی بہ نسبت جو میرے پاس موجود تھیں، سب سے زیادہ جامع تھی، اسی طرح عمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں میں نے ان دونوں کتابوں کو میرے پاس موجود کتب کی بہ نسبت، زیادہ جامع پایا۔ واللہ سبحانہ الموفق لما یحب ویرضی۔

فصل اول

اس میں چند فوائد ہیں۔ —

مسئلہ فائدہ - عمرہ کے لغوی و اصطلاحی معنی ہیں۔ — زرقانی کہتے ہیں کہ عمرہ (یعنی کے ضمیر اور ضمیر سکون کے ساتھ، نیز صین کے فتح اور یم کے سکون کے ساتھ) کہا گیا ہے کہ لغت میں اس کے معنی ہیں کسی آباد جگہ کا قصد کرنا۔ — اور اجز میں ہے کہ "لغت میں عمرہ زیارت کو اور قبول بعض قصد کہتے ہیں، اور امام رغب فرماتے ہیں کہ عمارۃ، نقیض ہے ویرانی کی۔ اور اعتقاد عمرہ ایسی زیارت کا نام ہے جس میں محبت کی تعمیر ہو اور شرعی اصطلاح میں قصد مخصوص کا نام عمرہ ہے۔" — اور فتح الباری میں ہے: "کہا گیا ہے کہ یہ عمارۃ المسجد الحرام سے مشتق ہے۔" — اور شریعت میں عمرہ نام ہے بیت اللہ شریف کی زیارت کا، خاص کیفیت اور خاص شرائط کے ساتھ۔ اور لا معنی کے حاشیہ میں امام رغب کے کلام میں یہ اضافہ کیا ہے کہ "حتی تعاضلہ کا ارشاد اختصاراً مسجد اللہ، یا قوامۃ سے ہے، جس کے معنی ہیں اس کی عمارت کی حفاظت کرنا، یا یہ عمرہ ہے جس کے معنی ہیں زیارت کے، یا یہ ان کے قول: عَمَرْتُ مَکَّانَ کَذَا سے ماخوذ ہے،

یعنی میں نے فلاں جگہ اقامت اختیار کی۔ اھ اور وہ مختار میں ہے کہ ”عمرو نام ہے احرام، طواف، سعی، حلق یا قصر کرانے کے لیے احرام شرط ہے، اور طواف کا بیشتر حصہ رکن ہے اور باقی چیزیں واجب ہیں“ اھ اور یہی قول مذہب میں رائج ہے جیسا کہ ماضی قاری نے شرح باب میں تفصیل سے لکھا ہے اور ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ سعی رکن ہے اور کہا ہے کہ قول مذہب میں غیر مشہور ہے۔ اور علامہ مددیر (مالکی) کہتے ہیں: ”اور ان دونوں یعنی حج اور عمرہ کے رکن تین ہیں:۔ ۱) احرام ۲ طواف ۳ سعی، اور حج ایک چوتھے رکن کے ساتھ مختص ہے اور وہ ہے ”وقوف عرفہ“۔ اھ مختصراً۔

دوسرا فائدہ: عمرہ کے حکم میں، جامع کے حاشیہ میں ہے کہ اکثر کاسکب نقل کرنے میں ناقصین مذاہب نے اعتنا کیا ہے، اور غالباً یہ اختلاف اس بنا پر رونما ہوا کہ ائمہ سے روایات مختلف ہوں گی۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ ”ایک قوم نے کہا ہے کہ عمرہ واجب ہے۔ امام شافعی، امام احمد، امام ثوری، امام اوزاعی اسی کے قائل ہیں اور صحابہؓ میں سے حضرت ابن عباسؓ کا اور تابعین کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ امام مالکؓ اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ یُسُنْتُ ہے اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ نقل ہے۔ ابو ثور اور داؤد بھی اسی کے قائل ہیں۔ اھ اور ابن قتیبہ کہتے ہیں: مجس شخص پر حج واجب ہے اس پر عمرہ بھی واجب ہے۔ یہ امام احمدؓ کی ایک روایت ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ واجب نہیں۔ اھ اور فقہ حنبلی کی کتابوں نیل المآرب اور الروض المربع وغیرہ میں پہلی روایت کو مختار قرار دیا ہے اور نہ کبھی کہتے ہیں کہ جبہ اصحاب (خالفہ) نے اسی پر جزم کیا ہے اور ان سے یعنی امام احمدؓ نے ایک تذکرہ یہ ہے کہ وہ سنت ہے۔ ہا شافعیہ کا مسلک؟ تو ان کی عام کتابوں میں یہ ہے کہ ائمہ روایت میں فرض ہے اور امام ترمذیؒ نے امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ سنت ہے اور شافعی نے اس قول کی تاویل یہ کی ہے کہ سنت سے وجوب مراد ہے۔ ہا مالکیہ کا مسلک؟ تو رد دیر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ عمرہ کرنا ہر شخص کے لئے سنت ہے۔ اور نہ قاضی کہتے ہیں کہ یُسُنْتُ مراد ہے اور یہی قول مذہب (مالکی) میں مشہور ہے۔ ہا ہمارے خفیہ کا مسلک؟ تو شرح بیاب میں ہے کہ عمرہ مختار قول کے مطابق سنت مراد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ واجب ہے ماضی میں نے اسی کو صحیح کہا ہے اور صاحب بدائع نے اسی پر جزم کیا ہے اور ہمارے بعض اصحاب سے مروی ہے کہ وہ فرض کفایہ ہے۔ اھ مختصراً فی الاجتزاء اور اجتزائیں ائمہ کے مذاہب و دلائل کو خوب تفصیل سے لکھا ہے۔ اور حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ عمرہ کے وجوب میں علماء کے دو مشہور قول ہیں اور یہ دونوں امام شافعیؒ کے قول اور امام احمدؓ کی دو روایتیں ہیں اور ان دونوں کے اصحاب مذہب کے یہاں موجب

کا قول مشہور ہے۔ لیکن عدم وجوب کا قول اکثر علماء مثلاً امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے اور یہ دونوں قبل بعض صحابہ سے منقول ہیں اور یہ ائمہؒ ہے کہ عمرہ واجب نہیں۔ بعد ازاں انہوں نے استدلال میں طویل کلام کیا ہے۔ ایک مقام پر حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ ”یہ (عدم وجوب کا) قول زیادہ راجح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد: **وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ** میں حج کو واجب کیا ہے، عمرہ کو واجب نہیں ٹھہرایا، البتہ جو شخص حج و عمرہ شروع کرے اس کے ذمہ ان کے پورا کرنے کو واجب ٹھہرایا ہے اور ابتداء میں صرف حج کو واجب کیا ہے، اسی طرح تمام احادیث صحیحہ میں صرف وجوب حج کا ذکر آیا ہے۔“

تیسرا فائدہ: تکرار عمرہ کے حکم میں، عینیؒ کہتے ہیں ”جانتا چاہیے کہ امام شافعیؒ اس طرف گئے ہیں کہ ایک ہی سال میں کئی مرتبہ عمرہ کا گناہ مستحب ہے۔ اور امام مالکؒ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ ایک سال میں ایک سے زیادہ عمرے کرنا مکروہ ہے اور ابن قدامہؒ کہتے ہیں کہ دوسرے لوگوں کا قول ہے کہ ایک مہینے میں ایک سے زیادہ عمرے ذکر ہے، اور امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ پانچ دنوں میں عمرہ مکروہ ہے، یوم عرفہ، یوم النحر اور ایام تشریق۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ یوم عرفہ اور ایام تشریق ان چار دنوں میں مکروہ ہے۔ اھ اور موفقؒ کہتے ہیں کہ کوئی مضائقہ نہیں کہ آدمی سال میں کئی مرتبہ عمرہ کرے لیکن زیادہ عمرے کرنا سلف کے ظاہر قول میں مستحب نہیں اور ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ زیادہ عمرے کرنا مستحب ہے۔ اھ اور مؤطا میں ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا میں کسی کے لئے مناسب نہیں سمجھتا کہ سال میں کئی مرتبہ عمرہ کرے۔ اھ اور اقربہ میں ہے کہ میاں جمع کا اطلاق مافوق الواحد پر ہوا ہے پس دوسری مرتبہ یا اس سے زیادہ عمرہ کرنا مکروہ ہوگا، کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کل چار عمرے کئے، ہر سال میں الگ عمرہ کیا، باوجودیکہ آپؐ ایک سال میں کئی کئی عمرے کر سکتے تھے، ہاں اگر اس مکروہ عمل کو شروع کر دیا تو اس کا پورا کرنا واجب ہوگا کیوں کہ وہ جائز کی قسم سے ہے اور جبہر علماء اور بہت سے مالکیہ نے تکرار عمرہ کو بلا کر اہت جائز رکھا ہے، کیوں کہ حدیث میں ہے کہ ”ایک عمرہ، دوسرے عمرہ تک دونوں کے مابین گناہوں کے لئے کفارہ ہے۔“ یہاں تک کہ ابن عبد البرؒ نے مبالغہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ جو شخص اس کو مکروہ کہتا ہے اس کے پاس کتاب و سنت میں سے کون سی دلیل ہے جس کا تسلیم کرنا واجب ہو۔ یہ بات زرقانیؒ نے کہی ہے اور پوری تفصیل اوپر میں ہے۔ اور شرح مہذب میں ہے کہ ”ہمارا مذہب یہ ہے کہ سال میں کئی بار عمرہ کرنا مکروہ نہیں بلکہ سنت ہے۔ امام ابو حنیفہؒ امام احمدؒ اور سلف و خلف کے جبہر علماء اسی کے قائل ہیں۔ البتہ جن اصحابؒ، ابن سیرینؒ اور مالکؒ فرماتے ہیں کہ سال میں ایک سے زیادہ مرتبہ عمرہ کرنا مکروہ ہے۔ اھ اور شرح لمباب میں ہے کہ پورے سال میں کثرت سے عمرے کرنا مکروہ

نہیں بلکہ جہور کے قول کے مطابق مستحب ہے البتہ امام مالک کے نزدیک مکروہ ہے۔ اہ

چوتھا قادمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عروں کی تعداد کے بیان میں اس سلسلہ میں روایات میں بہت ہی اختلاف ہے۔ معروف، معتد اور مرجع علماء کے نزدیک وہ ہے جو بنی ابی داؤد میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کئے، عمرہ حدیبیہ، دو سر اجب کہ کفار نے آئندہ سال آپ کے عمرہ کرنے پر اتفاق کیا۔ تیسرا جمرانہ سے اور چوتھا جو آپ نے اپنے حج کے ساتھ کیا۔“ یہ روایت امام بخاری نے حضرت انسؓ سے الفاظ مختلف نقل کی ہے اور زقانی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کئے چنانچہ صحیحین، سنن ترمذی اور ابی داؤد میں حضرت قتادہ (تابعی) سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے حج کئے؟ فرمایا: ایک۔ اور آپؐ نے عمرے چار کئے۔ الحدیث۔ اہ۔ اور حافظ ابن قیم کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد چار عمرے کئے جو سب کے سب ذیقعدہ میں ہوئے۔ پہلا عمرہ حدیبیہ۔ یہ سب سے پہلا عمرہ تھا جو رسولؐ میں ہوا اگر مشرکین نے آپؐ کو مقام حدیبیہ میں آگے جانے سے روک دیا۔ اس لئے آپؐ نے اسی مقام پر قربانی کے اونٹ (بدن) نہ کئے دوم عمرہ القنبر، جو اگلے سال ہوا، چنانچہ آپؐ مکہ میں داخل ہوئے وہاں تین دن قیام فرمایا۔ اور عمرہ پورا کر کے واپس لوٹ آئے۔ سوم وہ عمرہ جو آپؐ نے حج کے ساتھ ادا کیا کیوں کہ آپؐ قارن تھے چہارم وہ عمرہ جو جمرانہ سے ادا فرمایا جب کہ آپؐ جنین تشریف لے گئے تھے چنانچہ آپؐ وہاں سے مکہ کی جانب واپس آئے، پس جمرانہ سے عمرہ کیا چنانچہ صحیحین میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کئے جو سب کے سب ذیقعدہ میں ہوئے“ سوائے اس عمرہ کے جو آپؐ نے حج کے ساتھ ادا فرمایا۔ الخ اور اس روایت کے وہ روایت مناقض نہیں جو صحیحین میں حضرت برابر بن عازبؓ سے مروی ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج سے قبل ذیقعدہ میں دو عمرے کئے۔“ کیونکہ حضرت برابر بن عازبؓ کی مراد یہ ہے کہ ایسے دو مستقل عمرے کئے جو پورے بھی ہوئے اور کوئی شک نہیں کہ وہ دعویٰ تھے، کیونکہ عمرہ قرآن مستقل نہیں تھا، اور عمرہ حدیبیہ پورا نہیں ہو سکا، بلکہ آپؐ کو اس سے روک دیا گیا تھا اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کئے۔“ الحدیث۔ یہ حدیث امام احمد نے روایت کی ہے اور حضرت انسؓ کے اس قول کے درمیان کہ ”سب عمرے ذیقعدہ میں ہوئے“ سوائے عمرہ قرآن کے“ اور حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے اس قول کے درمیان کہ ”رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے کوئی عمرہ نہیں کیا مگر ذیقعدہ میں۔ کوئی تناقض نہیں کیوں کہ عمرہ قرآن کی ابتداء ذیقعدہ میں ہوئی تھی اور انتہا ذوالحجہ میں اس وقت ہوئی جب کہ آپ کا حج پورا ہوا، پس حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے ابتداء کی خبر دی اور حضرت انسؓ نے انتہا کی۔ لیکن ابن عمرؓ کا یہ قول کہ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کیے، ان میں سے ایک رجب میں ہوا۔ پس یہ ان کا وہ دم ہے (رضی اللہ عنہ) حضرت عائشہؓ کو جب ابن عمرؓ کے اس قول کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ ابو عبد الرحمن پر رحم کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عمرہ بھی کیا وہ (ابن عمرؓ) اس موقع پر موجود تھے۔ مگر آپؐ نے کبھی رجب میں عمرہ نہیں کیا۔“ باقی ربی وہ روایت جو دارقطنی نے حضرت عائشہؓ سے نقل کی ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان میں عمرہ کے لئے نکلی، پس میں نے روزہ رکھا اور آپؐ نے انظار کیا، آپؐ نے نماز قصر کی اور میں نے پوری پڑھی، پس میں نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ قربان ہوں، آپؐ نے انظار کیا اور میں نے روزہ رکھا، آپؐ نے قصر کیا اور میں نے نماز پوری پڑھی۔ آپؐ نے فرمایا: عائشہ! تر نے اچھا کیا۔ پس یہ حدیث قطعیہ ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی رمضان میں عمرہ نہیں کیا، اور آپؐ کے عمروں کی تعداد اور ان کا وقتا دونوں طے شدہ چیز ہیں۔ اور حدیث کے جواب میں ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ام المؤمنینؓ پر رحم فرمائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں کبھی عمرہ نہیں کیا اور خود عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپؐ نے صرف ذیقعدہ ہی میں عمرہ کیا ہے، ان کا یہ قول ابن ماجہ وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ آپؐ کے عمرے چار سے زائد نہیں تھے۔ اب اگر رجب کا عمرہ بھی ہو تو پانچ اور اگر رمضان المبارک میں بھی کیا تو چھ ہونگے اور یہ کہنا کہ بعض عمرے رجب اور بعض رمضان میں اور بعض ذیقعدہ میں ہوئے خلاف واقع ہو گا۔ جب کہ واقعہ یہی ہے کہ آپؐ کے عمرے ذیقعدہ ہی میں ہوئے جیسا کہ حضرت انسؓ، ابن عباسؓ اور عائشہؓ نے بیان فرمایا۔ امام مالکؒ موطن میں نقل فرماتے ہیں کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین عمرے کئے ہیں۔ حدیدہ والے سال، قضاہ والے سال، جعراند والے سال۔ علامہ باجی کہتے کہ ان کا تین عمرے بتانا ان کے اپنے مذہب کے موافق ہے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چار قرآن ادا فرمایا تھا وہ چار عمرے شمار کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ امام مالکؒ نے حج والا عمرہ اس لئے ذکر نہیں کیا کہ وہ حج ہی میں داخل ہے، حاصل یہ کہ جو حضرات چار عمروں کے قائل ہیں وہ حدیدہ والا عمرہ بھی شمار کرتے ہیں، کیوں کہ اس میں عمرہ کے بہت سے احکام مثلاً احرام، شکار، خوشبو، میتقات، لباس، احصار، فدیہ، ذبی، حلق، قصر اور خرد وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ علامہ باجی کہتے ہیں کہ اسے عمرہ کہنا اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ عمرہ امام مالکؒ کے نزدیک تام سمجھا جائے، اگرچہ اس میں میت اللہ شریف سے روک نہ ہی دیا گیا اور ایسے شخص پر قضا نہیں ہوتی جسے میت اللہ شریف

سے روک دیا گیا ہو۔ حافظ کہتے ہیں کہ ابن اتین فرماتے ہیں کہ لوگوں کا عمرہ حدیدہ کو شمار کرنا جس میں کہ بیت اللہ شریف سے روک دیا گیا تھا اس کے کامل عمرہ ہونے کی دلیل ہے اور اس میں جمہور کے اس قول کی صحت کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ جو شخص بیت اللہ شریف سے روک دیا گیا ہو اس پر قضا واجب نہیں اور یہ قول اخلاف کے خلاف ہے۔ تین کہتا ہوں کہ اس بحث کی تفصیل عمرہ القضا کے بیان میں آئے گی اور اسی طرح حضرات علماء نے عمروں کی نہرست میں آپ کا وہ عمرہ بھی شامل کر لیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چ مبارک کے ساتھ تھا اس لئے کہ تارن وہی ہوتا ہے جو حج و عمرہ کے لئے ادا کرتا ہے اور جو حضرات آپ کے تین عمرے بتلائے ہیں، لیکن ہے کہ وہ حج والے عمرے کو اسی میں داخل اور تابع سمجھ کر شمار کرتے ہیں یا جعزانہ والے عمرے کو شمار کرتے ہیں کیونکہ وہ رات میں ہونے کی وجہ سے غنی رہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جعزانہ میں بوقت صبح ایسے ہی موجود تھے گویا رات میں گزار لی تھی، یا پھر حدیدہ والے عمرے کو شمار کرتے ہوں گے کہ وہ پورا ادا نہ ہو سکا تھا اور جو حضرات کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دوبارہ عمرہ کیا تو انہوں نے عمرہ الحج کو (داخل حج) اور عمرہ الحدیدہ کو اتمام سمجھتے ہوئے شمار نہیں کیا بلکہ صرف ان دو عمروں کو شمار کیا جو مستقل اور کامل واقع ہوئے جیسا کہ حافظ ابن حجر کے کلام میں گزرا اور ممکن ہے کہ انہوں نے حدیدہ اور قضا والے عمروں کو شمار کیا ہو اور جعزانہ والا ان پر سختی رہا ہو۔ البتہ یہ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں درست نہ ہوگی کہ آپ نے صرف دوبارہ عمرہ کیا۔ کیوں کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ابوجہل بن ابی سلمیٰ پر رحم فرمائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عمرہ بھی کیا ان کی موجودگی میں کیا اور یہ کہ آپ نے چار عمرے کئے۔ الخ جیسا کہ لایع کے حاشیے میں امام احمد و ابوداؤد رحمہما اللہ کی روایت سے منقول ہے۔ پس ظاہر یہی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں صرف ان دو عمروں کو شمار کیا ہے جو مستقل طور پر پورے ادا کئے گئے یعنی عمرہ القضا اور عمرہ جعزانہ۔

فصل دوم، عمرہ حدیدہ کے بیان میں

حدیدہ کا کچھ حصہ حرم میں شامل ہے : یہ عمرہ مقام حدیبیہ کی جانب منسوب ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ بیت اللہ شریف سے روک دیا گیا تھا اور اسی جگہ صلح، بیعت رضوان، حلق اور تحریک وغیرہ بہت سے اہم واقعات پیش آئے۔ حدیبیہ : حادہ جہلہ کے منہ وال کے قریب۔ یا سہ تھانہ کے سکون اور پاس کے کمرہ کے ساتھ۔ اہل عراق اسے تشدیک کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اہل حجاز بغیر تشدید کے۔ یہ دراصل ایک کنوئیں کا نام تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت براہ سے منقول ہے، اسی کنوئیں کے نام پر اس جگہ کو حدیبیہ کہا گیا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ درخت کا نام تھا۔

محبِ بھڑی کہتے ہیں: ”یہ ایک بتی ہے جو زیادہ بڑی نہیں۔ مگر کمرے سے ایک مرحلہ پر واقع ہے اس کا بیشتر حصہ حرم میں ہے اور باقی حل میں۔ اور یہ مگر کمرے سے زمیل کے فاصلے پر واقع ہے۔“ بزرقانی پروری تفضل اوجیز ہے اور اٹھل ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک یہ سب حرم میں داخل ہے۔ نیز اس میں اور ہدایہ میں ہے کہ حدیث کا کچھ حصہ حرم میں داخل ہے۔

کشاف میں زعفرانی نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے اور کتاب الام میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں: حدیث کا کچھ حصہ حل میں ہے اور کچھ حرم میں“ اور صحیح بخاری میں ہے کہ ”حدیث حرم سے خارج ہے۔“ عینی کہتے ہیں: ”اس کا حرم سے خارج ہونا صحیح علیہ نہیں چنانچہ امام طحاویؒ نے حضرت مسورؓ سے نقل کیا ہے کہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غیر حل میں تھا اور آپ کی نماز گاہ حرم میں تھی۔ اور ابن شیبہؒ نے امام عطاء کا قول نقل کیا ہے کہ۔ ”حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرود گاہ حرم میں تھی۔ اور ابن قیمؒ حدیث کے فوائد میں لکھتے ہیں“ اور اس میں ایک طرح کی دلالت ہے اس امر پر کہ کمرے میں نماز کے مضاعف ہونے (ایک نماز پر ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملنے) کا مسئلہ تمام حرم سے متعلق ہے۔ صرف مسجد حرام کے ساتھ، جو کہ طواف کی جگہ ہے۔ خاص نہیں۔ اور غرض میں ہے کہ وہاں مسجد شجرہ ہے“ اور حدیث ابوہریرہؓ کے درمیان نور محلوں کا فاصلہ ہے اور حدیث اور مگر کمرے کے درمیان ایک مرحلہ کا ایک قول یہ ہے کہ حرم میں داخل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا بعض حصہ حرم میں شامل ہے۔ اور شفا انعم میں ہے کہ ”مسجد شجرہ“ حدیث میں ہے اور جس شجرہ کی طرف یہ منسوب ہے یہ وہی شجرہ ہے جس کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی، یہ لیکر کا درخت تھا۔ جو لوگوں میں معروف تھا۔ یہ مسجد جتہ کے راست میں دایہنی جانب واقع ہے اور یہ وہی مسجد ہے جس کے بارے میں لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہاں نمازیں پڑھی تھیں اور دہل ایک اور مسجد ہے مگر یہ دونوں مسجدیں اور خود چاہ حدیث آج کل معروف نہیں“ اور حموی نے امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ ”صحیح اور درست یہ ہے کہ حدیث کو تشدید سے اور جہانہ کو بغیر تشدید کے پڑھا جائے۔“

عمرو حدیث کا سبب: صاحب خفیس کہتے ہیں: ”اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس غزوہ کے لئے یعنی اس عمرہ کے لئے جس کی انتہا غزوہ پر ہوئی۔ نکلنے کا سبب یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کی طرف نکلنے سے پہلے مدینہ میں خواب دیکھا کہ آپ اور آپ کے صحابہ مسجد حرام میں داخل ہوئے اور آپ نے بیت اللہ شریف کی گنبد اپنے دست مبارک میں لی اور سب نے طواف و عمرہ کیا۔ پھر بعض نے طاق کرایا اور بعض نے

قصر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب صحابہ کرام سے بیان فرمایا تو وہ بہت خوش ہوئے اور یہ سمجھ کر وہ بس اسی سال کو میں داخل ہوں گے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے عمرے کے ارادے کا اظہار فرمایا، اس پر انہوں نے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے قبائل اور گرد و پیش کی بتیوں کے آغراب کو ساتھ چلنے کے لئے فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب وصال کا ارادہ نہیں رکھتے تھے لیکن آپ کو قریش کی جانب سے یہ اندیشہ ضرور تھا کہ وہ آپ سے لڑائی کے لئے آمادہ ہوں گے یا آپ کو بیت اللہ شریف روکنے کی کوشش کریں گے اور بہت سے بدوین نے آپ کے حکم کی تعمیل میں تاخیر کی۔

تفسیر جلالین میں آیت کریمہ: **لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الْوُثْيَا** الایہ کے تحت لکھا ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیدریہ کے سال کو حج سے پہلے خواب دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں بے خوف خطر داخل ہو رہے ہیں اور طعن اور قہر کر رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواب صحابہ کرام سے ذکر کیا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلے تو کفار نے انہیں حیدریہ میں روک دیا اور انہیں عمرو کے بغیر آنا پڑا تو انہیں نہایت شاق گذرا اور بعض منافقوں نے شکوک و شبہات پھیلانے شروع کئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔“

زرقانی کہتے ہیں فرمائی، عبید بن حید اور یثربی نے دلائل میں حضرت عطاء سے نقل کیا ہے کہ ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ آپ حیدریہ میں فروکش تھے، یہ خواب دیکھا کہ آپ اور آپ کے صحابہ بے خوف خطر مکہ میں داخل ہو رہے ہیں اور سروں کا حلق اور قہر کر رہے ہیں۔ لیکن جب حیدریہ میں ہی حدی کے جانور ذبح کرنے پڑے تو صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ آپ کا خواب کیا ہوا؟ اس پر آیت: **لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الْوُثْيَا** الایہ نازل ہوئی۔ اس روایت میں جس خواب کا ذکر ہے، یہ دوسرا خواب ہے جو آپ نے حیدریہ میں دیکھا تھا اور جس میں حق تعالیٰ کی جانب سے دوبارہ بشارت دی گئی تھی، اس کو آپ کے مدینہ سے چلے جانے کا سبب قرار دینا صحیح نہیں ہوگا۔“

میں کہتا ہوں اول کی تائید فتح کی اس عبارت سے ہوتی ہے جو حضرت عمرؓ کے اس قول: ”ادیس کنت متحدتنا اے“ (کیا آپ ہم سے یہ نہیں فرماتے تھے الخ) کے ذیل میں ذکر کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ۔
”واقعی کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمروؓ کے لیے چٹان سے پہلے یہ خواب دیکھا کہ آپ اور آپ کے صحابہ بیت اللہ میں داخل ہوئے پھر جب ان حضرات نے اس امر میں تاخیر دیکھی تو انہیں

نہایت شاق گزرا۔

مدینہ طیبہ سے روانگی: صاحب خیس کہتے ہیں پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا۔ لباس زیب تن کیا۔ اور اپنی ادنیٰ قضا پر سوار ہوئے اور مدینہ میں ایہ ام مکتوم کو اپنی جگہ قائم مقام فرمایا، خیس اور زرقانی میں اسی طرح ہے اور زرقانی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ بعض لوگوں نے ابرہہ مکتوم بن حصین کا نام بھی ذکر کیا ہے۔ بلاذری نے یہ دونوں قول نقل کئے ہیں اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ان دونوں کو مقرر فرمایا تھا اور ابن ام مکتوم ناز پر مامور تھے ابن ہشام اور ان کے متبعین نے کہا ہے کہ نیکہ بن عبادہ بنی کو مقرر کیا تھا اس لئے ممکن ہے کہ نیکہ اور مکتوم دونوں کو امیر عامر پر مقرر فرمایا ہو اور ابن ام مکتوم کو امام مقرر کیا ہو۔

اور آپ یکم ذیقعدہ ۳۶ کو کہ یہی حدیبیہ کا سال کہلاتا ہے پیر کے دن مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے، زرقانی کہتے ہیں کہ ”جب وہ علاقے میں مثلاً امام زہری، قتادہ، موسیٰ بن عقبہ، ابن اسحق، ابن سعد وغیرہ نے اسی طرح نقل کیا ہے اور فتح میں کہا ہے کہ ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہ میں سفر کے لئے نکلے اور شمال میں عروہ کیا، مگر یہ قول شاذ ہے اور ابوالاسود نے عروہ سے جہور کے موافق روایت نقل کی ہے۔“ اہ اور البدایہ والنہایہ میں — شمال میں عروہ کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے: ”یہ عروہ سے بہت غریب روایت ہے“ اہ اور ابن قیمؒ کہتے ہیں ”یہ روایت دہم ہے اور عروہ کا قول صحیح روایت کے مطابق یہی ہے کہ عروہ ذی قعدہ میں ہوا، چنانچہ صحیحین میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عرس کئے جو سب کے سب ذیقعدہ میں ہوئے، ان ہی میں عروہ حدیبیہ کا بھی ذکر ہے۔“ اور آپ نے اپنی زوجہ محترمہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بھی ساتھ لیا۔

شکر کا حدیبیہ کی تعداد: اور آپ کے ساتھ چھ تہذیبیہ حضرات تھے جیسا کہ صحیحین میں حضرت براہیؓ کی حدیث میں بروایت سرائیل عن ابی اسحق — مروی ہے اور کہا جاتا ہے کہ آپ کے ساتھ پندرہ سو افراد تھے۔ یہ روایت بھی صحیحین ہی میں سعید بن مسیب کی سند سے حضرت جابرؓ سے مروی ہے اور کہا گیا ہے کہ ان کی تعداد تیرہ سو تھی۔ یہ روایت بھی صحیحین ہی میں حضرت عبداللہ بن ابی ادنیٰ سے مروی ہے اور ان مختلف روایات میں تطبیق۔ جیسا کہ فتح میں کہا ہے۔ یہ ہے کہ چودہ سو سے زائد تھے، پس جس نے زائد کا اعتبار کیا پندرہ سو کہا اور جس نے شمار نہیں کیا اس نے چودہ سو کہا، اس کی تائید بخاری کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت براہیؓ فرماتے ہیں کہ وہ چودہ سو یا اس سے زیادہ تھے، یہاں ”یا“ سے مراد یہ ہے کہ چودہ سو لگے

اس سے زیادہ تھے۔ اس سے وجہ تطبیق واضح ہو جاتی ہے اور نوویؒ نے اسی تطبیق پر اعتماد کیا ہے کیوں کہ روایات سب صحیح ہیں، اور بیہقی کا میلان ترجیح کی طرف ہے وہ کہتے ہیں کہ چودہ سو کی روایت زیادہ صحیح ہے، کیوں کہ حضرت برائہؓ، جابرؓ، سلمہ بن اکوعؓ، عقیل بن یسارؓ اور سائب بن حسنؓ اس پر متفق ہیں۔ ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ اپنا قلمی رجحان زیادہ تر اسی طرف ہے، رہی تیرہ سو والی روایت! سورہ رادی کی اطلاع پر محمول ہے۔ دوسرے حضرات کو دو سو زائد کی اطلاع ہوئی جن پر پہلے رادی کو نہ ہوئی اور زیادتی ثقہ کی مقبول ہوتی ہے۔ لہذا کم نقل کرنے والے کی روایت اس کے معارض نہیں اور حافظ نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ ”یابہ کہا جائے کہ جو تعداد اس نے (تیرہ سو کے رادی نے) ذکر کی ہے یہ تو مدینہ سے روانگی کے وقت تھی اور زائد وہ تھے چودہ بعد میں شامل ہوتے گئے یا یہ کہ اس نے صرف مقالین کی تعداد ذکر کی ہے اور زائد شتم و خدم، نابالغ بچے اور غریب تھیں اور ابن اسحقؒ کا یہ قول کہ سات شش سو تھے کسی نے اس کی تائید و موافقت نہیں کی۔ دراصل موصوف نے یہ بات حضرت جابرؓ کے اس قول سے استنباط کی ہے کہ ”ہم نے ایک ایک اونٹ دس دس آدمیوں کی جانب سے ذبح کیا تھا اور اونٹوں کی تعداد ستر تھی“

حالانکہ یہ اس امر کی دلیل نہیں کہ انہوں نے اونٹوں کے علاوہ گائے، بکری ذبح نہیں کئے تھے مزید برآں یہ کہ بعض حضرات نے سرے سے احرام ہی نہیں باندھا تھا موسیٰ بن عقبہؒ نے اس پر جزم کیا ہے کہ ان کی تعداد ستر تھی۔ ابن ابی شیبہؒ کی روایت میں حضرت سلمہ بن اکوعؒ کی حدیث میں۔ سترہ سو کی تعداد مذکور ہے اور ابن سعدؒ کی روایت میں ہے کہ وہ ایک ہزار پانچ صد پچیس نفر تھے، حافظ کہتے ہیں: ”ابن سعدؒ کی روایت اگر ثابت ہو تو اس میں تحریر یا بالغ سے کام لیا گیا ہے (یعنی ٹھیک ٹھیک پوری تعداد بیان کی گئی ہے، بعد ازاں ابی رومیہؒ کی تخریج سے یہ تعداد مجھے بروایت ابن عباسؓ موصلاً بھی دستیاب ہوئی ہے۔ اہ مختصراً“

الہدیٰ میں بروایت صحیحین حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ سے نقل کیا ہے کہ ہم تیرہ سو تھے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ ”میں نے سعید بن مسیبؒ سے دریافت کیا کہ بیعت رضوان میں شریک ہونے والوں کی تعداد کتنی تھی؟ فرمایا پندرہ سو میں نے کہا کہ حضرت جابرؓ تو چودہ سو بتاتے ہیں؟ فرمایا، اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے، انہیں سہو ہوا، خود انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ وہ پندرہ سو تھے“ ۱۰۰ اور حنفیہ کے

پندرہ سو کی تعداد ہی راجح ہے، جیسا کہ ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب من اسہم لہ سهم میں اس کی تصریح موجود ہے، چنانچہ اس میں حضرت مجب بن جابرہ انصاریؓ سے اجر ان قاریوں میں سے ایک تھے جنہوں نے قرآن کریم یاد کیا، روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ”ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں حاضر ہوئے جب وہاں سے واپس لوٹے تو لوگ اونٹ دوڑانے لگے، آگے حدیث میں سورۃ فتح کے نزول کا قصہ مذکور ہے اور اس روایت کے آخر میں ہے کہ حیر کا مال غنیمت، اہل حدیبیہ پر تقسیم کیا گیا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اٹھارہ حصے کئے۔ پندرہ سو کا لشکر تھا، ان میں سے تین سو شہسوار تھے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہسوار کو دو ہرا اور پیادہ کو اکہرا حصہ دیا۔“ اس کی تائید زرقانی کے گذشتہ بالا کلام سے بھی ہوتی ہے کہ یہی (پندرہ سو کی تعداد) صحیحین میں بروایت سعید بن مسیبؓ، حضرت جابرؓ سے منقول ہے اور حضرت مجبؓ کی یہ حدیث اس بنا پر بھی راجح ہے کہ اس میں سواروں اور پیادوں کی انگ انگ تفصیل بھی دی گئی ہے۔ امام بخاری، قتادہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا، میں نے سعید بن مسیبؓ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ چودہ لاکھ تھے۔ سعیدؓ نے — کہا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے خود مجھ سے فرمایا کہ جن حضرات نے حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ان کی تعداد پندرہ سو تھی۔“ شیخ ذہبیؒ میں فرماتے ہیں آنحضرت جابرؓ سے جو تعداد سالم اور سعید بن مسیبؓ نے نقل کی ہے وہ باقی روایات کی نسبت اقرب الی التحقيق ہے۔ کیوں کہ اس کو جن حضرات نے حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی کے مضمون کے ساتھ مل کر لیا ہے، پھر یہ روایت حضرت مجبؓ کی روایت سے ملتی ہے۔ اور سید علیؒ نے درمنثور میں ”قد رضی اللہ عنہما“ کے تحت روایت عبد بن حمید و ابن جریر حضرت قتادہؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ لکیر کا درخت تھا جس کے نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے بیعت لی تھی۔ اور ان کی تعداد اس دن پندرہ سو تھی۔“ انھیں ابوجہل کے اونٹ کا قصہ، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ ہدی کے ستر اونٹ لے گئے تھے جن میں ابوجہل کا وہ اونٹ بھی شامل تھا جو جنگ بدر کی غنیمت میں ہاتھ آیا تھا۔ میں کہتا ہوں یہی صحیح ہے اور ترمذی شریف میں جو مروی ہے کہ وہ حجرہ الوداع کے اونٹوں میں شامل تھا یہ وہم ہے جیسا کہ اس کی تفصیل جزء حجرۃ الوداع میں گذر چکی ہے اور اس اونٹ کی ناک میں کڑا تھا، ابو داؤدؒ میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے موقع پر اپنی قربانوں میں ابوجہل کا وہ اونٹ بھی قربان کیا جس کے

سرمیں یعنی ناک میں چاندی کا کڑا (حلقہ) تھا۔ ابن منہال کہتے ہیں کہ کڑا سونے کا تھا۔ لفظی کہتے ہیں کہ اس سے مشرکین کو چڑانا منظور تھا۔ حضرت شیخ بذل فرماتے ہیں کہ ”راوی کا قول، اس کے سرمیں“ اور علامہ علی قاری فرماتے ہیں: ”راوی کا قول: کہ سونے کا کڑا تھا (اگر دوسری روایت میں ہے کہ چاندی کا کڑا تھا) ممکن ہے کہ دو شخصوں کے لئے دو کڑے ہوں۔“ اور جہز میں ہے کہ ابو داؤد کی اس حدیث کو کئی طرح سے ترجیح حاصل ہے ایک یہ ہے کہ روایات میں ہے کہ کفار کو چڑانا اور غصہ دلانا مقصود تھا اور یہ بات حجتہ الوداع کے ساتھ جوڑ نہیں رکھتی اس لئے کہ اس وقت مکہ میں کوئی کافر ہی نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ کتب سیر کے موافق ہے، تیسرے یہ کہ ترمذی کی روایت میں ضعف ہے پچانچہ خود امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ”یہ حدیث غریب ہے۔ سفیان کی یہ حدیث صرف زید بن جباب کے ذریعہ نہیں ملتی ہے۔“ پوری تفصیل اور جہز میں ہے، اور جہز حجتہ الوداع میں حدیث کے ہدایا ابو جہل کے اونٹ کے بھاگ جانے کا قصہ گزر چکا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بھاگنا بھی اسی چڑانے کی تکمیل کے لئے تھا کہ اگر وہ اونٹ لیں ہی ذبح کر دیا جاتا تو مکہ کے عام کافروں کو اس کا علم نہ ہوتا اور اس کے بھاگ جانے کی وجہ سے اس کا معاملہ ایسا مشہور ہوا کہ قریب و بعید کے تمام لوگوں کو معلوم ہو گیا۔ رہا یہ سوال کہ اونٹ قریب عقل جانور ہے، کفار کو چڑانے والے مقصد کی تکمیل کے لئے اس کا بھاگ نکلنا کیوں کہ ہوا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بطور مجرہ کے ہے اور اس قسم کے بہت سے معجزات ہیں جن کا انکار ممکن نہیں۔ منجملہ ان کے ابو داؤد کی حدیث کا یہ واقعہ ہے کہ قربانی کے اونٹ آپ کی طرف پلکتے تھے کہ دیکھئے کس سے ذبح کی ابتدا ہو۔ اسی طرح آپ کی ناقہ قصوار کے بیٹھے کا قصہ، اور لوگوں کا کہنا کہ قصوار گئی عنقریب آ رہا ہے وغیرہ اور آپ نے ہدی کے اونٹوں پر ناجیہ بن جندب اسلمی کو مقرر فرمایا اور معالم التنزیل میں ان کا نام ناجیہ بن عمیر نقل کیا ہے، اور جنس میں بھی اسی طرح ہے، اور ان دونوں باتوں کوئی اختلاف نہیں اس لئے کہ ان کے والد کا نام جندب اور داد کا نام عمیر ہے۔ البتہ یہاں ایک اختلاف ہے کہ آیا وہ اسلمی ہے یا خزاعی؟ اور یہ کہ کیا ناجیہ اسلمی اور ناجیہ خزاعی دو شخص ہیں یا ایک ہی شخص ہے؟ بذل میں اس پر مفصل کلام کیا ہے اور آپ کے ساتھ مالکہ اصحابہ نے بھی ہدی کے جانور نہ کائے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحر میان میں بند تلواروں کے جو مسافر کا ہتھیار ہے اور کوئی ہتھیار اپنے ساتھ نہیں لیا۔ (میں کہتا ہوں) کہ آپ کے ساتھ تین تلواریں تھیں، جیسا کہ ابو داؤد کی روایت اور پرگندہ چکی ہے اور زرقانی یہ ہے کہ آپ کے ساتھ دو تلواریں تھیں مگر ابو داؤد کی روایت راجح ہے۔

پس آپ نے نماز ظہر ذی الحلیفہ میں ادا فرمائی اور قربانی کے جانوروں کو تلوے پہنائے اور ان کا اشعار کیا۔ بعض جانوروں کو خود بنفس نفیس تلوے پہنائے اور باقیوں کے لئے ناجیہ کو حکم فرمایا۔ خمس میں اسی طرح ہے۔ زرقانی فرماتے ہیں کہ ”ایک روایت کے مطابق آپ نے دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد ذوالحلیفہ سے احرام باندھا اور ذوالحلیفہ کی مسجد کے دروازے سے سارہرے اور آپ کی سواری جب آپ کو لے کر قبلہ کی طرف چلنے لگی تو آپ نے عمرہ کا احرام باندھا یعنی اس کا اظہار فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ آپ لڑائی کے لئے تشریف نہیں لے جا رہے“ اور خمس میں ہے کہ ”پھر آپ نے ذوالحلیفہ سے احرام باندھا اور تلبیہ پڑھا اور آپ کی اکتلا میں جہور صحابہؓ نے بھی وہیں سے احرام باندھا اور بعض نے ٹھٹھ سے احرام باندھا۔

میں کہتا ہوں کہ تقلید اور اشعار کی بحت جزو الخ میں گذر چکی ہے اور اس ناکارہ کے نزدیک اذبح یہ ہے کہ مراقبت کی مشروعیت کی ابتداء عمرہ الہدیہ سے ہوئی اور عام شراح اس کی ابتداء حجۃ الوداع سے ذکر فرماتے ہیں، جیسا کہ امام احمدؒ نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے، مگر اس پر اشکال ہو گا کہ یہ تمام حضرات حدیث دس سال حضرت ابو قتادہؓ کے میقات سے بغیر احرام گذر جانے کی تاویلات کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ میقات کی تعیین ہی حجۃ الوداع میں ہوئی تو ان ترجیحات قریمہ و بعیدہ کی حاجت ہی کیوں پڑی؟ اذبح میں اسی طرح ہے اور جرارے میں نے اختیار کیا ہے اس کی تائید حافظ ابن قیمؒ کے اس کلام سے ہوتی ہے جو موصوف نے حدیث کے فوائد میں ذکر کیا ہے کہ ”عمرہ کا احرام میقات سے باندھنا افضل ہے جیسا کہ حج کا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج و عمرہ دونوں کا احرام ذوالحلیفہ سے باندھا تھا۔“

ذوالحلیفہ سے جاسوس بھیجا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ ایک خارجی کو بطور جاسوس بھیجا صحیح قول کے مطابق اس کا نام بُسر تھا۔ (یاد موحده کے ضمہ اور سین کے سکون کے ساتھ) جیسا کہ حافظ نے کہا ہے اور ابن اسحاق اور ابن عبد البر نے بھی اسی پر جزم کیا ہے۔ البتہ ابن اسحاق کی روایت میں ”بشر“ (یا) کے کسرہ اور سین منقطہ کے ساتھ) واقع ہو اسے اور ابن ہشام نے اس کی تردید کی ہے، اور ابن شیبہ کی تصانیف میں جاسوس کا نام ”ناجیہ“ ذکر کیا ہے۔ حافظ کہتے ہیں کہ مشہد یہ ہے کہ ناجیہ اس شخص کا نام ہے جس کے ساتھ ہمی کے جانور بھیجے تھے جیسا کہ ابن اسحاق وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ اور آپ نے اس بُسر بن سفیان بن عمرو کو بطور جاسوس بھیجنے کے لئے اس لئے منتخب فرمایا کیوں کہ یہ تازہ نازہ اسلام لانے تھے۔ چنانچہ وہ شوال میں اسلام لانے تھے (چونکہ ان کا اسلام لا نا زیادہ مشہور نہیں تھا، اس لئے انہیں دیکھنے والا جاسوس سمجھ کر ایذا کے درپے

نہیں ہو گا۔ زرقانی میں اسی طرح ہے۔ حافظ ابن قیمؒ آغاز فقرہ میں فرماتے ہیں کہ ”آپؐ نے ذوالحلیفہ سے اپنے آگے آگے ایک خزاہی کو بحیثیت جاسوس کے بھیجا اور حدیث کے ذرائع میں فرماتے ہیں کہ جہاد میں قابل اعتماد مشرک سے بلوقت ضرورت خدمت لینا جائز ہے۔ اس لئے اس خزاہی کو جب جاسوس مقرر کیا گیا وہ کافر تھا۔ اس میں معلوم یہ تھی کہ اس کے لئے دشمن میں گھل مل کر ان کی خبریں معلوم کر لیا آسان تھا۔ نیز فرماتے ہیں کہ ”امیر لشکر کو چاہئے کہ اپنے آگے دشمن کی جانب جاسوس بھیجے۔“ اھ اور آپؐ کا یہ جاسوس ”غیر الاشطاط“ نامی جگہ والی آیا جیسا کہ آگے آتا ہے۔ ابن قیمؒ کہتے ہیں ”پس جب آپؐ ذوالحلیفہ پہنچے تو قبیلہ خزاہہ کے ایک جاسوس کو اپنے آگے بھیجا تاکہ وہ قریش کی خبریں آپؐ کو لا کر دے، یہاں تک کہ جب وادی مہسان کے قریب پہنچے تو آپؐ کا یہ جاسوس واپس آیا اور اس نے بتایا کہ میں کعب بن لوی (یعنی قریش) کو اس حال میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ انہوں نے آپؐ کے مقابلہ کے لئے احابیش یعنی مختلف قبائل کو جمع کر رکھا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا اور فرمایا کہ تم میرے دستے ہو کہ ہم ان لوگوں کو اہل و عیال کا رخ کریں؟“ اھ مختصراً اور مشورہ کا تذکرہ اپنے موقع پر آئے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناجیہ سلمیٰؓ کو وہی کے جانوروں کے ساتھ آگے بھیجا اور خود ان کے پیچھے روانہ ہوئے اور عباد بن بشر کو مہاجرین و انصار کے بیس سواروں کی معیت میں مقدمۃ الجیش پر مقرر فرمایا۔

حضرت ابو قتادہؓ کی آمد اور جاسوس کی واپسی : اھ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت پہنچے جب کہ آپؐ موضع ”سقیاء“ میں قیلو لہ کر رہے تھے۔ حافظ کہتے ہیں: ”السقیاء“ سین مہملہ کے ساتھ ضم اور قاف کے سکون کے ساتھ اس کے ساتھ یائے مقصورہ۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بڑی بستی ہے۔“ اھ۔ اور معجم میں ہے کہ ”فرع“ کے مصنفات میں ایک قصبہ ہے۔ اس کے اورد ”فرع“ کے درمیان حقتہ کی جانب انیس میل کا فاصلہ ہے۔“ اھ۔

بخاری و مسلم میں عبداللہ بن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے والد (حضرت ابو قتادہؓ) بھی حدیبیہ کے سال گئے تھے۔ پس ان کے رفقاء نے احرام باندھ لیا، مگر انہوں نے نہیں باندھا۔ اھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ ”غریقہ“ نامی جگہ میں دشمن جمع ہیں، وہ آپؐ سے لڑیں گے، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چلے۔ پس دین اشامہ میرے والد اپنے رفقاء کے ساتھ تھے، وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگے، (میرے والد فرماتے ہیں کہ) میں نے دیکھا کہ ایک نیل گلنے ہے، میں نے نیزے سے اس پر حملہ کیا پس اس کو وہیں ڈھیر کر دیا، میں نے اپنے رفقاء سے مدد چاہی، مگر انہوں نے میری مدد کرنے سے انکار کر

دیا، (بہر حال میں نے خود ہی اس کا گوشت تیار کیا) پس ہم نے اس کا گوشت کھایا، اور میں اندیشہ ہوا کہ کہیں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء سے کٹ کر پیچھے نہ رہ جائیں، اس لئے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کیا، میں کبھی گھوڑا تیز دوڑاتا اور کبھی عام رفتار سے چلتا، اسی رات کو مجھے بزرگ خفا کا ایک شخص ملا، میں نے اس دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں چھوڑا تھا؟ اس نے بتایا کہ میں نے آپ کو مدینہ میں "نامی جگہ چھوڑا ہے، اور آپ دو پہر کو "سقیاء" پہنچیں گے، چنانچہ میں "سقیاء" میں آپ سے ملا، اور میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کے خدام آپ کو سلام عرض کرتے ہیں اور انہیں اندیشہ ہے کہ کہیں آپ سے کٹ کر پیچھے نہ رہ جائیں، پس ان کا انتظار کر لیجئے۔ پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے نیل گائے کا شکار کیا تھا اور اس کا کچھ بقیہ میرے پاس ہے۔ آپ نے رفتار سے فرمایا: کھاؤ، یہ حضرات احرام میں تھے۔

اس قصہ میں بہت سی فقہی بحثیں ہیں، مثلاً ابرقہ کے خروج کا سبب کیا تھا؟ انہوں نے میقات سے احرام کیوں باندھا؟ اور ان کے میقات سے بلا احرام گزرنے کے وجہ و اسباب کیا تھے؟ شروح بخاری وغیرہ مطبوعہ میں ان سب پر تفصیل سے کلام کیا ہے اور اس کا خلاصہ اور جز اور حاشیہ لا مع میں مذکور ہے اور محرم کے شکار کے ——— سائل پر بحث "حجۃ الوداع" میں گذر چکی ہے۔

آپ کے روکنے کے بارے میں مشرکین مکہ کا مشورہ: اور جب مشرکین مکہ کو یہ خبر پہنچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لائے ہیں تو انہوں نے اس بارے میں مشورہ کیا، صلاح مشورہ کے بعد یہ قرار پایا کہ آپ کو بیت اللہ تشریف آنے سے روکا جائے، اہل مکہ نے عرب قبائل اور جماعت احابیش سے بھی مدد طلب کی احابیش (حام مہملہ، بار موحده اور شین معجمہ کے ساتھ) اجروش (بضم ہمزہ و باء) کی جمع ہے، یہ بنو الہود بن خزیمہ بنو حارث بن عبدمناة اور بنو المصطلق، جز خزاعہ کی ایک شاخ ہے، کا لقب ہے، کہا گیا ہے کہ ان لوگوں نے قریش کے ساتھ حبشی نامی مہار کے نیچے، جو اسفل مکہ میں واقع ہے، عہد و پیمان کیا تھا، اس بنا پر ان کا نام "احابیش" ہوا اور بعض نے کہا کہ تنقیش کے معنی اجتماع کے ہیں، ان کے تنقیش یعنی اجتماع کے وجہ سے ان کا یہ لقب پڑا۔

جاسوسی کے لئے خالد کے لشکر کی آمد: بہر حال احابیش نے قریش کی دعوت کو لیک کہا اور یہ سب لوگ تیار ہو کر مکہ سے نکلے اور "بلوچ" نامی جگہ میں ان کا لشکر جمع ہوا اور خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل کو دو صد افراد کی معیت میں خبر رسانی کے لئے مقرر کیا۔ میں کہتا ہوں کہ بخاری کی حدیث میں ہے کہ: ——— جب آپ

راستہ کی کسی جگہ میں تھے۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق یہ جگہ عسکان تھی، جیسا کہ زندگانی میں ہے۔ تو انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خالد بن ولید موضع عظیم میں۔ حافظ کہتے ہیں کہ مدغیم (فتح غنیم) سے مراد بظاہر کراچ العظیم ہے جو مکہ و مدینہ کے درمیان جگہ کا نام ہے، سیاق حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جگہ حدیبیہ کے قریب تھی اور ابی حبیب کہتے ہیں کہ یہ اس مقام کے قریب ہے جو رابغ اور جحفہ کے درمیان ہے۔ ”اھ اور خمس میں ہے کہ ابن شباب نے کہا ہے کہ عظیم عسکان اور عسکان کے مابین واقع ہے اور عیاض نے کہا ہے کہ وہ عسکان کے بعد آٹھ میل کے فاصلہ پر ایک وادی ہے۔ قریش کے ایک لشکر کے ساتھ بطور مقدمہ الجیش کے آیا ہوا ہے، اس نے تم واپسی جانب اختیار کر دیا، پس اشد کی قسم! خالد کو ان کی آمد کی خبر تک نہ ہوئی یہاں تک کہ انہیں لشکر کا سیاہ عباد اٹھتا نظر آیا، یہ دیکھ کر خالد فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر قریش کو اطلاع دینے کے لئے بھاگا۔“ اھ حدیث۔

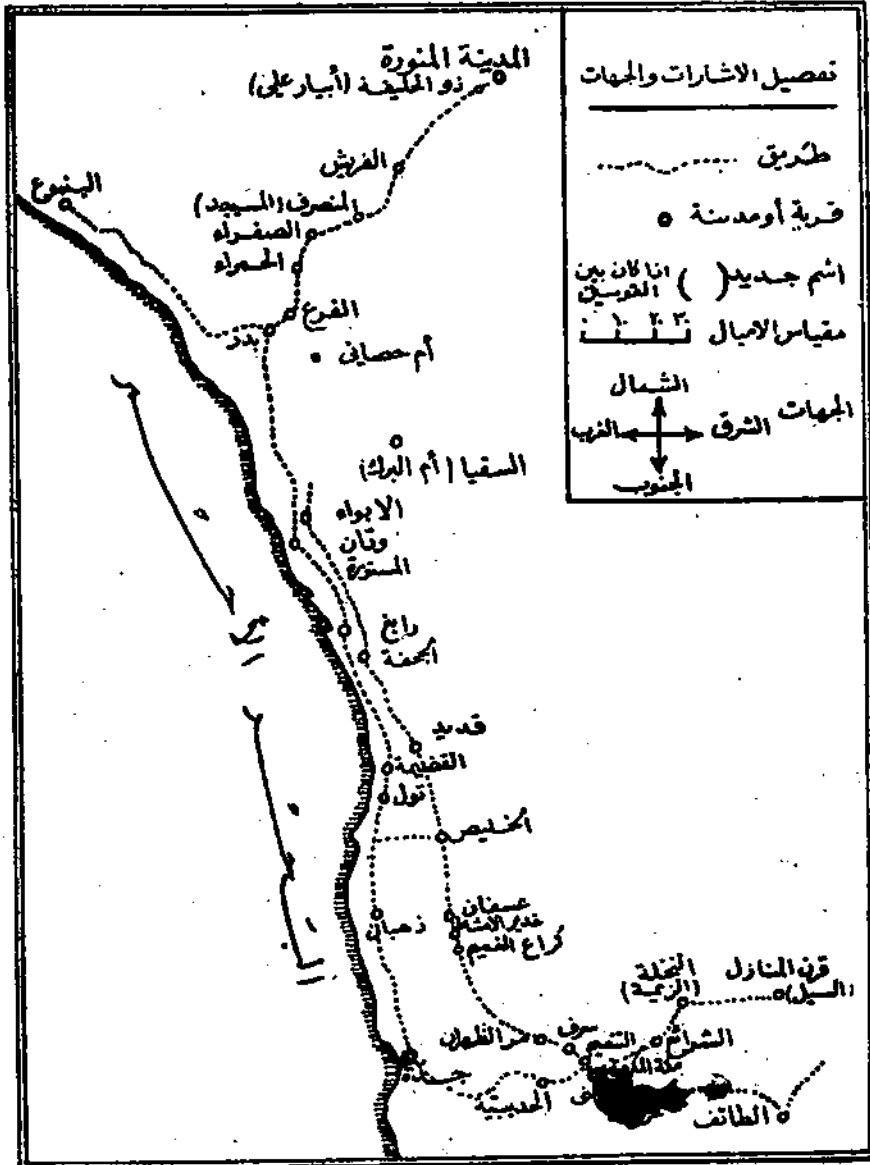
حضرت قمر الحاج مولوی محمد رابغ ندوی نے ان مقامات کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ: ”بظاہر عظیم میان غنیم کے فخر اودیم کے کمرہ کے ساتھ ہے، اور یہ وہی جگہ ہے جس کو ہمدانی نے اپنی کتاب ”صفۃ الجزیرۃ العرب“ میں بایں الفاظ ذکر کیا ہے کہ وہ ”مر اور عسکان کے درمیان ایک جگہ ہے۔“ اور ترمذی جگہ ہے جہاں ”ترمذی بلقان تھی اور اچکل“ وادی فاطمہ کے نام سے معروف ہے اور کمرہ سے شمال مغربی جانب، ہمدانی کی کتاب ”صفۃ جزیرۃ العرب“ کے مطابق، کمرہ سے یزید میل پر اور جدیعیاش کے مطابق تیرہ میل ہے۔

عسکان، مکہ اور جحفہ کے درمیان راستہ کی ایک منزل کا نام ہے جو کمرہ سے دو مرحلے یعنی چھتیس میل پر واقع ہے اور یہ تہارن کی آخری مرحلہ ہے، جیسا کہ یاقوت حموی نے ”معجم البلدان“ میں اور ہمدانی نے صفۃ جزیرۃ العرب“ میں ذکر کیا ہے اور یہ جگہ آج تک اسی نام سے اسی موقع پر معروف ہے جو یاقوت حموی اور ہمدانی نے بیان کیا ہے۔ اور عظیم نامی ایک اور جگہ بھی معروف ہے جو غنیم کے ضمہ اودیم کے کمرہ کے ساتھ ہے اور یاقوت حموی نے اپنی کتاب میں اس کا محل وقوع رابغ اور جحفہ کے درمیان ذکر کیا ہے اور یہ دونوں مقام عسکان سے تقریباً ۲۵ میل دور، جانب شمال واقع ہیں۔ باریں حدیث مدنیہ میں اس غیم کا ذکر غیر مزبور ہے، کیونکہ اس حدیث میں غیم کا ذکر عسکان کے ذکر کے پہلو میں آیا ہے، نیز ”غدير الاشطا“ کے پہلو میں جو عسکان کے قریب جنوبی جانب واقع ہے۔ اور بعض محققین کی رائے سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیم کو کراچ العظیم بھی کہا جاتا تھا، یاقوت حموی نے کراچ العظیم کے بیان میں جو کچھ لکھا ہے وہ بھی اس کا مؤید ہے اور ابن شہام نے اپنی کتاب میں اس حدیث کا ذکر کرتے ہوئے غیم کے بجائے ”کراچ العظیم“ کا لفظ درج کیا ہے اور وہ یاقوت حموی کی تحقیق کے مطابق عسکان سے آٹھ میل دور جنوب میں واقع ہے اور جغرافیائی پائش کے مطابق ”غدير الاشطا“ ان دونوں کے درمیان واقع ہے۔ (تقریباً ۱۰۰ میل)

صلوٰۃ خوف کا نزول : زرقانی کہتے ہیں کہ اس حدیث سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ وہ غبار دیکھتے ہی قریش کو اللہ تعالیٰ نے دینے کے لئے بھاگا اور ابن سعد وغیرہ کی روایت ہے کہ خالد اپنے لشکر سمیت قریب آیا، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کو دیکھا اور اس کے لشکر نے ان کے اور قبلہ کے مابین صف بندی کی، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے عباد بن بشر اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھے اور یہ حضرات ان کے مقابلہ میں صف آرا ہوئے اور نماز ظہر کا وقت آگیا، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو نماز پڑھائی، خالد نے کہا کہ یہ لوگ (نماز میں) مشغول ہونے کی وجہ سے غفلت کی حالت میں تھے اگر ہم ان پر حملہ آور ہوتے تو انہیں صدمہ پہنچا سکتے تھے، غیر یہ موقع تو ہاتھ سے گیا اب ایک اور نماز آئے گی جو انہیں اپنی جان اور مال و اولاد سے بھی زیادہ محبوب ہے، پس جبریل علیہ السلام ظہر اور عصر کے مابین یہ آیت لے کر نازل ہوئے **وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ أَلَا تَهَيَّأُ لِلْعِبَادَةِ** (جس میں نماز خوف کا حکم ہے) چنانچہ آپ نے صلوٰۃ خوف ادا فرمائی۔ اب اگر دونوں باتوں ایک کو ترجیح دینا پڑے تو ”صحیح“ کی روایت زیادہ صحیح ہے اور اگر دونوں کے درمیان تطبیق دینا چاہو تو وہ اس طرح ممکن ہے کہ اس کا جانا اس وقت مانا جائے جب کہ وہ اور اس کے ساتھی عصر تک صف آرائی کے رہے اور مشرکین کے حملے سے یابوس ہو گئے۔ میں کہتا ہوں کہ میرے خیال میں یہی بہتر ہے اس لئے کہ کتب سنن میں یہی مشہور ہے کہ صلوٰۃ خوف کا نزول ظہر و عصر کے درمیان میں ہوا۔ چنانچہ ابو داؤد میں حضرت ابو عیاش زرقانی سے روایت ہے کہ ”ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عسکان میں تھے اور مشرکین کے لشکر پر خالد بن ولید امیر مقرر تھا۔ ہم نے ظہر کے وقت کی نماز پڑھی تو مشرکین کہنے لگے، کہ ہم نے انہیں بے خبری اور غفلت میں تو پایا ہی تھا، کیا اچھا تھا کہ ہم ان پر نماز کی حالت میں حملہ کر دیتے۔ اس پر آیت قصہ ظہر اور عصر کے درمیان نازل ہوئی، چنانچہ عصر کا وقت ہوا تو آپ قبلہ رخ کھڑے ہوئے۔“ الخ اور حضرت شیخ بھٹل میں فرماتے ہیں کہ ”مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ قصہ کس غزوہ میں پیش آیا۔ اس لئے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عسکان میں پڑا و غزوہ بنی لیحان میں فرمایا اور اس وقت قتال نہیں ہوا۔ بعض اہل تاریخ کہتے ہیں

ان تمام امور کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راستہ میں کسی جگہ تھے غالباً عسکان یا غزوہ الاشجار میں ہو گیا یا ان کے قریب کسی اور جگہ جس کا اندازہ سابقہ حدیث سے کیا جاسکتا ہے تو آپ نے صحابہؓ کو بتایا کہ خاتم النبیین مکہ دیکھ کر داہنی جانب ہیں اور دیر سے مغربی جانب تھی تاکہ آپ صحابہؓ کو خالد بن ولید کے جگہ سے جوں کے توڑ سے راستہ پر آتی تھی چنانچہ بنی لیحان کا رخ جتہ یا حدیبیہ کی طرف ہو گیا جہاں کے کچھ جنرل جانب اور کچھ مغربی جانب واقع تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سے چل کر مدینہ چاہیے اور خالد نے لشکر کا غبار دیکھا تو کہا کہ قریش کو جگہ ان مقام کی تصدیق کے لئے غلظہ نقشہ ملاحظہ فرمائیے۔

نقشه متعلقه حاشيه صفحہ ٢٣٤



اس غزوہ میں کسی سے مقابلہ نہیں ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے اور کوئی قصہ پیش نہیں آیا، اور نہ کتب تاریخ سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ اس وقت خالد بن ولید شیرین کے امیر تھے، واللہ اعلم البتہ، اور تلخیص البدل میں ہے کہ مجھے بعد ازاں فتح الباری میں یہ تصریح ملی ہے کہ وافر می نے خالد بن ولید کی حدیث نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کی طرف نکلے تو عصفان بن میر آپ سے سانسنا ہوا چنانچہ میں آپ کے مقابلہ میں صف آرا ہوا۔ آپ نے اپنے اصحاب کو نماز ظہر پڑھائی، ہمارا ارادہ ہوا کہ اچانک حملہ کر دیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے وقت نماز خوف پڑھائی، الخ اس روایت سے صراحتہً چلتا ہے کہ وہ حدیث قصہ حدیبیہ سے ہی متعلق ہے اور ابن قیمؒ ابی عیاش زرقی کی روایت کی بنا پر آیت کا نزول عصفان ہی میں ملنے میں مگر تفصیل نہیں بتاتے کہ یہ غزوہ حدیبیہ تھا یا کوئی اور غزوہ۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ کون شخص ہے جو ہمیں ان کی راہ سے ہٹ کر کسی اور راہ سے لے چلے؟ قبیلہ اسلام کا ایک آدمی، جس کا نام حزنہ بن عمرو اسلمی تھا، کہنے لگا کہ میں لے جاسکتا ہوں۔ چنانچہ وہ انہیں گھائیوں کے پیچ میں سے ایک دشوار گزار اور کٹھن راستہ سے لے چلا، اور جب مشکل تمام رہے عبور کر کے وادی کے آئینہ ہوا رزمین پر پہنچے تو آپؐ نے صحابہ کرام کو فرمایا کہ نستغفر اللہ و نتوب الیہ کہو (یعنی ہم اللہ تعالیٰ سے بخش مانگتے ہیں اور اس کے سامنے توبہ کرتے ہیں) چنانچہ سب نے یہ لکر کہا، تو آپؐ نے فرمایا: بخدا! یہ وہی شخص ہے جس کا بنی اسرائیل کو حکم ہوا مگر انہوں نے نہیں کہا تھا۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ موضع مخض (جاء مہلک) کے فتح میم کے سکون اور ضا و مجہ کے ساتھ ایک جگہ کا نام ہے (وہ قال) اے آگے دائیں جانب کے راستہ چلو۔ جو اسفل مکہ میں حدیبیہ کی طرف اترنے کی جگہ ”ثیۃ المراء“ پر نکلتا ہے چنانچہ لشکر اس راستے پر چلا اور قریش کے ”مقفہ العیش“ شاہسواروں نے لشکر کا جو ان کے راستہ سے ہٹ کر جا رہا تھا، غبار اٹھتا ہوا دیکھا، تو فوراً گھوڑے دوڑاتے ہوئے قریش کے پاس واپس پہنچ گئے۔

خزاعی جاسوس کی واپسی: یہاں تک کہ جب غدیر الاشطاہ (فتح غین مجر و کسر وال مہلک و شین مجر اور دوطہ کے ساتھ ”شط“ کی جمع ہے۔ یہ جگہ حدیبیہ کی جانب عصفان سے تین میل دور بجانب مکہ وادی کے کنارے ہے) پہنچے تو آپؐ کے پاس آپ کا خزاعی جاسوس اسپہنجا مجھے آپؐ نے ذوالحلیفہ سے اہل مکہ کی جانب قریش کی خبر لینے کے لئے بھیجا تھا۔ چنانچہ اس نے بتایا کہ قریش نے آپؐ کے مقابلہ کے لئے بہت سی جماعتوں اور ”احابیش“ کو جمع کر رکھا ہے۔ جو آپؐ سے لڑنے بہت اللہ سے روکنے اور مکہ میں داخلہ سے ہٹانے کو تیار ہیں۔ اور ابن اسحق روایت ہے کہ امام نہہری فرماتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نکلے تو آپؐ کو موضع عصفان میں بسر ملا اور

کہنے لگا کہ قریشیوں کو آپ کے سفر کی اطلاع مل چکی ہے اور وہ اپنی عورتوں، بچوں یا دودھ دینے والے جانوروں (العوذ المظاہل) کو ساتھ لے کر نکل آئے ہیں (لامع کے حاشیہ میں ہے: "العوذ المظاہل، عین کی پیش اور داؤ کے سکون کے ساتھ اس کے بعد دال معبر۔ دودھ والی اونٹنی۔ وہ مائیں جن کے ساتھ ان کے بچوں بھی ہوں۔ مطلب یہ تھا کہ وہ لوگ اپنے ساتھ دودھ کے جانور لے کر نکلے ہیں تاکہ ان سے غذا حاصل کرتے رہیں، اور جب تک آپ کو روک نہ دیں، واپس نہ جائیں یا بچوں سمیت عورتیں مراد ہو سکتی ہیں جس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ اپنے ساتھ عورتیں اور بچے لے کر نکلے ہیں کیوں کہ ان کا طویل قیام کا ارادہ ہے نیز اس لئے کہ یہ امر عدم قرار کے لئے زیادہ مفید ہے، اور کہانی کہتے ہیں کہ، المظاہل، العفل کی جمع ہے۔ ان ماؤں کو کہتے ہیں جن کے بچے ساتھ ہوں، یعنی یہ قبائل آپ کے ساتھ جگہ کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں اور اپنے ساتھ امراں بھی لے آئے ہیں" انتہی) انہوں نے جیتوں کی کھالیں پہن رکھی ہیں اور وہ طوسیٰ میں فروکش ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر رہے ہیں کہ آپ بزرگ قوت اُن پر غلبہ حاصل کر کے مکہ میں داخل نہیں ہو پائیں گے۔ اور ابن سعد کی روایت میں ہے کہ مشرکین کو آپ کے نکلنے کی خبر پہنچی تو انہوں نے آپ کو مکہ سے روکنے پر اتفاق کر کے، بلالؓ نامی جگر میں لشکر جمع کیا اور انحرالقی تہذافت میں ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے سال عازم کو ٹھٹھے تو بئر بن سفیان الکعبی آپ کے پاس آئے، آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ اہل مکہ کو ہماری آمد کا علم ہو چکا ہے یا نہیں؟ اس نے کہا کہ اُس نے فلاں رات بیت اللہ کا طواف کیا اور قریش اپنی مجلس میں جمع تھے کہ جبل ابوقیس کی چوٹی سے ایک شخص نے چیخ مچا کر یہ اشعار اتنی بلند آواز سے پڑھے کہ تمام مکہ میں سنائی دیتے تھے (میں ان زرقانی نے وہ اشعار نقل کئے ہیں) بس پھر کیا تھا تمام مکہ کانپ اٹھا اور سب نے عہد معاہدہ کیا کہ اس سال تو آپ مکہ میں داخل نہیں ہو پائیں گے۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ چیخنے والا سلف ہے جو بتوں کا شیطان ہے۔ غریب اے اللہ تعالیٰ اقل کر دیں گے۔ انشاء اللہ" خرائط کی یہ روایت اگر ثابت ہو جائے تو غالباً "بئر" نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ اطلاع دی تو اس کے بعد آپ نے اُسے جاسوس بنا کر بھیجا ہو گا۔ تاکہ یہ پتہ کرے کہ کیا وہ جمع ہو چکے ہیں؟ چنانچہ اس نے واپس آکر آپ کو ان کے جمع ہونے کی خبر دی۔

جنگ کے بارے میں آپ کا صحابہؓ سے مشورہ کرنا: اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! مجھے مشورہ دو کیا یہ مناسب ہے کہ ہم ان کافروں کے اہل و عیال کا رخ کریں۔ پس اگر یہ لوگ ہمارے مقابلے میں آئے تو اس طرح اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی ایک جدید جماعت کو (میں) کاٹ دیا ہو گا۔ ورنہ ہم انہیں لٹا چکا کہ پڑیں گے

(محدودین، یعنی جن کے مال اور اہل و عیال چھین لئے گئے ہوں) اور امام احمد کی روایت میں ہے کہ: کیا تم رائے دیتے ہو کہ ہم ان لوگوں کے اہل و عیال کا رُخ کریں جو ان قریش کی مدد کے لئے جمع ہیں۔ پس ان پر حملہ کر دیں۔ پس اگر یہ بیٹھے رہے تو ٹپٹے اہل و عیال سے محروم ہو کر بیٹھیں گے اور اگر وہ نہ آئے تو یہ ایک ایسی جماعت (عق) ہوگی جسے اللہ تعالیٰ نے کاٹ ڈالا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے: کیا تمہاری رائے یہ ہے کہ میں ان لوگوں کے اہل و عیال کا رُخ کر دوں جو ان کی مدد کو آئے ہیں پس ہم ان کو کپڑے پس اگر وہ بیٹھے رہے تو اہل و عیال گنوا بیٹھیں گے۔ اور اگر وہ پنج ننگے تو وہ ایسے لوگ ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ یا تم یہ رائے دیتے ہو کہ ہم بیت اللہ کا رُخ کریں پھر جو آئے آئے اس سے جنگ کریں۔ (اصل کتاب میں) ”وان لم یجئوا“ کا لفظ ہے جس کا ترجمہ کیا گیا مگر، بظاہر ”لہم“ کا لفظ نہیں ہونا چاہیئے اور آگے حافظ کے کلام میں یہی عبارت آ رہی ہے، اس میں ”لہم“ کا لفظ نہیں ہے۔ مترجم) میں کہتا ہوں کہ صحیح بخاری کے الفاظ یہ ہیں: ”پس فرمایا، اسے لوگو! مجھے مشورہ دو، کیا تمہاری رائے یہ ہے کہ میں ان لوگوں کے اہل و عیال کا رُخ کر دوں جو ہیں بیت اللہ سے روکنا چاہتے ہیں۔ پس اگر یہ لوگ ہمارے مقابل میں آئے تو اللہ تعالیٰ مشیرین کی ایک جمیعہ جماعت کو الگ کر دے گا۔ ورنہ ہم انھیں اہل و عیال سے محروم کر دیں گے اور لایع میں ہے کہ: ارشاد نبوی! ہم ان لوگوں کے اہل و عیال کا رُخ کریں“ اس سے مراد وہ کفار ہیں جو قریش کی مدد کے لئے مکر گئے ہوئے تھے اور ان کے اہل و عیال تنہا رہ گئے تھے۔ اور ارشاد نبوی! قطع غامینا“ میں غینا سے جماعت مراد ہے۔ یعنی جب یہ کفار اپنے گھروں کی طرف لوٹ آئیں گے، تو اہل مکہ کے ساتھ ان میں سے کوئی بھی نہیں رہے گا۔ جس سے اُن کی جمیعت ٹوٹ جائے گی۔ اور ممکن ہے (کہ میں سے مراد جاسوس لیا جائے اور) یہ مطلب ہو کہ جب یہ لوگ اپنے اپنے گھر لوٹ آئیں گے تو وہیں مکہ میں جاسوس بھیجے اور وہاں جمع ہونے والے کفار کے حالات معلوم کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی کیوں کہ وہاں قریش کے علاوہ کوئی نہیں رہے گا، اس لئے جاسوس بھیجنے کی ضرورت نہ ہوگی، کیوں کہ وہاں قریش کے سوا کسی کا باقی نہ رہنا معلوم ہو چکا۔

قد قطع اللہ غینا کا مطلب، اور لایع کے حاشیہ میں ہے کہ اس حدیث میں جو غینا کا لفظ آیا ہے، شامین نے اس کے چند معنی ذکر کئے ہیں، جو عنقریب ذکر ہوں گے، ان میں سے بعض قریب ہیں اور بعض بعید۔ اور حضرت شیخ نے غین کے معنی جماعت جو اختیار کئے ہیں اس ناکام کے نزدیک ہی راجح مگر متین ہے۔ کیوں کہ ”غین“ بمعنی جماعت بھی آتا ہے، جیسا کہ مفسر میں ہے اور اس کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ بعض روایات میں غینا کے بجائے غنا کا لفظ آیا ہے، چنانچہ حافظ نفع میں فرماتے ہیں کہ امام احمد کی روایت میں ہے کہ ”وان یجئوا“

”یا تمہاری رائے یہ ہے کہ ہم بیت اللہ کا رُخ کریں پھر جو شخص آئے آئے اس سے لڑیں۔“ ورنہ ان آیتوں میں سے کوئی ایک لوگو! مجھے مشورہ دو،

تکن عنقا قطعہا اذلہ۔ اگر وہ لوگ اپنے گھروں کو لاٹ آئے تو ایک جماعت عنقا ہو گئی جس کو اللہ تعالیٰ نے الگ کر دیا۔ اور مغازی ابن اسحاق کی ایک روایت نہری سے بھی اسی مثل کی ہے، اور اس فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ فرمایا کہ جو لوگ قریش کی مدد کے لئے جمع ہیں ان کے گھروں پر حملہ کر کے ان کے اہل و عیال کو گرفتار کر لیا جائے، پھر اگر یہ لوگ اپنے اہل و عیال کی مدد کو آئے تو ان کو قریش سے توجہ ہٹانا پڑے گی۔ اندرین صورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا مقابلہ قریش سے رہ جائے گا، پس یہ مراد ہے آپ کے اس ارشاد سے کہ ”ایک جماعت (عنقا) ہو گئی جس کو اللہ تعالیٰ نے الگ کر دیا ہے“۔ آہ اور مجمع میں ہے کہ ”حدیث حدیث میں آتا ہے: (ان بخوالیکن عنق قطعہا اذلہ) اور اگر وہ جمع نکلے تو وہ ایک عنق گردن ہو گئی جس کو اللہ تعالیٰ نے کاٹ دیا ہے) یہاں عنق سے مراد لوگوں کی جماعت ہے اور ایک حدیث میں کہ ”دورخ سے ایک گردن نکلے گی“ یہاں گردن سے ایک شخص یا جماعت مراد ہے۔ آہ اور کآئی میں خطاب سے نقل کیا ہے کہ محفوظ روایت یہ ہے ”کان اللہ قد قطع عنقا“ یعنی اللہ تعالیٰ کفار کی ایک جماعت کو علیحدہ کر دیں گے جس سے ان کی تعداد گھٹ جائے گی اور ان کی قوت میں ضعف پیدا ہو جائے گا۔ اور ابن قیمؒ نے بھی الہدیٰ میں لفظ ”عنقا“ ہی اختیار کیا ہے۔ اور میں نے خطاب کا قول نقل کر کے آگے لکھا ہے: ”تخلیل“ کہتے کہ جبار القوم عنقا کے معنی ہیں کہ لوگ جماعت در جماعت آئے اور اعتناق رؤسا کو کہتے ہیں“۔ آہ ابن قیمؒ اس فقرہ کے فوائد میں لکھتے ہیں: ”بمعدان کے ایک یہ کہ بہتر کیں کے اہل و عیال اپنے مردوں سے تنہا ہوں تو انہیں لڑاکا مردوں سے قبل قید کرنا جائز ہے۔“

اس پر حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ تو اس بیت اللہ کا قصد لے کر نکلے تھے۔ اس سفر میں کسی کو قتل کرنا اور لڑنا آپ کا مقصد نہ تھا۔ اس لئے آپ بیت اللہ ہی کا رخ کریں۔ پھر میں جو دے گا دیکھا جائے گا اور اس سے ہم نمٹ لیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر اللہ کا نام لے کر چلو۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔ حضرت شیخ لامعؒ میں تحریر فرماتے ہیں: ”حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس جنگ و قتال کی رائے سے اتفاق نہیں کیا۔ کیوں کہ اس صورت میں عمرو کا ترک کرنا لازم تھا۔ جب کہ یہ حضرات عمرو کے لئے نکلے تھے اور ان کے درمیان شہر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمرہ کے لئے ہے، اب اگر عمرو چھوڑ کر قتال مصروف ہو جاتے تو اس میں، دھوکے کی سی شکل بن جاتی۔“ آہ اور زرقانیؒ میں ہے کہ امام احمدؒ کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اللہ عزہا کرتے تھے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو اپنے رفقاء سے مشورہ کرتے ہوئے نہیں

دیکھا، آپ کا یہ عمل ارشادِ خدادی، ”دشاد و تہم فی الامر“ (اور ان سے معاملات میں مشورہ لیا کیجئے) کے امتثال کی خاطر تھا۔ حافظؒ نے کہا ہے کہ امام بخاریؒ نے جیسے اس کے مسلسل ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا۔ کیوں کہ نہ ہر لمحہ کو حکمران ابھر رہا ہے سارے حاصل نہیں۔

اوٹنی کے بیٹھنے کا قصہ : پس بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چلے یہاں تک کہ جب ثنیۃ المرار پہنچے، یہ وہ گھاٹی ہے جس سے اہل مکہ کی طرف راستہ اُترتا تھا۔ حافظؒ کہتے ہیں: ”المرار ہمیں کے کسوا اور دار کی تحفیف کے ساتھ پہاڑ کا وہ راستہ جو حدیبیہ جا پہنچتا ہے۔ اور داؤدی کا خیال ہے کہ وہ اسٹیل مکہ کی گھاٹی کا نام ہے۔“ میں کہتا ہوں کہ خیس میں ایک جگہ اریامہ کا جو لفظ ہے غالباً یہ کتابت کی غلطی ہے۔ تو آپؐ کی اوٹنی بیٹھ گئی! پس لوگوں نے کہا، ”خل خل“ (دونوں میں جا، کا فخر اور لام کا سکون) اوٹنی جب چلنے سے روک جائے تو اسے چلانے کے لئے یہ لفظ کہا جاتا ہے۔ مگر وہ بدستور نہ پٹنے پر مضر رہی۔ پس لوگوں نے کہا: خللات القصور، خللات القصور“ (قصور رک کر بیٹھ گئی) بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”قصور میں نہیں، نہ اس کی یہ عادت ہے، یعنی تنہا کر بیٹھ جانا اس کی عادت نہیں جیسا کہ تم سمجھتے ہو بلکہ اس کو اُتھیلوں کو روکنے والے نے روک دیا ہے“ یعنی اللہ عزوجل نے اپنی کو چلنے سے روک دیا ہے۔ اور لایع میں اس کی شرح میں لکھا ہے: ”یعنی تعالیٰ کی جانب سے بیت اللہ کی تعظیم پر تہنیتی تھی۔ یہاں تک کہ ناقہ بھی باوجود لایعقل ہونے کے اس کا رخ نہیں کرتی جب تک کہ اُسے یا اہلینان نہ ہو جائے کہ اس کا سوار (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) بیت اللہ کی بحرۃ کا امادہ نہیں لکھتا۔ اور بیت اللہ کی قابل احترام چیزوں میں سے کسی چیز کی حرمت میں خلل ڈالنا چاہتا ہے اور خارجہ لایع میں ہے کہ حافظ فرماتے ہیں: ہاتھوں کا قصہ مشہور ہے اور یہاں اس کے ذکر کی مناسبت یہ ہے کہ اگر صحابہؓ اسی حالت میں مکر کر میں داخل ہوتے اور قریش انہیں روکنے کی کوشش کرتے تو جنگ و قتال کی نوبت آتی جو قتل و غارت اور لوٹ مار پر منتج ہوتی۔ نیز اس موقع پر مکہ میں بہت سے کمزور مسلمان مرد، عورتیں اور بچے بھی موجود تھے۔ اب اگر صحابہؓ مکر پر حملہ آور ہوتے تو انڈیشہ تھا کہ غیر شعوری طور پر ان ضعیفہ مسلمین کا نقصان ہو جاتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تو لا رجال یؤمنون“ الایہ میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور مہلبؓ نے اللہ تعالیٰ پر چالبس فیل کے لفظ کے اطلاق کو مستبعد سمجھتے ہوئے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اُتھی کو اللہ تعالیٰ کے حکم نے روک لیا۔ اور مہلبؓ کا تعقب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اس لفظ کا اطلاق جائز ہے۔ چنانچہ یہ کہنا صحیح ہو گا کہ اس اوٹنی کو اسی اللہ نے روک لیا جس نے ہاتھوں کو روک دیا تھا۔ ہاں: اللہ تعالیٰ کا حاسب فیل۔ (ہاتھوں کو روکنے والا) یا اس قسم کا نام رکھنا صحیح نہیں۔ ابن مینر نے یہی جواب دیا ہے اور یہ جواب اس صحیح مذہب

پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام توقیفی ہیں۔ (یعنی قرآن و حدیث میں اللہ جل شانہ کے جوام آئے ہیں صرف ان ہی کا استعمال صحیح ہے۔ اپنے اجتہاد سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نام رکھنا صحیح نہیں) پوری بحث فتح میں ہے۔ پھر فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ حافظ کہتے: اس موقع میں کلام کو قسم کے ساتھ منکد فرمایا تاکہ مزید قیوت کا فائدہ دے۔ "ابن قیمؒ نے الہدیٰ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی سے زیادہ موقع میں قسم کھانا ثابت ہے۔ یہ لوگ مجھ سے کسی ایسی چیز کا جس سے حرمت الہی کی تعظیم مقصود ہو، سوال نہیں کریں گے مگر میں اسے بالضرور قبول کر لوں گا۔ حرمت الہی کی تعظیم سے مراد حرم میں قتال نہ کرنا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ حرمت سے حرم، شہر حرام اور احرام کی حرمت مراد ہے۔ حافظ کہتے ہیں کہ تیسری چیز یعنی حرمت احرام کا مراد ہونا محل نظر ہے۔ اس لئے کہ اگر دشمنین کو احرام کی حرمت ملحوظ ہوتی تو آپؐ کو بیت اللہ سے کیوں روکتے؟ خطابی کہتے ہیں کہ اس قسم میں حرمت الہی کی تعظیم سے مراد ہے حرم میں قتال نہ کرنا، صلح کی جانب مائل ہونا اور۔ خنزیری سے ہاتھ روکنا۔ اُحد یہ کہہ کر آپؐ نے اذنی کو اٹھایا پس وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی، پس آپؐ نے کفار سے رخ پھیر لیا۔ ابن سعدؒ کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے واپسی کا رخ کیا۔ اور ابن اسحقؒ کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے لوگوں سے کہا کہ اتر جاؤ (یعنی پڑاؤ کر لو)۔ صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اس وادی میں کہیں پانی نہیں چلاں پڑاؤ کریں۔ اور لامعؒ میں ہے: "آپؐ نے اُن سے رخ بدل لیا" کیوں کہ اگر آپؐ مکہ میں داخل ہو کر چائنگ کفری تک پہنچ جاتے تو اس کے نتیجے میں جنگ و قتال یا کسی اور مفسدہ کی نوبت آسکتی تھی۔ اس لئے کہ حج غیر جب شہر میں داخل ہوتا تو مقابلہ اور دھڑاؤ لازمی تھا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے راستے سے رخ بدل لیا۔ اور ان سے پہلو ہتی کر کے پڑاؤ کیا تو انہیں معلوم ہو گیا کہ آپؐ ان سے الجھنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ ورنہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ طواف کا نہ ہوتا تو ان کی غفلت کی حالت میں آپؐ ان پر لشکر چڑھا لاتے۔ اور لامعؒ کے حاشیہ میں صنیؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ داؤدی کہتے ہیں: "جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ناقہ قصوائیٹ گئی ہے تو آپؐ نے جان لیا کہ ارادہ خداوندی انہیں لڑائی سے باز رکھنا چاہتا ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس امر کا فیصلہ فرمائے جو ہو کر رہنے والا تھا" اھ

پانی میں برکت کا معجزہ: یہاں تک کہ آپؐ مدینہ کے آخری کنارے پر ایسی جگہ اترے جہاں پانی بہت کم تھا۔ محمدؐ، ثناء اور یم مہلہ کے ساتھ فخر اور وال مہلہ کے ساتھ۔ کم پانی والی جگہ صاحب مواہب نے دیگر حضرات کی طرح اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ: "وہ گڑھا جس میں بہت کم پانی ہو" کہا جاتا ہے کہ "ما وحمود" یعنی کم پانی۔ اس سے معلوم

ہوا کہ بخاری شریف کی روایت میں ثمد کے بعد قلیل الماء کے لفظ کا اضافہ تاکید کے لئے ہے، کیوں کہ بعض لوگوں کی زبان میں ثمد کا لفظ زیادہ پانی کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ اس لئے اس تاکید سے اس لغت کے مراد ہونے کے وہم کو رفع کرنا مقصود ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ثمد اس پانی کو کہتے ہیں جو موسم سرما میں رہتا ہو اور موسم گرما میں خشک ہو جائے۔ مگر اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ توجہ جب صحیح ہے جب کہ از روئے لغت ثابت ہو جائے کہ لفظ ثمد کثیر پانی پر بھی بولا جاتا ہے۔ پوری بحث زرقانی میں ہے:

_____ کہ لوگ اس کو چلوؤں سے تھوڑا تھوڑا اٹھاتے تھے (اصل عبارت یہ ہے
یتبرضہ: پہلے یا پھر تھوڑا تھوڑا مشد پھر ضا و مھر اناس ترضان) قطلانی کہتے ہیں تبرضا باب تغسل سے مفعول مطلق ہے
جرباں اظہار تکلف کے لئے استعمال ہوا ہے یعنی لوگ اسے تھوڑا تھوڑا لیتے ہیں۔ حافظ کہتے ہیں: برض فتح اور کن
کے ساتھ معون عطیہ کو کہا جاتا ہے۔ صاحب مین کہتے ہیں کہ ترض کے معنی ہیں چلوؤں سے پانی جمع کرنا۔ عروہ کا بیان
ہے کہ ترض پانی پر پہلے پہنچ کر قبضہ جاپچکے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شدید گرمی کے موسم میں حدیث تشریف لائے
تھے اور وہاں ایک بی کنڑاں تھا۔ پس وہ پانی جلدی ختم ہو گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیاس کی
شکایت کی گئی۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک رکوہ (برتن) میں رکھا تو انگشتان مبارک کے درمیان
سے پانی چشموں کی طرح پھٹنے لگا میں کہتا ہوں کہ یہ قند کنوئیں میں تیر ڈالنے کے قصہ سے پہلے پیش آیا تھا۔ اور یہ قصہ امام بخاری
نے معاذ بنی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: حدیث کے دن لوگوں کو پیاس نے ستایا
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانی کا ڈٹا تھا۔ آپ نے اس سے وضو فرمایا۔ پھر لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوئے
دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے پاس نہ وضو کے لئے پانی ہے نہ پینے کے
_____ بس یہی پانی ہے جو آپ کے برتن میں ہے۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس
برتن میں رکھا تو پانی انگشتان مبارک کے درمیان سے چشموں کی طرح ابلنے لگا۔ پس ہم نے پیا اور وضو کیا۔ حضرت جابر سے
دریافت کیا گیا کہ اس دن آپ کی تعداد کتنی تھی؟ فرمایا: اگر اس دن ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو پانی کافی ہو جاتا، مگر ہم
صرف پندرہ تھے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کے بعد کنوئیں کا وہ قصہ پیش آیا جو زرقانی اور صاحب مین نے ذکر کیا ہے۔
_____ کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیاس کی شکایت کی تو آپ نے اپنی ترکش سے ایک تیر نکالا، پھر انہیں حکم
فرمایا کہ اس کو پانی کے کنوئیں میں رکھ دیں۔ حافظ مقدم میں کہتے ہیں کہ ابن سعد نے چودہ انصاری صحابہ سے روایت
کیا ہے کہ جو صاحب کنوئیں میں اترے تھے ان نام ناجین الاجم تھا، بعض نے ناجین بن جبہ کا جوہی سے کنوئیں

پر مامور تھے۔ اور بعض نے برابر بن عازب کا اور بعض نے عبادہ بن خالد کا نام ذکر کیا ہے اور الاستیعاب میں خالد بن عبادہ مذکور ہے۔ اور فتح میں فرماتے ہیں: تطبیق یوں ممکن ہے کہ کنواں کھودنے وغیرہ میں ان سب حضرات نے حصہ لیا، حافظ کہتے ہیں کہ ”مغازی میں قصہ حدیبیہ کے سلسلہ میں حضرت برابر بن عازب کی حدیث آئے گی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کنوئیں پر بیٹھے پھر ایک برتن طلب فرمایا۔ اس میں گلی کی پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ پھر اسے کنوئیں میں ڈال دیا، پھر فرمایا کچھ دیر انتظار کرو، بعد ازاں صحابہؓ نے اس سے پانی لگالا اور خوب سیراب ہوئے اور تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ یہ دونوں قصے پیش آئے ہوں اور واقعہ کی روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈول میں وضو کیا پھر اسے کنوئیں میں اٹھ دیا اور ایک تیر نکال کر کنوئیں میں رکھ دیا۔ اور ابوالاسود نے عہدہ سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈول میں گلی کی پھر اسے کنوئیں میں ڈال دیا اور اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر اس میں ڈالا، اور دعا فرمائی: اے کنواں جو ش مارنے لگا پس یہ قصہ اس قصہ سے علاوہ ہے جو مغازی میں آئے گا، کہ لوگ پیاسے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک برتن رکھا تھا، آپ نے پینا دست مبارک اس میں رکھا تو پانی انگشتان مبارک کے درمیان سے چپقل کی طرح اُبلنے لگا، الحدیث: اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتان مبارک کے درمیان سے پانی پھوٹ نکلنے کا واقعہ اس کے علاوہ بھی کئی موقعوں پر پیش آیا اور غزوہ حدیبیہ کے آغاز میں آئے گا کہ حدیبیہ میں بارش بھی ہوئی تھی، بالحديث: اور بارش ہونے کا مذکورہ واقعہ، مذکورہ بالا دونوں قصوں کے بعد ہوا تھا، فتح الباری کی عبارت ختم ہوئی۔

پس بخدا وہ اُن کے لئے برابر جو ش ماز تارہ میاں تک کہ وہ اس سے واپس ہوئے یعنی سیراب ہو کر لوٹے اور ابن سعدؒ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ”میاں تک کہ انہوں نے کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھ کر برتن بھرے“ فتح میں اسی طرح ہے نیز حافظ مغازی میں حضرت جابرؓ کی حدیث جس میں برتن میں ہاتھ رکھنے کا قصہ آتا ہے، کے ذیل میں فرماتے ہیں ”یہ حدیث حضرت جابرؓ کی حدیث کے مخالف ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو پانی کنوئیں میں ڈال دیا۔“ افداب جان نے ان دونوں کے درمیان یہ تطبیق دی ہے کہ یہ واقعہ درمیان میں آیا اور کتاب الاثر میں یہ تفصیل آئے گی کہ حضرت جابرؓ کی حدیث کے پانی پھوٹ نکلنے کا واقعہ اس وقت پیش آیا جب کہ نماز عصر کے وقت وضو کی ضرورت ہوئی اور حدیث جابرؓ کا قصہ عام ضروریات کے لئے پیش آیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ جب آپؐ کی انگشتان مبارک کے درمیان سے برتن میں پانی پھوٹ نکلا اور تمام حضرات صحابہؓ وضو اور پینے سے فارغ ہو گئے تو آپؐ نے برتن کے باقی ماندہ پانی کو کنوئیں میں ڈال دینے کا حکم فرمایا جس سے اس کا پانی بڑھ گیا۔“

اور امام احمدؒ نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص چڑے کا ایک برتن لایا جس میں معمولی پانی تھا اور پانی جماعت میں اس کے علاوہ پانی نہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پانی ایک پیالے میں اُڈیل دیا پھر آپؐ نے اس سے

خوب اچھوٹن وضو کیا پھر آپ اس پیالے کو یونہی چھڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور لوگ اس پیالے پر ٹوٹ پڑے۔ آپ نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا: ذرا ٹھہر جاؤ، پھر اپنا دست مبارک پیالے میں ڈال کر فرمایا: ہاں، خوب وضو کرو، حضرت جابر فرماتے ہیں، نبیؐ میں نے دیکھا کہ پانی کے چشتے آپ کی انگشتان مبارک کے درمیان سے اُبل رہے تھے۔ حافظ کہتے ہیں کہ آپ کی انگشتان مبارک سے پانی نکلنے کا واقعہ سفراد حضرت میں کئی بار پیش آیا۔ ”اے مختصر“

حدیث میں بارش کا قصہ : میں کہتا ہوں کہ حافظ کے کلام میں ابھی گنڈا ہے کہ ابن دونی قصوں کے درمیان بارش کا ٹھنڈا

واقعہ پیش آیا اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا بارشاد نقل فرمایا، کہ صبح ہوئی تو میرے بعض بندے مجھ پر ایمان لائے اور بعض نے کفر کیا، الحدیث : یہ قصہ امام بخاریؒ نے غزوہ حدیبیہ میں حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ”ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ والے سال نکلے، ایک رات ہم پر بارش ہوئی، میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: جانتے ہو تو تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ ہم نے عرض کیا: اللہ سوا علم اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صبح ہوئی تو کچھ لوگ مجھ پر ایمان لانے والے تھے اور کچھ کفر کرنے والے، پس جس نے یہ کہا ہمیں اللہ کی رحمت، اللہ تعالیٰ کی رزق رسانی اور اللہ کے فضل و کرم سے بارش نصیب ہوئی وہ مجھ پر ایمان لائے اور ستاروں سے کفر کیا، اور جس نے کہا کہ ہمیں فلاں ستارے کی بدولت بارش ملی وہ ستاروں پر ایمان لائے اور مجھ سے کفر کیا۔“ اور جن میں اس حدیث کی شرح اور اس کے مختلف الفاظ پر تفصیل سے کلام کیا ہے۔

آیت فذیر کا نزول : نیز حدیبیہ میں کعب بن عجرہ کا تفسیر پیش آیا اور فذیر افویٰ کی آیت نازل ہوئی۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آکر کھڑے ہوئے ذراں حالیکہ میرے سر سے جوئیں گری تھیں، پس فرمایا اگر کیا ترے سر کی جوئیں تجھے ایذا دیتی ہیں؟ عرض کیا، جی ہاں، فرمایا: تو پھر مٹا کر ڈالو۔ حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی ”فن کان منکم ریشا او برافسی من ریشہ“ اللہ!، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین دن روزے رکھو، اور ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعبؓ کو حدیبیہ میں سر نہانے کا حکم فرمایا اور صحابہؓ کو یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ انہیں یہیں احرام کھولنا ہوگا، وہ تو یہ امید لے بیٹھے کہ کہ میں داخل ہوں گے، الحدیث : اور جن میں اس قصہ کی روایت کے مختلف الفاظ تفصیل سے نقل کئے ہیں۔ منجملہ ان کے طبری کی روایت کے الفاظ یہ ہیں، ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے (یعنی کعب بن عجرہ سے) بیٹے اور وہ بجات احرام شجرہ کے پاس تھے۔“ اور ایک روایت میں ہے ”میں اپنی ہنڈیا کے نیچے آگ جلا رہا تھا اور جوئیں میرے چہرے پر چڑھ رہی تھیں۔“ اور ایک اور روایت میں ہے کہ ”ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ حدیث میں تھے، ہم نے احرام باندھ رکھا تھا اور مستحکم نے ہمیں روک رکھا تھا۔ ان کے علاوہ اور الفاظ بھی ہیں۔ اس قصہ میں بہت سی فقہی بحثیں ہیں جو اوجڑیں۔ تفصیل سے دیکھی گئی ہیں، مثلاً ذیہ آدمی کے روزوں کی تعداد کتنی ہو۔ روزہ کے محل کی بحث، مسکین کو کتنی مقدار میں کھانا کھلایا جائے یا فلا دیا جائے؟ کھانا کھلانے کا محل؟ مناسک شج سے متعلقہ مباحث کہ ان کی جگہ کون کون سی چیزیں کفایت کر سکتی ہیں؟ اور یہ بحث کہ جب تک موجب فدیہ کوئی چیز نہ پائی جائے کوئی شخص فدیہ ادا نہیں کر سکتا، ان کے علاوہ بھی مباحث ہیں جو اوجڑ اور لامع کے حاشیہ میں ذکر کر چکا ہوں۔

بدنیل کی آمد : دریں آثار کہ وہ اسی طرح حدیث میں معصوم تھے کہ بدنیل (بامرحومہ اور صفیہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ) حافظ نے کہا ہے کہ یہ مشہور صحابی ہیں۔ ابن درقاہ (فتح دار اور سکون دار، ثقافت اور مدد کے ساتھ) ابن عمر بن ربیعہ خزاعی (بضم خاء اور ناء کے ساتھ) بنو خزاعہ کی طرف نسبت ہے آئے۔ یہ اپنی قوم کے سردار تھے، ابو عمرو کہتے ہیں کہ یہ فتح مکہ کے دن مراغب بن ابی اسحاق نے کہا کہ بدنیل غزوہ خین، غزوہ طائف اور غزوہ تبوک میں شریک ہوئے اور یہ فتح مکہ میں اسلام لانے والے اکابر میں سے تھے بعض نے کہا ہے کہ یہ فتح مکہ سے قبل اسلام لائے، ابن مندہ اور ابو نعیم نے کہا ہے کہ یہ زمانہ قدیم سے اسلام لاپکے تھے۔ زرقانی میں اسی طرح ہے۔ بدنیل کے ساتھ ان کی قوم بنو خزاعہ کے چند افراد تھے۔ ان میں عمرو بن سالم، خراش بن امیہ، خاجہ بن کنانہ اور یزید بن امیہ کا نام قابل ذکر ہے، اور یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد تھے (اصل عبارت یہ ہے "وکان علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی بغیر میں، سکون یا اور اس کے بعد بار۔ اس چیز کو کہا جاتا ہے جس میں حفاظت کے لئے کپڑے لکھے جائیں یعنی یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پکے بنو خزاعہ اور آپ کے رازدار تھے اور امین تھے، گویا سید کو جو راز کی امانت گاہ ہوتا ہے، اس صندوق کے لئے تشبیہ دی گئی ہے جس میں کپڑے بحفاظت رکھے جاتے ہیں۔ اور ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ بنو خزاعہ کے تمام لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رازدار تھے، سلطان بھی اور غیر مسلم بھی۔ مکہ میں جو کچھ ہوتا تھا اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی نہیں رکھتے اور اللہ کی روایت میں سمجھ کر بدنیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ رزائی کے لئے آئے ہیں مگر آپ کے پاس اسلحہ تو ہے نہیں؟ آپ نے فرمایا، ہم جنگ و قتال کے لئے نہیں آئے۔ زرقانی نے حافظ کی پیروی میں کہا ہے کہ بنو خزاعہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستی کی بنیاد یہ ہے کہ بنو ناسم نے جاہلیت میں بنو خزاعہ سے معاہدہ کیا تھا اس لئے زمانہ اسلام میں بھی وہ اس پر قائم رہے۔ پس بدنیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں کعب بن لوی اور عامر بن لوی کو ان دونوں کے ذکر پر اکتفا کیا کیوں کہ تمام قریش مکہ کا نسب ان ہی دونوں کی طرف راجع ہے، اس حالت میں چھوڑ کر کیا ہوں کہ حدیث کے بڑے بڑے چشموں پر فزوش ہیں۔ زرقانی کہتے ہیں "اعداد (بفتح ہمزہ و سکون مین) عدد (بکسر مین و تشدید) کی جمع ہے اور مدۃ ایسے پانی کو کہتے ہیں جو ختم ہو، اس لئے اعداد کی اضافت میا و حدیث میں کی طرف عام کی اضافت ہے خاص کی طرف۔"

اور قاموس میں ہے کہ حد کا لفظ کسی چیز کی کثرت پر بھی بولا جاتا ہے اور اگر یہ معنی مراد ہوں تو صفت کی اضافت موقوف کی طرف ہوگی، یعنی حدیث کے بڑے بڑے حصے۔ حافظ کہتے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں بہت سے پانی تھے اور یہ کہ قریش کے پیچھے سے پانی پر قابض ہو چکے تھے، اس لئے مسلمان جب معمولی پانی کے کنوئیں پر اتارے تو ان کو پیاس نے ستایا اور عروہ کا قول پہلے گزر چکا ہے کہ قریش پہلے اگر پانی پر قابض ہو چکے تھے، اور ان کے ساتھ اہل خیال اور دودھ والے جانور بھی ہیں "العوذ الطافیل" اس کی شرح پہلے گزر چکی ہے اور وہ آپ سے لڑیں گے اور آپ کو بیت اللہ سے روکیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدیل کو جواب دیا اور فرمایا ہم کسی سے جنگ کرنے کے لئے نہیں آئے، بلکہ عروہ کو مارنا دانا کرنے کے لئے آئے ہیں اور قریش کو جنگ کے کوہنایہ ضعیف و نزار کر رکھا ہے یعنی جو لڑائیاں آپ کے اور قریش کے درمیان بدر، احد اور جند بکوع وغیرہ میں ہو چکی ہیں ان سے ان کی قوت ٹوٹ چکی ہے اور ان کے احوال تباہ و برباد ہو چکے ہیں (لاح) پس اگر ان کی خواہش جو قومیں ان سے ایک مدت کے لئے جنگ بندی کا معاہدہ کر لوں۔ یعنی اپنے اودان کے درمیان ایک مدت مقرر کر دوں جس میں ہمارے اور ان کے درمیان جنگ موقوف رہے اور وہ مجھے اور دوسرے لوگوں یعنی کفار عرب وغیرہ کو منٹ لینے دیں، پس اگر میں ان پر غالب آگیا، پھر اگر یہ بھی میری اس اطاعت میں داخل ہونا چاہیں جس میں دوسرے لوگ داخل ہوئے تو ایسا کر لیں۔ عینی کہتے ہیں کہ دوسری شرط کا پہلی شرط پر عطف ہے اور "تو ایسا کر لیں" دونوں شرطوں کا جواب ہے۔ وہ اگر میں غالب نہ آیا تو ان کو راحت مل گئی کہ جنگ و قتال کی طرف نہ رہے گی۔ عینی کہتے ہیں: اگر کہا جائے کہ اس تردید کے کیا معنی ہیں (یعنی اگر میں غالب ہوا تو یہ۔ اور اگر میں مغلوب ہوا تو یہ) جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قطعی یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ نصرت فرمائیں گے اور آپ کو ان پر غالب کر کے دیں گے۔ جواب یہ ہے کہ یہ بات مخاطب کے ذہن کی رعایت کرتے ہوئے علی سبیل التزلزل اور بطور فرض فرمائی۔ اور حافظ کہتے ہیں کہ اسی بحث کی خاطر دوسری شق کو حذف کر دیا یعنی آپ پر دشمن کے غالب آنے کی تصریح نہیں فرمائی۔ لیکن ابن اسحاق کی روایت میں یہ تصریح آئی ہے اور اس کے لفظ یہ ہیں "پس اگر لوگوں نے مجھے حد سے پہنچایا تو قریش کی مراد بر آئے گی"۔ پس ظاہر ہے کہ کسی راوی نے رعایت ادب کی خاطر اس کو حذف کر دیا۔ اور اگر ان کو صل سے الگ ہے تو اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں اپنے دین کی خاطر ان سے لڑتا ہوں گا کیجیل تک کہ میری گردن جدا ہو جائے۔ یہ کنایہ ہے قتل سے، کیوں کہ مقتول کی گردن جدا ہو جاتی ہے۔ اور داؤدی کہتے ہیں کہ اس سے مراد موت ہے۔ یعنی یہاں تک کہ میری موت واقع ہو جائے اور میں اپنی قبر میں تمہارے جانوں اور ممکن ہے یہ مراد ہو کہ آپ لڑتے ہیں گے خواہ ان کے مقابل میں تمہارے جانیں اور بھلا! اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد کے واسطے

بے شک۔ اور ابو ذر کی روایت میں اس کے برعکس یہ ہے کہ کیا تم بیٹے نہیں ہو؟ کیا میں باپ نہیں ہوں؟ شیخ فتنہ
 اس کے قول "کیا تم بیٹے نہیں ہو؟" پر فرماتے ہیں کہ "ابن ہشام کی روایت میں اس کے برعکس ہے اور دونوں کے لئے
 وجہ صحت موجود ہے، پس اگر روایت ایک بیٹا ہونے کی ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی والدہ سُبَیْحہ، عبد شمس
 کی بیٹی تھی۔ (لہذا وہ قریش کے لئے ہے) اور اگر والد ہونے کی روایت صحیح ہو تو یہ باعتبار عمر میں بڑا ہونے کے
 کہا، اور اس سے غرض اپنی ذات سے تہمت کا دفع کرنا ہے تاکہ وہ جو خبر بھی لائے اسے غلط بیانی پر محمول نہ کیا
 جائے۔ اور لامع کے حاشیہ میں فتح سے نقل کیا ہے کہ صحیح روایت یہی کہ "کیا تم باپ اور میں بیٹا نہیں ہوں؟" اس
 نے کہا کہ کیا تم مجھے متہم سمجھتے ہو یعنی کیا تم کو محمد پر تہمت شہ ہے وہ بولے نہیں آپ پر کوئی شبہ نہیں اور ابن اسحق کی
 روایت میں ہے کہ وہ بولے "تم صحیح کہتے ہو تم ہمارے نزدیک متہم نہیں۔" اس نے کہا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ میں نے
 اہل عکاظ (یعنی مہملہ کا ضمہ، کان بغیر تشدید کے، آخر میں ظائے مجرہ، منصوف ہے) کو اٹھانا چاہا یعنی اُن کو تہاری مدد کی
 دعوت دی، پھر جب انہوں نے میری بات نہیں مانی تو میں اپنے اہل داؤد اور اپنے اہل طاعت لوگوں کو لے کر تہارے
 پاس آگیا، انہوں نے کہا: بالکل صحیح۔ اس نے کہا ان صاحب لے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تہا سے ساتھ
 بھلائی کی بات یعنی خیر و صلاح اور انصاف کی بات کی پیش کش کی ہے اس کو قبول کر لو۔ ابن اسحاق نے بیان کیا ہے
 کہ عروہ نے اصل مدعا سے پہلے جو باتیں کہیں ان کا سبب یہ تھا کہ جو شخص مسلمانوں کے پاس سے ہو کر آتا قریش کا
 روتہ اس کے حق میں بڑا شدید ہو جاتا تھا اور ابن اسحق کی روایت میں عروہ سے پہلے کمرز اور اس کے بعد طلحہ کے
 جانے کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ "صحیح" کی روایت زیادہ صحیح ہے اور مجھے اجازت دو کہ میں اس کے پاس دو
 قریش نے کہا تم جاسکتے ہو۔

عروہ کی آمد : چنانچہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی
 قسم کی باتیں کرنے لگا جو بدیل نے کی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی قسم کا جواب دیا جو بدیل کو دیا تھا
 اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان سے لڑوں گا۔ اس وقت عروہ نے کہا: اے محمد صلی اللہ
 علیہ وسلم دیکھئے اگر آپ نے اپنی قوم کا قصہ پاک کر دیا۔ یعنی آپ نے ان کا بالکل ہی صفایا کر دیا تو کیا آپ نے اس
 سے قبل کسی عرب کو سنا ہے کہ اس نے اپنی ہی قوم کو تباہ کر دیا ہو اور اگر دوسری صورت ہوئی اس کا جواب ادب کی
 بنا پر حذف کر دیا، مطلب یہ کہ اگر قریش کو غلبہ ہوا تو آپ کی حالت خطرے سے خالی نہیں اور اس کا آئندہ قول: دیکھو
 کہ میں الخ: اس کی دلیل ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس نے اپنے خیال میں دونوں صورتوں کو غیر متعین قرار دیا کہ اگر آپ

غالب آئے تو آپ کی قوم تباہ ہو کر رہ جائے گی اور اگر آپ مغلوب ہوئے تو آپ کے صحابہ منتشر ہو جائیں گے۔
 گریہ دونوں صورتیں شرعاً مستحسن ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ہَلْ تَرَوْنَ بَنَاءَ الْاَعْدٰی الْمُحْسِنِیْنَ" یعنی تم انتظار
 نہیں کرتے ہمارے حق میں مگر دو خوبیوں میں سے ایک کا۔ کیوں کہ بخدا میں چند چہرے دیکھ رہا ہوں۔ شیخ الشافعی حضرت
 گنگوہی لایم میں فرماتے ہیں: "اس کا قفل" میں چند چہرے دیکھ رہا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے آپ کے
 ساتھ چند صورتیں ایسی بھی نظر آ رہی ہیں جن سے بھاگ جانا کچھ بھی مستحب نہیں۔ اور اس کے حاشیہ میں ہے کہ اس
 لفظ میں بنجاری کے نسخے مختلف ہیں، اور شرح میں اس کے مفہوم و مصلق میں اختلاف ہے، چنانچہ ہندوستانی
 نسخوں میں اثبات کے ساتھ ہے اور فتح الباری کے نسخہ میں ہے لا امالی یعنی میں نہیں دیکھتا اور اسی طرح قطلانی اور
 سندھی کے نسخہ میں بھی نفی کے ساتھ ہے اور عینی کی موافقت میں قطلانی نے لفظ وجوہا کی شرح "ایمان
 و اشرف" کے ساتھ کی ہے، مگر حافظ نے اور اسی طرح کرمانی نے اس کی تشریح سے تعرض نہیں کیا، پس در صورت
 اثبات، ایمان و اشرف سے مراد قریش ہوں گے اور مطلب یہ ہو گا کہ قریش کے ساتھ تو اشرف اور سربراہ اور
 لوگ ہیں اور آپ کے ساتھ ہر قسم کے ملے جلے لوگ، شیخ الاسلام نے اپنی شرح میں اس فقرہ کے یہی معنی لئے ہیں اور
 در صورت نفی اس سے مراد مسلمان ہوں گے، یعنی آپ کے ساتھ ایمان و اشرف نظر نہیں آرہے بلکہ ادھر ادھر کے
 آدمی ہیں اور شیخ قدس سرہ نے جو مطلب بیان فرمایا ہے وہ ہندوستانی نسخہ پر مبنی ہے جو اثبات کے ساتھ ہے یعنی
 آپ کے ساتھ بے پیمانے چہرے نظر آتے ہیں جو موقع پر راہ فرار اختیار کریں گے اور صاحب فیض نے بھی یہی معنی
 لئے ہیں۔ چنانچہ موصوف نے وجوہا (چہروں) کی تفسیر "مختلف قبائل" کے ساتھ کی ہے اور شیخ کے بیان کردہ
 معنی اسباق کے زیادہ قریب ہیں، کیوں کہ یہ تمام فقرہ اس کے قول "اور اگر دوسری صورت ہوئی" کے تحت ذکر
 کیا گیا ہے، اور حافظ کے کلام سے بھی یہی معنی نکلتے ہیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ "اس کے قول" اور اگر دوسری
 صورت ہوئی، کا جواب ذکر نہیں کیا گیا، مطلب یہ ہے کہ اگر قریش کو غلبہ ہوا تو آپ کی حالت خطرے سے خالی
 نہیں اور اس کا قفل، اور بخدا! مجھے آپ کے ساتھ چند چہرے نظر آرہے ہیں۔ یہ گویا اس جواب مخدو
 کی دلیل ہے۔ پھر ہی بحث حاشیہ لایم میں دیکھ لی جائے۔ اور زرقانی شرح مواہب میں کہتے ہیں کہ بنجاری
 میں اس طرح وجوہا کا لفظ اثبات کے ساتھ ہے اور مصنف یعنی قطلانی نے اس کی شرح "ایمان
 و اشرف" کے ساتھ کی ہے، لہذا اس سے مراد قریش ہوں گے اور مطلب یہ ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کے اعداء تو ایمان و اشرف ہیں اور آپ کے صحابہ غریبے جلے (مختلف قبائل کے گھٹیا بڑھیا قسم کے بھی) لوگ

ہیں اور مواہب کے بعض نسخوں میں اس کہ بجائے لا ارنی کا تصحیف شدہ لفظ ہے۔ یعنی میں نہیں دیکھتا، اور شارح نے اس نسخہ کو نقل کرنے پر کفایت کر کے اس کی شرح میں تکلف کیا ہے کہ یہ صحابہ کے میدان جنگ ثابت قدم نہ رہنے کی گویا دلیل ہے۔ یعنی ان سے مدد کی توقع نہیں، نہ یہ ثابت قدمی کا مظاہرہ کریں گے کیوں کہ یہ بڑے بڑے لوگ ہیں، کسی ایک قبیلہ کے افراد نہیں کہ ایک دوسرے کی مدد کے لئے میدان میں ڈٹ جائے گا جذبہ ان میں پایا جائے۔ مگر چونکہ روایت اس لفظ کے ساتھ وارد نہیں، نہ شارحین نے اس پر کلام کیا ہے اور نہ بطور نسخہ ہی کے اس کا ذکر کیا ہے، لہذا اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور

زرقانی کا یہ کہنا کہ لفظ "لا" کا کوئی نسخہ نہیں بہت ہی عجیب ہے، کیوں کہ فتح الباری، قسطلانی اور سندھی کا یہی نسخہ ہے اور ان کا یہ کہنا کہ شارح نے تکلف کیا ہے یہ بھی عجیب ہے کیوں کہ یہی مطلب حافظ کے کلام میں پہلے گز چکا ہے۔ اور بے شک میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے ساتھ غلط قسم کے لوگ (اشواہا) ہیں یہاں بخاری کے تمام ہندی و مصری نیز شروح کے نسخے اثبات کے ساتھ ہیں، اور حاشیہ لامع میں ہے کہ اس لفظ اشواہا میں شارحین کا اختلاف ہے، حافظ کہتے ہیں کہ شیخ واؤ سے پہلے ہے، اور اکثر نسخوں میں یہی ہے، اور صاحب مشارق نے صرف اسی کو ذکر کیا ہے اور ابو ذر نے کشمینی سے "اشواہا" کا لفظ نقل کیا ہے۔ یعنی شیخ سے پہلے واؤ۔ اور حلی کہتے ہیں کہ خطابی نے کہا ہے کہ اشواہا سے مراد بڑے بڑے محلے لوگ ہیں اور شرب کے معنی ملانا ہے اور ایک روایت میں تقدیم واؤ کے ساتھ "اشواب" کا لفظ ہے اور یہ بھی اسی کی مثل ہے اور جب مختلف قبائل کے متفرق لوگ جمع ہوں تو ان کو اشواب اور اشابات کہا جاتا ہے۔ اور ابو ذر کی روایت میں ابوباش کا لفظ ہے اس سے مراد گھٹیا قسم کے مخلوط لوگ۔ اور حافظ کہتے ہیں کہ وہ اشواہا سے اخذ ہے۔ حاشیہ لامع کی عبارت ختم ہوئی۔ اور آپ سے یہ بات مخفی نہیں رہی ہوگی کہ ابو ذر کی روایت کے نقل کرنے میں حافظ اور حلی میں اختلاف ہوا ہے اور قسطلانی نے ابو ذر کی روایت نقل کرنے میں حافظ کی پیروی کی ہے، اس کے بعد کہا ہے کہ ایک روایت میں ہے "ابوباش کا لفظ ہے جو لائن میں ہے کہ آپ کو متناہجہ طور پر بھاگ کھڑے ہوں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ "بھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ قریش سے اگر آپ کا مقابلہ ہوا تو یہ لوگ آپ کو بے مدد چھوڑ دیں گے اور آپ کو کپڑے کا قید کر لیا جائے گا، اس سے زیادہ گرانی کی بات آپ کے لئے اور کیا ہو سکتی ہے؟ عروہ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ ان کے ہاں یہ بات معروف تھی کہ جو لشکر مختلف قبائل سے ترتیب دیئے جائیں ان کے بھاگ جانے کا اندیشہ رہتا ہے

اس کے برعکس جو شکر ایک ہی قبیلہ کا ہو وہ عادیہ بھاگنے سے مار کرتے ہیں اور عروہ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ عروہ اسلام و موت قرابت سے عظیم تر ہے اور یہ بات اس وقت اس کے سامنے کھل کر آگئی جب مسلمانوں کو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں مباغۃ کرتے دیکھا جیسا کہ خود اس کا اپنا بیان آگے آتا ہے۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اور ابن اسحاق کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے تھے، عروہ کی یہ بات سنی ترغیبت سے فرمائی: لَآتِکِی شَرْمَ گاہ کو چوس نظر: بیخ بار اور سکون ظاہر عجم، اس قطعہ کو کہتے ہیں جو عتد کے بعد عودت کی شرمگاہ میں باقی رہ جاتا ہے، اور لآت ان کے ایک بُت کا نام ہے جس کی پرستش قریش اور بنو نضیف کرتے تھے، اہل عرب جب کسی کو ماں کی گالی دیتے تو کہا کرتے تھے: ”تلاں شخص اپنی ماں کی شرم گاہ کو چوسے۔“ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ماں کی جگہ ان کے معبود کا ذکر کر کے اس گالی کو اور زیادہ سخت بنادیا اور یہ گالی اس پر بھی کا اظہار تھی جو مسلمانوں کی طرف فرار کر منسوب کرنے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس قسم کے گھناؤنے الفاظ کا استعمال جائز ہے جب کہ کسی ایسے شخص کو جو ایسے الفاظ کا مستحق ہے ڈانٹنا مقصود ہو۔

پہلی بحث حاشیہ لامع میں ہے اور حافظ ابن قیمؒ کہتے ہیں: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عروہ سے اس درشت گوئی میں اس بات کی دلیل ہے کہ کسی مناسب موقع پر مصلحت کی خاطر اعضائے مستورہ کا نام صراحتاً ذکر کرنے کی اجازت ہے، چنانچہ جو شخص دعوائے جاہلیت کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو بغیر کسی اشارے کناٹے کے صاف صاف کہو کہ اپنے باپ کی پیشاب گاہ کو منہ سے کاٹ: پس ثابت ہوا کہ ہر بات موقع کے مناسب ہونی چاہیئے۔ کیا ہم آپؐ سے بھاگ جائیں گے اور آپؐ کو تنہا چھوڑ دیں گے؟ استفہام انکاری ہے جس سے مقصود عروہ کو اس امر پر توبیخ کرنا ہے کہ اس نے مسلمانوں کی طرف فرار کو کیوں منسوب کیا۔ عروہ نے کہا کہ یہ کون ہے؟ جس نے اتنی سخت گالی دے ڈالی۔ اس کو بتایا گیا کہ یہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں اور ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ اسے عزم: یہ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: یہ ابوقحافہ کا بیٹا ہے۔ عروہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، اس لئے

یہ دریافت کرنا اس بات کے منافی نہیں کہ وہ ان کو پہچانتا ہو اور ان کا اس کے ذمہ احسان بھی ہو۔ زرقانی میں اسی طرح ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے یہ سوال تجاہلِ عارفانہ کے انداز میں کیا ہو کہ گالی کی وجہ سے اسے حضرت البرکثرؓ پر بہت غصہ آ رہا تھا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت البرکثر رضی اللہ عنہ زہ اور خود پہن کر بے پہچان ہو گئے ہوں، جیسا کہ آئمہ مغیرہ کے قصے میں آتا ہے، اور اس پر یہ اشکال نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو اسلام لائے کر نہیں چلے تھے۔ کیوں کہ زندہ اور خدا اسلم میں شمار نہیں ہوتی، اس نے کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قسم کھانہ عربوں کی عادت تھی۔ اگر تیرا ایک احسان، جس کا میں بدلہ ادائیں کر سکا، مجھ پر نہ ہوتا تو میں تجھے اس کا جواب دیتا۔ ابن اسحاق کی روایت میں یہ اضافہ ہے: لیکن یہ اس کے بدلہ میں ہے یعنی اس گالی کا جواب نہ دے کر اس نے اس احسان کا بدلہ ادا کر دیا، جو اس کے ذمہ تھا اور ایک روایت میں ہے کہ یہ مذکورہ بالا احسان یہ تھا کہ عروہ نے ایک دیت اٹھائی تھی، حضرت البرکثرؓ نے اس میں اس کی بہت اچھی مدد کی تھی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ دوسرے لوگوں نے دو دو، تین تین اونٹوں سے مدد کی تھی اور حضرت البرکثرؓ نے دس اونٹیاں دی تھیں۔ راوی کا بیان ہے کہ عروہ دوران گفتگو بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک پر کھڑکھڑاتا تھا، یہ عرب کی عادت تھی کہ جب ایک آدمی دوسرے سے مخاطب ہوتا تو دوران گفتگو اس کی داڑھی پکڑ لیا کرتا تھا، خضر صاحبؒ کا بھی ملافت کا اظہار مقصود ہوتا، عام طور سے یہ معاملہ ایک شخص اپنے ہم مثل ہی سے کیا کرتا تھا۔ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عروہ کی تالیف قلب اور دل جوئی کے لئے اس سے سامعہ فرما رہے تھے، اور حضرت مغیرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور جلالیت قدر کے پیش نظر اس سے منع کرنے لگے۔ اور مغیرہ بن شعبہ بن مسعود ثقفی مشہور صحابی ہیں، حدیث سے قبل اسلام لائے اور صحیح قل کے مطابق ۳۵ھ میں انتقال ہوا یہ عروہ بن مسعود کے حقیقی بھتیجے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر کھڑے تھے، اس سے ثابت ہوا کہ دشمن کا خطرہ ہو تو پہرہ دینے یا دشمن کو مرعوب کرنے کی خاطر امیر کے سر پر تلوار لے کر کھڑا ہونا جائز ہے اور بیٹھنے والے کے سر پر کھڑے ہونے کی جو ممانعت آئی ہے، یہ اس کے معارض نہیں۔ کیوں کہ مخالفت اس صورت میں ہے جب کہ یہ غفلت و کبر کی خاطر ہو، اور ابن قیمؒ نے اس قصے کے فوائد میں کہا ہے: ”باد جرد کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت نہیں تھی کہ کوئی آپ کے سر پر کھڑا ہو، مگر اس موقع پر حضرت مغیرہؓ کا تلوار لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر کھڑے ہونا اس میں یہ قابل اقتداء سنت ہے کہ دشمن کے قاصد دل کی آمد کے موقع پر امام کی عزت و فخر و تعظیم و اطاعت اور اس کی حفاظت و وقایت کا مظاہرہ کیا جائے، اور یہی عادت جاری ہے، جب کہ

مسلمانوں کے قاصد کافروں کے پاس یا کافروں کے قاصد مسلمانوں کے پاس آئیں اور یہ وہ قیام نہیں جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذموم قرار دیا ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ فز و کبر طرائی کے میدان میں مذموم نہیں، جب کہ دوسری جگہ مذموم ہے۔ اور ان کے ہاتھ میں تلوار اور سر بخود تھی، مخض کسریم و سکون میں معجزہ و فتح فار۔ اور ایک روایت میں ہے کہ مغیرہؓ نے جب عروہ کو آتے دیکھا تو اپنی زرہ پہن لی اور سر بخود پہن لی، تاکہ عروہ ان کو نہ پہچان سکے۔ میں کہتا ہوں انہیں یہ اشکال ہے کہ حضرات تو احرام میں تھے پھر حضرت مغیرہؓ نے خود کیسے پہن لی؟ میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے اس سے تعرض کیا ہو، اس سے خلاصی یوں ممکن ہے کہ ان کا یہ نعل مجبوری کی بناء پر تھا، جیسا کہ سرین جوئیؒ جو جان نوحی جابر ہے۔ پس جب بھی عروہ اپنا ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کی طرف بڑھاتا تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجلال و تعظیم کے لئے اس کے ہاتھ پر تلوار کا نعل مارے، تلوار کی نیام کے نیچے چھ چاندی وغیرہ لگی ہوتی ہے اسے نعل کہتے ہیں۔ اور اس سے کہتے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش سے اپنا ہاتھ بچھ رکھ، عروہ بن زبیر کی روایت میں یہ اضافہ ہے: ”کیونکہ کوئی مشرک اس لائق نہیں کہ اس کو ہاتھ لگے“ پس عروہ نے سراٹھایا اور کہا: یہ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: مغیرہ بن شعبہ اور ایک اور روایت میں ہے کہ جب مغیرہ نے اس کے ہاتھ پر کئی بار تلوار ماری تو غضبناک ہو کر بولا: کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ یہ کون ہے؟ جو آپؐ کے صحابہؓ میں سے مجھے ایذا دیتا ہے، بخدا میرے خیال میں تمہاری جماعت میں اس سے بڑا اور اس سے بڑھ کر کبھی شخص کوئی اور نہ ہوگا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو عروہ نے آپؐ سے دریافت کیا کہ اسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: یہ تیرا جمعیبا مغیرہ بن شعبہ ہے۔“ پس عروہ نے کہا: اوسلہ و افتاد۔ فدا، بروغن عمر، خاد سے معدول ہے اور ان کے وصف قدریں ببالغہ مقصود ہے کیا میں تیری غداری میں کوشش نہیں کر رہا، یعنی مال نہیں خرچ کر رہا اور تیری جانت کے شر کو دفع نہیں کر رہا ہوں! اور اس کا قصہ یہ ہوا امتحان زمانہ جاہلیت میں مغیرہ ایک قوم کے ساتھ رفیق سفر ہوئے تھے، اور ان کو قتل کر کے ان کے اموال پر قبضہ کر لیا تھا۔ حافظؒ کہتے ہیں کہ واقعہ یہ ہوا تھا کہ وہ بنو مالک کے تیرہ افراد کے ساتھ متوقن شاہ مصر کی ملاقات کے لئے گئے، بادشاہ نے ان کو عطیات سے نوازا، مگر مغیرہؓ کو حصہ نہ ملا۔ مغیرہؓ کو اس سے غیرت آئی، واپسی پر انہوں نے شراب پی، جب مہربش ہو کر سر گئے تو مغیرہؓ نے سب کو قتل کر دیا۔ اہل الجہنم میں اس پر یہ اضافہ ہے ”بنو مالک کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے مغیرہ کے قبیلہ سے لڑائی کی تیاری شروع کر دی عروہ بن مسعودؓ نے بیچ میں چڑھ کر لڑائی کی آگ کو ٹھنڈا کیا، اور بنو مالک کو تیرہ مقتولوں کی میت دینا منظور کی، انہوں نے اس پر صلح کر لی، عروہ کے اس قتل میں اسی بات کی طرف

اشارہ ہے "انہ بعد ازاں معیرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے، پس حضرت ابو بکرؓ نے ان سے دریافت فرمایا کہ بنو مالک کے جو لوگ تیرے ساتھ گئے تھے ان کا کیا ہوا؟ معیرو نے کہا کہ میں نے اُن کو قتل کر دیا اور اُن سے چھینا ہوا مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا ہوں کہ آپ اس کے ذریعہ لوگوں میں جو سلوک فرمائیں یا جو آپ کی رائے ہو اس کے موافق عمل کریں۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام قبول کرتا ہوں، لیکن مال سے مجھے کوئی سروکار نہیں! یعنی اس سے کچھ تعرض نہیں کرتا کہ یہ بعد ہی کے ساتھ حاصل کیا گیا ہے، اس لئے کہ اس کی حالت میں کافر کا مال غنہ (بعد عہدی اور دھوکہ) کے ساتھ لینا جائز نہیں، کیوں کہ دفعہ اولیٰ ایک دوسرے کے ساتھ رفاقت امانت پر مبنی ہوتی ہے، اور جن کی امانت ہو ان کو امانت کا ادا کرنا لازمی ہے، خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر۔ بلکہ کافروں کا مال جنگ اور غلبہ کے ذریعہ حلال ہے۔ غالباً یہ مال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معیرو ہی کے پاس رکھ دیا ہوگا تاکہ ممکن ہے اس کی قوم مسلمان ہو جائے تو ان کو واپس کر دیا جائے۔ زرقانی میں حافظؒ کے کلام سے اخذ کرتے ہوئے اسی طرح لکھا ہے۔ اور حضرت شیخ قدس مترو نے بذکر میں حافظؒ کا کلام ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ "میں کہتا ہوں اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ حصول مال کا ذریعہ اگر حرام ہو تو وہ مال میں بھی مؤثر ہوگا، اس لئے یہ مال حرام ہوگا، کیوں کہ کفار کے مال اصل میں تو مباح ہیں، ان کی کوئی حرمت نہیں، اس کے باوجود جب بذریعہ بھہکی حاصل کیا جائے تو حرام ہے، البتہ اگر جنگ میں غلبہ کے ذریعہ حاصل کیا جائے، یا کافر کی رضامندی سے عقیدہ اس کے ذریعہ لیا جائے بشرطیکہ غنہ نہ ہو تو جائز ہے۔ حافظ ابن قیمؒ کہتے ہیں: "اس قصہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ، جن مشرک سے معاہدہ ہو اس کا مال محفوظ و معصوم ہے اور کسی کوئی شخص اس کا مالک نہیں ہو سکتا بلکہ اس مشرک کو واپس کیا جائے گا، چنانچہ معیروؓ نے امان کی شرط پر ان سے رفاقت کی تھی، پھر ان سے بعد عہدی کر کے ان کے مال لئے گئے، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اموال سے تعرض نہیں فرمایا، نہ ان کی ممانعت کی، نہ ان کے ضامن ہوئے کیوں کہ یہ قبیحہ معیروؓ کے اسلام لانے سے قبل کا تھا۔" میں کہتا ہوں کہ اس پر ابوبکرؓ کے قصہ سے، جو آگے آتا ہے، اشکال نہیں ہوتا کہ وہ بھی ان دو مشرکوں کے رفیق تھے جن کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو واپس بھیجا تھا اس لئے کہ وہ اپنی رضامندی سے اُن کے رفیق بن گئے تھے، بلکہ اُن کے ہاتھ میں قیدی تھے، اور حنفیہ کے نزدیک قیدی کے لئے جائز ہے کہ وہ (کافروں کو) دھوکہ دے اور قتل کر دے۔

اور سیوطیؒ نے درمشر میں ذکر کیا ہے کہ "خطیب نے اپنی تاریخ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حق تعالیٰ کے ارشاد "وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا" (یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے نکلنے کی

صورت پیدا فرمادیں گے) کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ یہ آیت عوف بن مالک اشجعی کے حق میں نازل ہوئی، مشرکوں نے ان کو قید کر لیا اور باندھ کر بھوکا رکھا، انہوں نے اپنے والد کو لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ آگے حدیث طویل ہے اور اس کے آخر میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بندش کھٹکنے کی صورت پیدا کر دی۔ پس وہ اُن کی وادی سے گزرے جہاں ان کے مال مرویشی اونٹ بکری چر رہے تھے۔ وہ ان تمام مرویشیوں کو ہٹا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے میری بندش کھول دی، بعد ازاں میں ان کے مرویشیوں کو خفیہ طور پر پہنکا لیا، اب یہ حلال عین یا حرام؟ فرمایا، نہیں بلکہ حلال ہیں، ہم جب چاہیں ان کا خاص و صول کریں گے۔ الخ۔

پھر یہاں ایک اور واقعہ قابل ذکر ہے، وہ یہ کہ عروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ (کے حالات) بڑے غور سے دیکھتا رہا، اس کا بیان ہے کہ خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لم نہیں ڈالی کروہ صحابہ میں سے کسی نہ کسی آدمی کے ہاتھ میں گری اور اس نے بطور تبرک اس کو اپنے منہ اور جسم پر مل لیا اور ابن اسحق کی روایت میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی موئے مبارک نہیں گرا مگر صحابہ نے فوراً اسے لے لیا، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کوئی حکم فرمایا تو آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے ہر ایک نے ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کی، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو قریب تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء مبارک سے گرنے والے پانی کے لئے لڑ پڑیں، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بات کی اور ابوذر کی روایت میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بات کی تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی آؤں کو نہایت پست رکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی بنا پر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھ مہر کر نہیں دیکھتے تھے یعنی مجالِ زیغی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر نہ جاسکے۔ حافظ کہتے ہیں، اُس میں غم اور جسم کے جدا ہونے والے بالوں کی طہارت پر، نیز صالحین کے پاک فضائل سے تبرک حاصل کرنے کا ثبوت ہے۔ غالباً حضرات صحابہ نے یہ سب کچھ عروہ کے سامنے کیا، اور اس میں خوب مباغہ فرمایا، جس سے اس طرف اشارہ مقصود تھا کہ اس کا ان کی نسبت فراک خیال ناسد ہے، گویا وہ بزبانِ حال کہہ رہے تھے کہ جو شخص اپنے امام سے ایسی محبت رکھتا ہو اور اس کی اس درجہ تعظیم کرتا ہو اس کے بارے میں یہ گمان کیسے کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے امام کو چھوڑ کر بھاگ جائے گا، اور اسے دشمن کے حوالے کر دے گا اور یہ کہ صحابہ کرام جس درجہ آپ پر جان بچھا کر کرتے ہیں اور آپ کی اور آپ کے دین کی مدد کے لئے سرکھٹ ہیں، اس کے مقابل میں ان قبائل کی کیا وقعت ہے جو محض خزن

اور رشتہ کی بنیاد پر ایک دوسرے کی نگہداشت کیا کرتے ہیں۔ اور پس عروہ اپنے لوگوں کے یعنی ہاکم کے پاس گیا پس ان سے کہا: اے قوم اللہ کی قسم! میں بادشاہوں کے مٹاؤں گیا ہوں اور قیصریہ شاہ روم کا لقب ہے اور کسریٰ کا فکے فتح اور کسر کے ساتھ۔ شاہ فارس کا لقب ہے اور نجاشی نون کا فتح اور کسر بھی جائز ہے اور جم بنیہ قشیدیہ کے اور جم پر تشدید پڑنا غلط ہے۔ جم کے بعد الف ہے پھر شین مجہ، پھر یائے مقدودہ اور مخففہ۔ یہ شاہ حبشہ کا لقب ہے کے نذر میں بھی گیا ہوں۔ انی مینوں بادشاہوں کا ذکر عطف خاص علی العام ہے۔ یہ تینوں اس دور کے سب سے بڑے بادشاہ تھے اس لئے ان کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا۔ اور شیخ لایع میں لکھتے ہیں: "انی مینوں کا خصوصی ذکر کیا یا توان کی عظمت کی وجہ سے اور پہلے عام بادشاہوں کا ذکر تھا، یا بادشاہ ہوں۔"

سے چھوٹے اور کسریٰ وغیرہ سے بڑے بادشاہ مراد ہیں۔ اور لایع کے حاشیہ میں فتح سے نقل کیا ہے کہ ابن ابی شیبہ میں علی بن زید کی مرسل روایت میں ہے کہ عروہ نے کہا: اے قوم! میں نے بادشاہ دیکھے ہیں مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کوئی نظر سے نہیں گزرا، اور وہ بادشاہ نہیں اگر میں نے کسی کے اونٹ بندھے دیکھے ہیں اور میرے خیال میں تو تم پر کوئی بہت ہی آفت ٹوٹ کر رہے گی، یہ کہہ کر وہ اپنے رفقاء سمیت طائف کی طرف چلا گیا۔ "واللہ میں نے کبھی کوئی بادشاہ نہیں دیکھا کہ اس کے ہم نشین اس کی ایسی تعظیم کرتے ہوں، جیسی تعظیم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کرتے ہیں۔ خدا کی قسم وہ کبھی حقارت میں تو وہ ان میں سے کسی نہ کسی آدمی کے ہاتھ پر گناہ ہے، اور وہ اپنے منہ اور ہاتھ اور بدن پر بل لیتا ہے۔ اور جب وہ انہیں کوئی حکم دیتے ہیں تو فوراً اس کی تعمیل کرتے ہیں، اور جب وہ وضو کرتے ہیں، قرآن کے وضو کا پانی حاصل کرنے کے لئے اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں گویا آپس میں لڑاؤں گے، اور جب وہ بات کرتے ہیں اور ایک روایت میں کہ جب آپ کے صحابہ بات کرتے ہیں تو اپنی آواز نہایت پست رکھتے ہیں اور اس کی تعظیم کی بناء پر اس کی طرف نظر بکھڑکیئے تک نہیں اور اس نے تمہارے سامنے ایک بھلائی کی تجویز رکھی ہے اس کی تجویز قبول کرو۔ اور ابن اسحاق کی روایت میں ہے: خدا کی قسم میں نے ایسی قوم دیکھی ہے جو کسی حالت میں بھی ان کو بلے مدد نہیں چھوڑے گی۔ اب جو تمہاری رائے جو اس پر عمل کرو۔ اس پر بزکانہ کے ایک شخص نے کہا: ورتقانی کہتے ہیں کہ یہ مجلس تھا: حار اور ستین پہلے کے ساتھ: بصیغہ تصغیر اور ابن اسحاق اور زہری بن بکوار نے اس کے باپ کا نام علائکہ ذکر کیا ہے۔ مجلس اُس دن آجائش کا سردار تھا۔ بزبان نے کہا کہ مجھے اس کا اسلام لانا معلوم نہیں، بظاہر کفر پر مراس ہے۔ "انہ آجائش کے معنی پہلے گذر چکے ہیں۔ حافظ کہتے ہیں: اور زہری بن بکوار کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے انکار کرتا ہے کہ تم، جذام، کندہ اور حمیر کے قبیلے ترج کریں، اور عبد المطلب کے خاندان کو اجازت نہ ہو۔ "آہ اور صاحب مجلس نے مجلس کو بزکانہ کے ایک شخص سے الگ ذکر کیا ہے۔ ان کی عبارت یہ ہے: "پس بزکانہ کے ایک

شخص نے کہا مجھے اجازت دو تو میں ان کے پاس جاتا ہوں، پس انہوں نے کہا جازو، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا: یہ فلاں شخص ہے اور یہ لوگ ہدی کے جازروں کی بڑی تعلیم کرتے ہیں اس لیے یہ جازر اس کے سامنے کھڑے کرو۔ چنانچہ ہدی کے جازر کھڑے کر دیئے گئے، اور لوگوں نے تعبیر کہتے ہوئے اس کا استقبال کیا، جب اس نے یہ منظر دیکھا تو لڑا سبجان اللہ ان لوگوں کو میت اللہ سے روکنا ہرگز مناسب نہیں، اس کے بعد قریش نے جلس کر بھیجا، اور ایک روایت میں ہے کہ اس پر رقت طاری ہو گئی اور اس کی آنکھیں پریم ہو گئیں، اور کہنے لگا رب کعبہ کی قسم قریش ہلاک ہو گئے، یہ لوگ تو صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں۔ اور جب قریش کے پاس واپس گیا تو ان سے کہا کہ میں نے دیکھا کہ ہدی کے اونٹوں کو قتلادے پہنائے ہوئے ہیں اور ان کا استعارہ کیا ہو ہے، اس لئے میری یہ رائے ہرگز نہیں کہ ان کو میت اللہ سے روکا جائے، پھر قریش نے جلس بن علقمہ کو بھیجا، معالم التنزیل میں اسی طرح ہے اور روضۃ الاحباب میں جلس اور بونکناہ کے آدمی کو ایک ہی قرار دیا ہے۔ اس کی عبارت یہ ہے کہ بونکناہ کے ایک آدمی نے جو جلس کہلاتا تھا کہا، اور ایک روایت میں ہے کہ علقمہ نے کہا: مجھے اجازت دو، میں آپ کے پاس جاتا ہوں، قریش نے کہا: تم جاسکتے ہو۔

کنانی کی آمد: پس جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ فلاں شخص ہے اور یہ اس قوم کا فرد ہے جو ہدی کے اونٹوں کی بہت عزت کرتے ہیں، بطن بطنہ کی جمع ہے، اونٹ کہتے ہیں خواہ زہر یا مادہ۔ اور اس میں تا، تائیت کی نہیں، وحدت کی ہے، اس لئے تمام اونٹوں کو یکبارگی اٹھا کر اس کے سامنے کھڑا کرو۔ چنانچہ اونٹ کھڑے کر دیئے گئے تاکہ وہ انہیں دیکھ کر عزت کھڑے اور اسے ثابت ہو جائے کہ یہ لوگ لڑائی کے لئے نہیں آئے۔ اور مکر جاکر عمرہ ادا کرنے میں ان کی مدد کرے۔ حافظ گھتھیوں، اداب ابن اسحاق کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ جب اس نے ہدی کے اونٹوں کو قتلادہ پہنے ہوئے، وادی کے کنارے سے اپنی طرف سیلاب کے پانی کی طرح جیتے ہوئے دیکھا، جن کو اپنے محل سے روکا گیا تھا، تو وہیں سے لوٹ گیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں پہنچا۔ لیکن معاذ بن عمروؓ میں روایت ہے جو حاکم سے مروی ہے کہ جلس نے حج کر کہا، رب کعبہ کی قسم قریش ہلاک ہو گئے۔ یہ لوگ صرف عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، ہاں ہاں۔ اسے بونکناہ کے بھائی (یعنی اس قوم کے فرد) ان کو یہ بات بتا دیجو! پس مکن ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دور ہی سے اس کو مخاطب فرمایا ہوا۔ آمد اور لوگوں نے یعنی صحابہؓ نے اس کا تعبیر کہتے ہوئے استقبال کیا، اس سے ثابت ہوا کہ کسی دینی مصلحت کے لئے یہاں جازر ہے جیسا کہ علماء نے مصالح و نیزہ کیلئے اظہار صدقہ کو واجب کہلے، حافظ ابن حجرؒ اور حافظ ابن

کہتے ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ لڑائی میں خداع سے کام لینا اور ایک چیز کا ارادہ ظاہر کرنا جب کہ مقصد اس کے خلاف کچھ
 اور ہو، جائز ہے۔ اور حافظ ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ قریش کے اس قاصد کے سامنے اونٹوں کے کھڑا کرنے میں اس امر کی دلیل ہے
 کہ کفار کے قاصدوں کے سامنے شرائع اسلام کا اظہار مستحب ہے، پس جب اس کنانی نے یہ منظر دیکھا تو زراہ تعجب
 بولا: سبحان اللہ! ان لوگوں کو بیت اللہ سے روکنا ہرگز مناسب نہیں، حافظؒ کہتے ہیں: "اس سے معلوم ہوا کہ بہت سے
 کافر بھی حرم اور احرام کی حرمت کی تعظیم بجالاتے تھے اور جو شخص اس سے روکنا اس پر نگر کرتے تھے اور یہ حضرت ابراہیم
 علیہ السلام کے دین کے باقی ماندہ آثار تھے۔" اور پس جب وہ اپنے ساتھیوں یعنی اہل مکہ کی طرف لوٹ کر
 گیا تو کہا میں نے دیکھا کہ ہدی کے اونٹوں کے قلاوے پہنائے ہوئے ہیں اور ان کا اشعار کیا ہوا ہے۔ پس میں میرے نہیں
 دوں گا کہ انہیں بیت اللہ سے روکا جائے۔ ابن اسحاق کی روایت میں مزید یہ ہے کہ: "وہ بولے، بیٹھ جا، تو تو زراہ گنوار ہے
 تو کیا جلتے؟ اور اس کی ایک روایت میں ہے کہ اس پر مجلس عقیقہ سے بھڑک اٹھا اور بولا ہے۔ اے جماعت قریش!
 سچا! ہم نے تم لوگوں سے اس مقصد کے لئے دوستی نہیں کی، نہ معاہدہ کیا کہ جو شخص بیت اللہ کی تعظیم کے لئے آیا کرے،
 اُسے روک دیا جائے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں مجلس کی جان ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس مقصد کے لئے آئے
 ہیں انہیں اس بات کی اجازت دینا ہوگی۔ ورنہ میں سارے احابش کو ایک آدمی کی طرح یہاں سے ہٹا لے جاؤں گا۔ اب
 قریش (کیسے ہو کر) بولے مجلس، ذرا بٹھرو! یہاں تک کہ ہم۔ اپنی ذات کے لئے کوئی پسندیدہ صورت اختیار
 کر لیں۔" اور سیرت ابن ہشام میں ہے کہ: "ابن اسحاق نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خراش ابن امیہ الخزاعی کو
 بلایا اور۔ انہیں ثعلب نامی ایک اونٹ پر سوار کر کے قریش کے پاس بھیجا، تاکہ وہ انفراد قریش کو اطلاع کر دے کہ آپ
 کس مقصد کے لئے آئے ہیں قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ کو زخمی کر دیا، اور خراش کو بھی قتل کرنا چاہا،
 مگر احابش ان کے آٹے لئے آئے تو قریش نے اس کا راستہ چھوڑ دیا، یہاں تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
 پہنچ گیا۔" اور زرقانی کے لفظ یہ ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حبیبہ میں فروکش ہوئے تو آپ کو مناسب معلوم
 ہوا کہ قریش کے پاس ایک قاصد بھیجا جائے، جو ان کو اطلاع دے کہ آپ عمر کے لئے تشریف لائے ہیں، چنانچہ خراش
 بن امیہ خزاعی کو اپنے اونٹ پر بھیجا، پس مکر بن ابی جبل نے اونٹ زخمی کر دیا، اور قریش نے خراش کو قتل کرنا چاہا لیکن
 احابش نے اس کی حفاظت کی، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آ گئے الخ۔" پورا واقعہ آگے آتا ہے اور خراش
 میں ہے کہ قریش نے چالیں پچاس آدمی بھیجے اور انہیں حکم دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کا چکر لگائیں تاکہ آنحضرت
 کے کسی صحابی کو گرفتار نہ لاسکیں، صحابہ کرامؓ نے ان سب کو گرفتار کر لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا۔ یہاں اس امر پر تنبیہ فرمادی ہے کہ صاحب خیس نے ان صاحب کا نام جن کو قریش کے پاس بھیجا گیا تھا ”جواس“ ذکر کیا ہے۔ غالباً یہ ناقل کی تصحیف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ سید علی نے درنشر میں حق تعالیٰ کے ارشاد ہوالذی کفایت یحییٰ بن ماریہ کے ذیل میں متعدد روایات ان لوگوں کے بارے میں ذکر کی ہیں جن کو صحابہ کرام نے حدیث میں گرفتار کیا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا تھا، اور ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، من جلد ان کے ایک حدیث مسلم، ابی داؤد اور ترمذی وغیرہ نے حضرت انس رضی عنہ سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں ”حدیث کے دن اہل مکہ کے اسی آدمی مسلح ہو کر جبل تہیم کی جانب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی طرف اترے۔ اُن کا مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اچانک حملہ کرنا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے پکڑنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ پکڑے گئے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو معاف کر دیا، پس یہ آیت نازل ہوئی، بعد ازاں صاحب خیس کہتے ہیں کہ ”جب جواس واپس آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب کو بلوایا تاکہ انہیں مکہ بھیجا جائے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے قریش سے جان کا خطرہ ہے اور مکہ میں بنو مدی بن کعب کا ایک فرد بھی ایسا نہیں جو میری حفاظت کر سکے، اور قریش کو معلوم ہے کہ مجھے اُن سے کشتی عداوت ہے اور یہ کہ میں ان کے حق میں کتنا سخت ہوں، لہذا آپ کو میں ایک ایسا شخص بتاتا ہوں جو مکہ میں مجھ سے زیادہ معزز ہے اور وہ عثمان بن عفان ہیں۔“

حضرت عثمانؓ کا مکہ جانا : چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو بلوایا اور انہیں ابوسفیان اور انصاف قریش کی طرف یہ پیغام دے کر بھیجا کہ آپ جنگ کے لئے نہیں آئے بلکہ محض بیت اللہ کی زیارت اور اُس کی حرمت و تعظیم کے لئے آئے ہیں اور ابلہدی میں یہ اضافہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا: انہیں بتاؤ کہ ہم جنگ کے لئے نہیں بلکہ عرفہ کے لئے آئے ہیں، اور ان کو اسلام کی دعوت دواور آپؐ نے اُن سے یہ بھی فرمایا کہ مکہ میں جو لوگ مرد اور عورتیں ہیں اُن کے پاس جاؤ اور انہیں فتح کی خوشخبری دیں اور انہیں بتائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو مکہ میں اپنے پیغمبر کو غالب کر دے گا۔ یہاں تک کہ وہاں کسی کو اٹھانے ایمان کی ضرورت نہ رہے گی۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ مکہ گئے راستہ میں مقام بکدج پر قریش کی ایک جماعت پر ان کا گزر ہوا۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کہاں جا رہے ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے کہ تمہیں اللہ کی طرف اور اسلام کی طرف دعوت دوں اور تمہیں آگاہ کروں کہ ہم لڑائی کے لئے نہیں بلکہ صرف حورو ادا کرنے آئے ہیں۔ وہ بولے: ہم نے تیری بات سُن لی، پس تم اپنے کام کے لئے جاؤ اور وہاں ابان بن سعید نے ان کا اٹھ کر استقبال کیا، ان کو خوش آمدید کہی اور اپنے گھوڑے پر بٹہ رکھی اور حضرت عثمانؓ کو اپنے گھوڑے پر سوار کر لیا۔ ۱۰۰

اور الخیش میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ کی طرف نکلے جب یہ مکہ میں داخل ہوئے یا داخل ہوئے سے پہلے ہی ان کو ابان بن سعید ملا۔ اس نے آپؐ کو اپنے آگے سوار کیا، اور ان کو پناہ دی تاکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا دیں۔ اور ابن اسحاق کے علاوہ دوسروں کی روایت میں ہے کہ ابان نے ان سے یہ بھی کہا کہ بلا خوف و خطر چلو پھرو۔ اور کسی کا خوف مت رکھو۔ بنو سعید حرم میں سب سے معزز ہیں اور۔ حضرت عثمانؓ گئے یہاں تک کہ مکہ میں داخل ہوئے ابرسیان اور دیگر اشراف قریش سے ملاقات کی اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔ پس انہوں نے آپؐ سے عقد و معاہدہ کیا اور جب آپؐ اپنے کام سے فارغ ہوئے اور واپسی کا ارادہ کیا تو قریش نے کہا کہ تم چاہو تو بیت اللہ کا طواف کر سکتے ہو، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہیں کر لیتے میں کبھی طواف نہیں کر سکتا۔ اس سے قریش بھڑک گئے اور انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس روک لیا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی آمد میں تاخیر ہوئی تو مسلمانوں نے کہا کہ عثمانؓ خوش قسمت ہیں وہ مکہ چلے گئے اور اب بیت تنہا طواف کریں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بگڑ نہیں وہ تنہا طواف نہیں کر سکتے۔ اور الہدیٰ میں ہے کہ جب بیعت پوری ہو چکی تو حضرت عثمان واپس لوٹے مسلمانوں نے ان سے کہا اے ابو عبد اللہ آپؐ نے قرینت اللہ کے طواف سے خوب جی ٹھنڈا کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ آپؐ حضرت نے میرے حق میں بہت ہی بڑا لگان کیا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں وہاں بحال بھر پڑتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدر میں فروکش ہوتے تب بھی جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ کر لیتے میں کبھی طواف نہ کرتا اور مجھے تو قریش نے بیت اللہ کے طواف کی دعوت دی تھی مگر میں نے صاف انکار کر دیا۔ یہ سن کر مسلمانوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری نسبت اللہ تعالیٰ کو زیادہ جانتے ہیں اور ہم سے زیادہ خوش گمان ہیں۔

بیعت رضوان : اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ روک لئے گئے تو یہ افواہ گرم ہوئی کہ حضرت عثمانؓ قتل کر دیئے گئے، کہا جاتا ہے کہ شیطان نے مسلمانوں کے لشکر میں بلند آواز سے اعلان کیا کہ اہل مکہ نے عثمانؓ کو قتل کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو خبر ہوئی کہ بہت صدمہ ہوا، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اب ہم ان لوگوں سے دو دعاؤں کے بغیر نہیں جائیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہد کرام کو بیعت کے لئے بلایا، پس ان سے بیعت لی کہ وہ قریش سے قتال کریں گے اور ان کے مقابلے میں میان سے نہیں ہٹیں گے شاہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لیکر یابری کے درخت کے نیچے تشریف فرما تھے۔

ماجہ سے پہلے اور ایک مرتبہ اُن کے بعد، جیسا کہ امام بخاریؒ نے غزوہ حدیبیہ میں متعدد طریق سے روایت کیا ہے اور حاشیہ لاتبع میں اس پر مبروط کلام کیا ہے۔

زرقانی کہتے ہیں کہ اس بیعت کا نام بیعت رضوان اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی وجہ سے ہوا، لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یأیونک تحت الشجرۃ (راضی ہوا اللہ تعالیٰ) مومنوں جب بیعت کرتے تھے آپؐ سے اس درخت کے نیچے) یہ درخت لیکر یا بجل کا تھا اور صحابہؓ نے سرت پر بیعت کی تھی، جیسا کہ شیخین وغیرہ کی روایت میں ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ میدان سے نہ بھاگنے کی بیعت کی تھی اور ان دونوں میں کچھ تعارض نہیں جیسا کہ معروف ہے اؤ یہ سب روایات امام بخاریؒ نے غزوہ حدیبیہ میں ذکر کی ہیں۔

مکرز کی آمد : پس ان میں ایک شخص جو مکہ کہلاتا تھا، کھڑا ہوا (مکرز کبیریم و سکون کاف و فتح راہ اس کے بعد) وہاں حنف اور ابی سلمیٰ نے اُسکے واسطے کا نام بھی ذکر کیا یعنی مکرز بن حفص بن اخیف (سہزادہ ماجہ، یا تھانیہ) وہ فامکے ساتھ) یہ بزرگامین لوی کا ایک فرستادہ زرقانی کہتے ہیں کہ الاصابہ میں ہے کہ میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے اس کو صحابہؓ میں سے کہا ہو، البتہ ابن جبان نے اُس کو کہلے کہ کیا جاتا ہے کہ اس کو شرف صحابیت حاصل ہے؟ پس اس نے کہا مجھے اس کے پاس جاننے کی اجازت دو جب یہ مسلمانوں کے قریب آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مکرز ہے اور یہ فاجر آدمی ہے اور ابن اسحاق کی روایت میں ہے فاجر کی جگہ فامد (بہ عہد) کا لفظ ہے، حافظ کہتے ہیں کہ ”یہی زیادہ راجح ہے اور مجھے ہمیشہ تعجب رہا ہے کہ اس کو فاجر کیوں فرمایا جب کہ اس سے بظاہر کوئی غور مرزد نہیں ہوا، بلکہ اس میں بعض چیزیں ایسی ہیں جو اس کے خلاف کی طرف مشعر ہیں، جیسا کہ ابوالجندل کے قصہ میں اس کا کلام آگے آتا ہے۔ بیان تک کہ میں نے مغازی و اتہی میں غزوہ بدر کے بیان میں دیکھا کہ عقبہ بن ربیعہ نے قریش سے کہا کہ تم مکر چھوڑ کر کیسے جا سکتے ہو جب کہ بنو کنانہ ہمارے پیچھے ہیں اور ہمیں ان کی جانب سے اپنے اہل و عیال کے حق میں خطر ہے۔ راوی کہتا ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی حفص بن اخیف یعنی مکرز کے باپ کا ایک بہت ہی خوبصورت لڑکا تھا اس کو بنو بکر کے کسی شخص نے اپنے خون کے بدلے میں جو قریش کے ذمہ تھا، قتل کر دیا، پس قریش نے اس سلسلہ میں گفتگو کی اور صلح ہو گئی، بعد ازاں مکرز نے بنو بکر کے سردار عامر بن زید پر اچانک حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا، اس سے بنو کنانہ بھڑک گئے اور اسی اثناء میں واقعہ بدر پیش آیا اور مکرز بہ عہد ہی میں بنام تھا، اور واقعہ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اس نے حدیبیہ میں مسلمانوں پر شب خون مارنے کا ارادہ کیا اور پچاس آدمی ساتھ لے کر نکلا، مگر وہیں مسلمانوں نے جو پہرے پر تھے ان کو پکڑ لیا اور مکرز ان کو پھوٹ کر بھاگ بھگنے میں کامیاب ہو گیا۔

غالباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اسی طرف واقعہ کے مشیر ہے۔ "اھ پس وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملت چیت کئے لگا۔ ابن اسحاق نے یہ اضافہ کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی وہی جرب دیا جو بدیل کو دے چکے تھے۔

سہیل کی آمد : اس کی گفتگو کے دوران ایک سہیل بن عمرو القرشی العامری آگیا۔ ان کا لقب خلیب قریش ہے، رہائش پہلے مکہ میں تھی پھر مدینہ میں ہوئی۔ فتح مکہ کے سال اسلام لانے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان کا اسلام بہت ہی محمود تھا اور ابن شایبہ نے روایت کیا ہے کہ سہیل کہتے ہیں، اللہ کی قسم میں نے مشرکین کی ہوا میں شجاعت اور بہادری کے جتنے معرکے انجام دیئے اب مسلمانوں کی ہوا میں ایک ایک کا قرض ادا کر دیا گا۔ اور مشرکین کی اہمیت میں میں نے جتنا مال خرچ کیا اسی قدر مسلمانوں پر بھی خرچ کر دیا گا۔ اکثر علماء کے نزدیک اللہ کی طاعون عوام میں نیک شام میں ان کا انتقال ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ جب یرموک میں شہید ہوئے۔ اور ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ "قریش نے سہیل کو بلایا اور کہا کہ ان صاحب (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اور ان سے صلح کر لو۔ پس جب سہیل آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لئے تمہارا کچھ کام سہل ہو گیا ہے۔ شیخ لائح میں فرماتے ہیں "تمہارا کچھ کام سہل ہو گیا۔" کیونکہ آپ نے اس کے دیوانہ گانے سے اندازہ کر لیا تھا کہ قریش طاعی جانب مائل ہیں، اور یہ نیک خال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نام سے اخذ کی تھی۔ اور اس کے حاشیہ میں سطلانی سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیک خالی کو پسند فرماتے تھے۔ اور "مبن" تبغیفیہ کے ساتھ "مبن امور کمر" (تمہارا کچھ کام) فرما کر اس طرف اشارہ کیا کہ اس قصہ میں حاصل ہونے والی سہولت کچھ زیادہ عظیم نہیں ہے اور بعض نے کہا ہے کہ غالباً یہ نکتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل کی تصغیر سے اخذ کیا۔ کیوں کہ اس کی تصغیر کا تقاضہ یہ تھا کہ یہ سہولت زیادہ نہ ہو۔ اھ نزد قانی کہتے ہیں۔ کہ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو گھٹنے ٹیک کر دوڑا تو ہو بیٹھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چار زانو تشریف فرما تھے اور بخا دیجہ بشر اور سلم بن اسلم اپنی لباس میں سر سے پاؤں تک غرق آپ کے سر پر کھڑے تھے۔ اور سلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد حلقہ کئے بیٹھے تھے۔ اور دونوں کے درمیان بات چلی۔ اور سہیل نے دیر تک بات کی اور سوال و جواب ہوتا رہا۔ اور خمس میں ہے کہ جب سہیل آپ کے پاس پہنچا تو بلایا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم قریش آپ سے صلح کرنا چاہتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ آپ کو عمر آئندہ سال کرنا ہوگا۔ اھ اور حضرت عجلانہ نے اس سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے

اپنی آواز نپست رکھ۔ بالآخر دونوں کے درمیان اس شرط پر صلح طے ہوئی کہ دونوں فریقوں کے درمیان دس سال تک لڑائی موقوف رہے گی۔ جیسا کہ ابن اسحاق کی روایت میں ہے اور اسی پلین سعد نے جزم کیا ہے، اور ابو داؤد نے حضرت ابن عمرؓ سے اور حاکم نے حضرت علیؓ سے اس کو روایت کیا ہے اور یہی قابلِ اعتماد ہے۔ اس کے عکس مخالفی ابن عائد میں ابن عباسؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ دو سال کی مدت طے ہوئی تھی۔ ابن عقیل کی روایت بھی یہی ہے۔ حافظؒ کہتے ہیں: "دونوں کے درمیان تطبیق یہ یوں ہوئی کہ دس سال قراصل مدت تھی جو صلح میں طے ہوئی تھی۔ مگر دو سال کی مدت میں صلح کا قیضہ تمام ہوا۔ کیوں کہ قریش نے اس کی خلاف ورزی کی، جیسا کہ غزوہ فتح میں آتا ہے۔" یہ تطبیق زبانی اور ابن ہشام نے یہی نقل کی ہے۔ اور ابن ہشام نے کہا ہے کہ یہ بہت اچھی توجیہ ہے۔ جس سے تعارض اٹھ جاتا ہے۔ اس لئے اس کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔ اور حافظؒ کہتے ہیں کہ کاتب ابن عدی، مستدرک حاکم اور معجم اوسط طبرانی میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ مدت صلح چار سال تھی، یہ اول تو ضعیف ہے پھر صحیح روایت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مشکوک بھی ہے۔ زرقانی میں حافظؒ کی پیروی کرتے ہوئے اسی طرح ہے۔

غزوہ فتح کا سبب : میں کہتا ہوں کہ حافظؒ کے قول جیسا کہ غزوہ فتح میں آتا ہے۔ کا حاصل یہ ہے کہ غزوہ فتح قریش کے نقصان پہنچانے کی وجہ سے ہوا تھا جیسا کہ کتب سیر میں مفصل مذکور ہے اور اس کا خلاصہ وہ ہے، جو مجمع البحار میں مذکور ہے کہ غزوہ فتح کا سبب یہ ہوا تھا کہ بنو خزاعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف تھے۔ اُن کے مقابلہ میں قریش نے بنو نضار کے رؤساء کی مدد کی، اور بنو نضار نے بنو خزاعہ پر شب خون مارا، بنو خزاعہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد طلب کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بنو کعب کی مدد نہ کروں تو کس کی کروں گا؟ اور یثربیان کا قہقہہ ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خفیہ تیاری کی، اور رمضان ۶ء میں غزوہ فتح کے لئے نکلے۔ الخ، اھ مختصر۔ اور غیس میں ہے کہ قریش میں سے صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، سہیل بن عمرو، حویطب اور بکر نے اپنے غلاموں سمیت، ہیت بدل کر خزاعہ کے مقابلہ میں بکر کی اس رات کو مدد کی، اور رات کو جب کہ وہ غفلت میں پڑے سو رہے تھے ان پر اچانک حملہ کر دیا اور ان کے بیس افراد کو قتل کر دیا، بعد میں قریش کو اپنے کئے پر پشیمانی ہوئی اور انہیں محسوس ہوا کہ جو صلح ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان طے ہوئی تھی اس کو توڑ ڈالا ہے۔ اور عمرو بن سالم خزاعی چالیس سو روپے کی بیعت میں، طلب مدد کے لئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے در دولت پر مدینہ حاضر ہوا، یہ تھا وہ واقعہ جو

فتح مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

کتنی مدت کے لئے کافروں سے صلح کرنا جائز ہے : حافظؒ کہتے ہیں کہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ مشرکین سے کتنی مدت تک کے لئے صلح کا معاہدہ صحیح ہے؛ چنانچہ بعض فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے مطابق دس سال سے زائد کی صلح نہ ہونی چاہیے۔ یہ امام شافعیؒ کا قول ہے اور بعض کہتے ہیں کہ دس سال سے زیادہ بھی صحیح ہے بعض نے زیادہ سے زیادہ چار سال، بعض نے تین سال، اور بعض نے دو سال مدتِ صلح تجویز کی ہے، مگر پہلا قول راجح ہے۔ احمد اور زودویؒ کہتے ہیں کہ کفار سے صلح کرنا جب کہ مسلمانوں کی مصلحت اس کی مقتضی ہو تو ضرورت بالاتفاق جائز ہے اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ صلح دس سال سے زیادہ کی نہ ہو بشرطیکہ امام کو اس میں غلبہ نہ ہو اور اگر امام کو غلبہ ہو تو چار مہینے سے زیادہ کی صلح نہ کرے۔ اور ایک قول میں ایک سال سے کم جائز ہے، اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس کے لئے کوئی حد متعین نہیں؛ بلکہ امام کی رائے کے مطابق قلیل و کثیر مدت کے لئے صلح جائز ہے۔ احمد

اور ابی نے بھی امام مالکؒ کا مسلک اسی طرح نقل کیا ہے اور ابن قیمؒ الہدیی میں کہتے ہیں: "اس قصہ میں یعنی صلح خیبر کے قصے میں اس امر کی دلیل ہے کہ صلح کا معاہدہ مطلقاً صحیح ہے اور اس کے لئے کوئی مدت مخصوص متعین نہیں ہے۔ بلکہ جتنی مدت کے لئے امام چاہے صلح کر سکتا ہے۔ اس قصہ کے بعد کوئی حکم البسا نہیں آیا جو اس حکم کے لئے ناسخ ہو اس لئے صحیح یہ ہے کہ صلح جائز اور صحیح ہے اور زنی کی روایت کے مطابق امام شافعیؒ نے نیز دوسرے ائمہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ اور موافق کہتے ہیں "بغیر تعین مدت کے صلح جائز نہیں کہ اس کا نتیجہ مطلقاً ترک جہاد ہوگا۔ ایک اور جگہ کہتے ہیں "عقد صلح صرف معلوم اور معین مدت تک کے لئے صحیح ہے بوجہ اس دلیل کے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ اور قاضی کہتے ہیں کہ امام احمدؒ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ دس سال سے زیادہ کی صلح جائز نہیں۔ یہی ابو بکر کا مختار اور یہی شافعی کا مذہب ہے۔ کیوں کہ حق تعالیٰ کا ارشاد: **اَقْلُدُ** **الْمُشْرِكِينَ** **حِثَّ وَجْهَ تَرْتُمُ** عام ہے۔ جس سے دس سال کی مدت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش سے دس سال مصالحت کی بنا پر مخصوص ہے۔ اس سے زائد اپنے مقتضائے عموم پر رہے گا۔ اور ابو الخطاب

کہتے ہیں کہ امام احمدؒ کے کلام کا ظاہر ہے کہ امام کی صوابدید کے مطابق دس سال سے زیادہ کی صلح بھی جائز ہے اور امام ابو حنیفہؒ کا یہی قول ہے۔ کیوں کہ عقد اجارہ کی طرح جب یہ عقد دس سال کے لئے جائز ہے تو اس سے زیادہ کے لئے بھی جائز ہی ہوگا۔ اور عام سے وہ مصلحت کی تفصیل ایک علت پر مبنی ہے جو دس سال

سے زیادہ میں بھی پائی جاسکتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مصحف کبھی زیادہ مدت کے لئے صلح کو مقتضی برا کرتی ہے۔ ۱۷

اور ہمایہ میں ہے: ”جب امام کی رائے ہو کہ اہل عرب سے یا ان کے کسی فرقے سے صلح کر لے اور اس میں مسلمانوں کی مصحف ہو تو اس کا مضائقہ نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وان جرحا للسلام فاجتہ لحد لکل علی اللہ“ (وہ اگر صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کی طرف مائل ہو جائیے اور اللہ تعالیٰ پر عبور و سہ کیجئے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے سال اہل مکہ سے مصالحت کی تھی کہ ان کے اوپر آپ کے درمیان دس سال تک جنگ موقوف رہے گی۔ اور اس لئے کہ مصالحت بھی معنی جہاد کے حکم میں ہے۔ جب کہ وہ مسلمانوں کے حق میں بہتر ہو۔ کیونکہ مقصود اکودہ دفع شر ہے اس سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اور حکم صلح صرف اسی مدت تک محدود نہیں جو روایات میں وارد ہے۔ کیوں کہ طاعت اس سے زائد کی طرف بھی متعدی ہے۔ بخلاف اس صورت کے کہ وہ مسلمانوں کے حق میں بہتر نہ ہو (جو جائز نہیں) کیوں کہ یہ صورت اور مضائقہ جہاد ہے۔ ۱۸

صلح نامہ کی تحریر کا آغاز: پس سبیل نے کہا لائیے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اور ہمارے درمیان تحریر لکھ دوں۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتب کو بلایا۔ یہ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ تھے، جیسا کہ امام بخاری نے کتاب التعلیق میں برآد بن عازب رضی اللہ عنہ سے، اسی طرح عمر بن شہبہ نے سلم بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کے برعکس عمر بن شہبہ نے ایک روایت سبیل بن عمرو سے روایت کی ہے کہ وہ تحریر ہمارے پاس موجود ہے جس کو محمد بن سلمہ نے تحریر کیا تھا۔ (اس روایت سے مفہوم ہوتا ہے کہ صلح نامہ حضرت علیؑ نے نہیں بلکہ محمد بن سلمہ نے لکھا تھا) ان دونوں میں تطبیق یوں ہوگی کہ اصل صلح نامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر کیا تھا۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے اور اس کی ایک نقل محمد بن سلمہ نے سبیل کے لئے لی تھی اور عمر بن شہبہ کی ایک روایت میں کاتب کا نام ہشام بن مکرمہ ذکر کیا گیا ہے۔ یہ وہم اور صریح غلط ہے۔ کیوں کہ جو صحیفہ ہشام نے لکھا تھا، یہ وہ تحریر تھی جو قریش نے صفحہ طبر پر بنو ہاشم کو تشیع ابی طالب میں محصور کرتے وقت لکھی تھی۔ میں نے اس پر تنبیہ کی ضرورت اس بنا پر محسوس کی تاکہ بعض ناواقفوں کو یہ دھوکا نہ ہو جائے کہ قصہ مدینہ کے کاتب میں اختلاف ہے۔ یہ بات حافظ نے لکھی ہے۔ زرقانی میں اسی طرح ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم، پس سبیل نے اور اس کے رفقاء نے

جیسا کہ ختم میں ہے کہا بخدا! میں نہیں جانتا کہ رحمن کیا ہوتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سبیل نے کہا، میں صاحب ہمارے سوا کسی رحمن کو نہیں جانتا کہ رحمن کیا ہوتا ہے۔ لیکن باسمک اللہم لکھئے جیسا کہ آپ ائمہ اسلام میں لکھا کرتے تھے۔ جاہلیت میں اس کے لکھنے کا دستور تھا (اور آیت نخل کے نزول تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی غالباً یہی معمول تھا) مگر جب آیت نخل نازل ہوئی تو آپ بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے لگے۔ اس لئے ان لوگوں پر جاہلی نخوت سوار ہوئی۔ اور

انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ سبیل نے کہا، ہم نہیں جانتے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کیا چیز ہے، لیکن آپ وہ لفظ لکھتے جس کو ہم جانتے پہچانتے ہیں یعنی باسمک اللہم۔ اور حاکم کے الفاظ بروایت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ یہ ہیں، ”پس سبیل نے اس کا (کاتب کا) ہاتھ پکڑ لیا اور کہا باسمک اللہم لکھئے جس کو ہم جانتے ہیں۔ مسلمانوں نے کہا، ”اللہ کی قسم! ہم بسم اللہ الرحمن الرحیم ہی لکھیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! باسمک اللہم ہی لکھو چنانچہ یہی لکھا گیا جیسا کہ حاکم کی روایت ہے۔ بظاہر ان حضرات نے اپنی قسم کا کفارہ ادا نہیں کیا، کیوں کہ ان کی نیت یہ تھی کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قطعی حکم نہیں ہوتا ہم یہی لکھیں گے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا: لکھو! یہ وہ تحریر ہے۔ اشارہ ذہن میں مستحضر معنوں کی طرف ہے جس پر مصالحت کی قاضی، قاضی کے وزن پر قضیت الشیء کے معنی ہیں کسی چیز کا فیصلہ کرنا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مستدرک حاکم میں عبد اللہ بن مغفل کی روایت ہے، ”پس کاتب نے لکھا کہ یہ وہ تحریر ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل مکہ سے مصالحت ہوئی۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ فیصلہ سے مراد مصالحت ہے اور امام بخاری نے اس پر ترجمہ ”الاباب قائم کیا ہے، کیف یکتب هذا“ فلان بن فلان دان لم یسبہ الی قبیلہ اذ نسب“ یعنی اس امر کا بیان کر کے لکھا جائے کہ یہ وہ چیز ہے جس پر مصالحت کی فلان بن فلان نے، اگرچہ اس کو اس کے قبیلہ کی طرف منسوب کرے نہ اس کا نسب ذکر کرے۔“ حضرت شیخ لا مع میں اس ترجمہ کی شرح میں فرماتے ہیں: ”مطلب یہ کہ نسب کا ذکر تعین اور رفع ابہام کے لئے ہوتا ہے، اور اگر یہ تعین اس کے بغیر ہی حاصل ہو نسبت ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور اس کے حاشیہ میں ہے کہ حافظ کہتے ہیں: ”یعنی جب وہ اس کے بغیر مشہور ہو کہ کسی طرح کے التباس کا اندیشہ نہ ہو تو وثیقہ میں صرف مشہور نام کا ذکر کر دینا ہی کافی ہے۔ اس کے باپ دادے کا ذکر کرنا، اسی طرح نسبت اور شہر کا ذکر کرنا ضروری نہیں۔ اور فقہاء کا یہ کہنا کہ وثیقہ میں اس کا نام، اس کے باپ دادے کا نام اور نسبت وغیرہ کا ذکر کیا

جائے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ القباس کا اندیشہ ہو، اور اگر اندیشہ نہ ہو تو صرف استحباب کا درجہ رکھتے ہیں۔ انخ
پس سہیل نے کہا: بخدا! اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول سمجھتے تو آپ کو بیت اللہ سے نہ روکتے، نہ آپ سے جنگ و قتال
کی ذمہ داری اور معافی میں ہے کہ اس نے کہا کہ: ہم آپ کو اس حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں، اگر ہمیں آپ
کا رسول ہونا مسلم ہوتا تو آپ کو بیت اللہ سے نہ روکتے اور نہ لڑائی کرتے بلکہ آپ سے بیعت کر لیتے۔

اور معافی والا سود میں ہے کہ سہیل نے کہا: اگر ہم آپ کو رسول اللہ تسلیم کرتے ہوئے بھی بیت اللہ
سے روکیں پھر تو ہم نے آپ پر بڑا ظلم کیا۔ اور خیس میں شواہد البتہ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے جب صلح نامہ میں (محمد رسول اللہ کی بجائے) محمد بن عبد اللہ لکھوایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر
فرمایا: ”اے علی! تجھے بھی ایک دن اسی قسم کا واقعہ پیش آئے گا۔“ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ اس
واقعہ کی طرف ہے کہ جب جنگ صفین کے بعد حضرت علیؑ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان مصالحت

ہوئی اور کاتب نے صلح نامہ میں یہ عبارت لکھی ”یہ وہ تحریر ہے جس پر امیر المؤمنین حضرت علیؑ نے مصالحت کی“
تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا: ”امیر المؤمنین نہ لکھیے، اگر میں آپ کو امیر المؤمنین تسلیم کرتا تو آپ سے جنگ کیوں
کرتا؟ اس کے بجائے علی بن ابی طالب لکھیے۔“ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سننا تو انہیں حدیبیہ
کے دن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد آیا اور فرمایا کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا، علی بن ابی
طالب ہی لکھو۔“ زرقانی کہتے ہیں کہ نسائی نے بروایت علیؑ یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ تجھے بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آئے گا اور تجھے مجھ سے لڑنا پڑے گا۔“ یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ تھا
جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تحکیم کے دن پیش آیا کہ جب کاتب نے یہ تحریر کیا تھا: ”یہ وہ معاہدہ ہے جس پر...

امیر المؤمنین حضرت علیؑ نے مصالحت کی۔“ تو حضرت معاویہؓ نے پیغام بھیجا کہ اگر میں آپ کو امیر المؤمنین
جانتا تو تحکیم کی بات کیوں کرتا؟ اس لفظ کو مٹا دیجئے اور اس کی جگہ علی بن ابی طالب کا لفظ لکھیے۔ یہ سن کر
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کہا، اور فرمایا ٹھیک وہی بات ہوئی، جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
پیش گئی فرمائی تھی، بس اس لفظ کو مٹا دو۔“ بلکہ اس کی جگہ محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ لکھیے۔ اور

ایک روایت میں ہے کہ اپنا اور لپٹے باپ کا نام لکھیے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی
قسم! میں یقیناً اللہ کا رسول ہوں، اگرچہ تم مجھے جھٹلاتے رہو۔ اس کی جزا عذوب ہے یعنی تب بھی میری
رسالت کو مضرب نہیں۔ پھر حضرت علیؑ سے فرمایا، اس لفظ کو مٹا دو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں

تو اس کو ٹھانہیں سکتا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ نہیں! اللہ کی قسم! میں آپ (کے نام) کو کبھی نہیں بٹھا
 سکتا۔ علماء فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ طرز عمل ادب و سنجیدگی کے باب سے ہے کہ کسی بزرگ
 شخصیت کی جانب سے کسی بات کا حکم ہو اور مامور یہ سمجھے کہ امر قطعی نہیں، اور اس میں بظاہر خلاف ادب
 امر کا ارتکاب ہو، تو مامور کو توقف کرنا چاہیے، جب تک مسائل کی صحیح نوعیت سامنے نہیں آجاتی۔ نہ زمانی میں ایسی
 طرح ہے۔ اور آج نہیں ہے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی امامت کے واقعہ میں مگر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ
 حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنی نمازیں بدستور مشغول رہے۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اسی
 قسم کا واقعہ پیش آیا تو وہ پیچھے ہٹ گئے۔ اس کا سب سے عمدہ جواب یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ یہ سمجھے
 کہ جو امر غیر واجب ہو وہاں تعمیل حکم کے بجائے رعایت ادب بہتر ہے۔ اور حضرت عبدالرحمنؓ نے اس کے برعکس
 امتثال امر کو ترجیح دی۔ اھ۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خود طمایا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ
 آپؐ نے فرمایا: مجھے اس لفظ کی جگہ دکھاؤ۔ چنانچہ آپؐ کو وہ لفظ دکھایا گیا تو آپؐ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ٹھادیا۔ امام زہری فرماتے ہیں: ان دونوں باتوں میں سہیل کی جگہ کو تسلیم کر لینا اس بنا
 پر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ وہ مجھ سے جس بات کا بھی مطالبہ کریں گے جس کے ذریعہ اللہ کی
 حرمت کی تعظیم مقصود ہو، میں ان کا مطالبہ ضرور پورا کر دوں گا۔ پس اس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباسؓ
 کا لفظ لکھا اور بخاری کی کتاب المغازی کی روایت میں ہے کہ، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیفہ خود لیا،
 اور آپؐ کی کتابت نہیں جانتے تھے۔ پس آپؐ نے تحریر فرمایا: ”یہ وہ (تحریر) ہے جس پر محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم نے مصالحت کی۔“ اور شیخ قدس سرہ لایع میں فرماتے ہیں: ”راوی کا قول، پس آپؐ نے تحریر فرمایا۔“
 ایچ، صحیح ترین ہے کہ آپؐ کی طرف نسبت کتابت مجازی ہے اور اس کو حقیقت پر محمول کر کے معجزہ قرار دینا
 مناسب نہیں کیوں کہ اگر آپؐ نے خود اپنے دست مبارک سے لکھا ہوتا تو کفار کو یہ کہنے کا موقع تھا کہ آپؐ
 کو لکھنا آتا ہے اور اس سے ان کی یہ بے گمانی اور پختہ ہوجاتی کہ آپؐ۔ معاذ اللہ۔ شاعر اور کاتب ہیں، کتابیں پڑھ
 پڑھ کر بتاتے ہیں اور یہ خلافت مقصود ہے۔ اھ اور لایع کے حاشیہ میں ان حضرات کے نام ذکر ہیں جو ان دونوں
 اقوال کے قائل ہیں یعنی یہ معجزہ تھا یا مجاز پر محمول تھا؟ اور فریقین کے دلائل بھی خوب تفصیل سے ذکر کئے
 ہیں، جس کا بھی چاہے وہاں دیکھ لے پس اس کو یعنی سہیل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شرط یہ ہوگی کہ
 تم ہمارے لئے بیت اللہ جانے کا راستہ خالی کر دو تاکہ ہم اس کا طواف کر سکیں۔ پس سہیل نے کہا اللہ کی قسم ہاں ہرگز

نہیں، ہم آپ کو بیت اللہ جاننے کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتے ورنہ عرب باتیں کیا کریں گے۔ یقینی کہتے ہیں کہ اس کا قول ”عرب باتیں کریں گے“ جملہ متاثرہ ہے اور ”ہرگز نہیں“ کے تحت میں داخل نہیں۔ ”ہرگز نہیں“ کا مدخل محذوف ہے، یعنی ہم آپ کو بیت اللہ جاننے کی اجازت ہرگز نہیں دیں گے اور بعض لوگوں نے گمان کیا ہے کہ ”ہرگز نہیں“ کا لفظ بعد کے فقرے (عرب باتیں کیا کریں گے) پر داخل ہے اور مطلب یہ ہے کہ عرب ہرگز باتیں نہیں کریں گے۔ اور نہ ہم انہیں موقع دینا چاہتے ہیں، اور یٰظن فاسد ہے۔“ اھ

میں کہتا ہوں کہ جس احتمال کو یقینی نہ رکھنا چاہیے۔ وہ بھی محتمل ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے کتاب الانبیاء باب نبی عنہ من دعوی الجاہلیۃ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک مہاجر کے انصاری کو مارنے کا قصہ ذکر کیا ہے۔ اس میں حضرت عمرؓ کا یہ سوال مذکور ہے کہ آپ اس کو قتل کیوں نہیں کر دیتے؟ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لا یحدث الناس ان یقتل صحابہ (یعنی نہیں، مبادا لوگ یہ نہ کہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو قتل کر سکتے ہیں) شیخ لائمؒ میں فرماتے ہیں، احتمال ہے کہ دونوں کو ایک ہی کلمہ قرار دیا جائے پس محدث کی نفی ہوگی اور اس کے حاشیہ میں کہ ”حافظ کہتے ہیں کہ قتادہ کی مرسل روایت میں یہ الفاظ ہیں ”لا والله لا یحدث الناس“ اس سے شیخؒ کے کلام کی تائید ہوتی ہے۔ اھ شتقرؒ اور امام بخاریؒ نے ”کتاب الایمان والتمذد“ کے آغاز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے ”لیس تقنی الکفارة“ (نہیں کفایت کرتا ہے کفارہ) اور حاشیہ لائمؒ میں اس پر تفصیل سے لکھا ہے کہ یہ ایک جملہ ہے کہ دو جملے ہیں؟ عام شارحین نے اس کو ایک جملہ قرار دیا ہے اور میں سنرا اس کو ترجیح دی ہے کہ دو جملے ہیں اور میں نے اس کے متعدد نظائر ذکر کئے ہیں۔ منجملہ ان کے مسجد میں گم شدہ چیز کے تلاش کرنے والے کے بارے میں فرمایا، لا ردھا اللہ علیک (یہاں تلاش نہ کرو واپس کر دے اللہ تعالیٰ تیری چیز) وغیرہ۔ کہ ہم سے زبردستی یہ بات منوائی گئی ہے۔ اور ابن اسحقؒ کی روایت میں ہے کہ ”آپ ہم پر زبردت داخل ہو گئے“ لیکن یہ یعنی آپ کے عمرہ کا ارادہ آئندہ سال پورا ہو گا۔ چنانچہ آپ نے یہی لکھوا دیا۔

صلح نامہ کی ایک اہم شرط ۱۔ پس سہیل نے کہا اور اس شرط پر۔ یہ پہلی شرط پر عطف ہے کہ آپ کے پاس ہمارا جو آدمی بھی آئے، خواہ وہ آپ کے دین پر ہو، آپ اس کو ہمارے پاس واپس کر دیں گے بخاری کی کتاب الشروط میں قصہ حدیبیہ کی ایک طویل حدیث کے ضمن میں اسی طرح ہے۔ زرقانیؒ کہتے ہیں، بخاری ہی کی ایک روایت میں کتاب الشروط کے شروع میں یہ الفاظ ہیں، اور نہیں آئے گا ہم میں سے کوئی فرد“ الخ۔ یہ

الفاظ مردوں کو بھی شامل ہیں اور حورِ قُلّ کو بھی۔ اس لئے عورتیں بھی اس معاہدہ صلح میں داخل تھیں۔ مگر بعد ازاں اُن کے حق میں معاہدہ منسوخ ہو گیا، یا (یہ کہا جائے کہ) حورِ قُلّ بطریقِ محرم ہی اس میں داخل تھیں، پھر اس عموم میں تخصیص کر دی گئی اور ابنِ اسحاق کی روایت میں مزید یہ ہے کہ ”اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متبعین میں سے جو شخص قریش کے پاس آئے، وہ اسے واپس نہیں کریں گے“ اور سلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس شرط پر مصالحت کی تھی کہ تم میں سے جو شخص ہمارے یہاں آئے ہم اُسے واپس نہیں کریں گے اور ہمارا آدمی جو تمہارے پاس آئے ہمیں واپس کرنا ہوگا“

پس معاہدہ نے (ازراہِ حشر و تہجیب) عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم یہ (صریح جابہ انداز شرط بھی) لگھ لیں؟ فرمایا: ہاں! کیوں کہ ہمارا جو آدمی ان کے یہاں جاسے (ہیں اس کی ضرورت کیا ہے بس) اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ دیکھے۔ اور جو شخص ان کے یہاں سے ہمارے پاس آئے (ہم معاہدہ کے مطابق اس کو واپس کر دیں گے مگر) عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے لئے کثرتِ اولاد و نکلنے کی صورت پیدا فرمادیں گے“ اھ

حورِ قُلّ اس شرط میں داخل نہیں تھیں : اور یہاں دو فقہی بحثیں ہیں، جن پر لائحہ اہد اس کے حاشیہ میں مفصل کلام کیا گیا ہے، اول یہ کہ کیا حدیثیں بھی اس شرط میں داخل تھیں اور پھر نزولِ آیت سے اس سے مستثنیٰ ہوئیں یا یہ کہ وہ شروع ہی سے معاہدہ میں داخل نہیں تھیں؟ اس ناکارہ کے نزدیک اؤخر یہ ہے۔ جیسا کہ لائحہ کے حاشیہ میں یہ دونوں قول، جو زرقانی کے کلام میں ابھی اور پر گزرے ہیں، مفصل نقل کرنے کے بعد ذکر کیا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں حورِ قُلّ کو اس سے مستثنیٰ کرنا منظور تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ صورت پیدا کر دی کہ معاہدہ ان الفاظ میں ہوا ”ہمارا جو آدمی آپ کے پاس آئے“ جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے مگر ابنِ عمر نے اس سے عموم سمجھا، چونکہ حورِ قُلّ مردوں کے تابع ہوا کرتی ہیں اس لئے بعض راویوں نے اس کو عموم کے الفاظ سے نقل کر دیا پھر جب عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے آیت امتحانِ نازل فرمائی کہ اس پر تنبیہ کر دی کہ معاہدہ صرف مردوں سے مخصوص ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ معاہدہ کا اصل لفظ ان تین لفظوں میں سے ایک ہوگا، یعنی کوئی مُرد، کوئی مُردہ، جو شخص (رجل، احد، من) اور رجل کا لفظ زیادہ قرین قیاس ہے کیوں کہ مشرکین کو اس میں منازعت کا حق نہیں تھا اور اس سے عموم سمجھنا ان کے فہم کا تصور تھا اور اللہ عزوجل عالم الغیب تھے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا لفظ عام فرمایا جو مقصود سے زیادہ قریب تھا۔

(بعض مضارح از نصر) یعنی بطریقوں کے سبب آہستہ آہستہ چلے آ رہے تھے ان کا نام ماضی تھا، جس کو انہوں نے ترک کر دیا تھا۔ یہ جب اسلام لائے تو کمزریں محسوس کر دینے لگے، انہیں ہجرت سے روک دیا گیا اور اسلام کی خاطر شریعت دی گئیں اور یہ اسلحہ سے نکل کر آئے تھے یہاں تک کہ اپنے آپ کو مسلمانوں کے درمیان لاڈلا سا بن اسحاق کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ سہیل، ابوجندل کی طرف اٹھا، اس کے چہرے پر طمانچہ مارا، اس کا گریبان پکڑا اور اس کی گردن دبائی۔ پس اس کے باپ سہیل نے کہا ”اے محمد! سب سے پہلی چیز جس پر میں آپ سے محاکمہ کرتا ہوں یہ ہے کہ آپ اس کو واپس کر دیں۔ آپ نے فرمایا ابھی تک تو ہم نے صلح نامہ لپٹا نہیں کیا یعنی ابھی تک تو اس کی کتابت کی تکمیل نہیں ہوئی۔ سہیل نے کہا: پھر اس کی قسم! میں آپ سے کسی چیز پر صلح نہیں کرتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چلیے اس کو میری خاطر اجازت دے دیجئے اُجڑوہ! اُجڑوہ! سے امر کا صیغہ ہے۔ یعنی اس کے حق میرے فضل کو نافذ نہ دیکھتے کہ میں اس کو واپس نہ کروں یا اس کو صلح سے مستثنیٰ کر لیجئے۔ اور حمید کی جمع میں الصمیمین میں: اُجڑوہ! ترا کے ساتھ ہے اور ابن جوزی نے ”زاہ کو ترجیح دی ہے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حقوق میں اصل اعتبار زبانی معاہدہ کا ہے اگرچہ اس کی تحریر اور اس پر شہادت ثبت کرنے میں تاخیر واقع ہو جلتے۔ اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل کو اس کو لڑکا ابوجندل واپس کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد: ”ابھی تک تو ہم نے تحریر مکمل نہیں کی“ کے ذریعہ یہ چاہا تھا کہ کسی جیل سے سہیل راضی ہو جائے تو بات قریشی بھی انکار نہیں کریں گے کہ یہ اس کے اپنے بیٹے کا معاملہ تھا لیکن جب اس نے انکار پر رضہ باندھ لی۔ تو آپ نے اس کو واپس کر دیا، پس سہیل نے کہا میں اس کی کبھی اجازت نہیں دوں گا۔ آپ نے مکر فرمایا: کہ اس کو تو بھی اجازت دے ہی دو، سہیل بولا: میں ایسا نہیں کر سکتا۔ اور مرکز نے کہا اور واقعہ کی مطابقت مرکز اور حلیط نے کہا کہ انہیں بلکہ ہم آپ کی خاطر اس کو اجازت دیتے ہیں۔ یہ کہہ کر ان دونوں نے ابوجندل کو پکڑ کر خیمہ میں داخل کر لیا اور اس کے باپ کو اس کے مارنے سے ہٹا دیا۔ حافظہ رکھتے ہیں کہ یہاں یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ سہیل نے مرکز کو کیا جواب دیا، بعض شارحین کا کہنا ہے کہ ”اس کو کوئی جواب نہیں دیا کیوں کہ مرکز کا عقد صلح سے کوئی تعلق نہیں تھا۔“ لیکن یہ عمل نظر ہے کیوں کہ واقعہ کی روایت ہے کہ مرکز بھی سہیل کے ساتھ صلح کے سلسلہ میں آیا تھا اور ان کے ساتھ حلیط بن عزیٰ بھی تھا۔ مگر ان دونوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ اجازت صرف مذاب و حیزہ سے امن دینے تک محدود تھی، مسلمانوں کے پاس اس کے رہنے کی اجازت نہیں تھی، لیکن اس پر اشکال ہر تلک ہے کہ صحیح کی روایت میں ہے کہ مرکز نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالب

ہو کر کہا کہ ہم نے آپ کی خاطر اس کی اجازت دی اور اسی بنا پر اس کا رویہ اشکال کا باعث سمجھا گیا کیوں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے خلاف تھا کہ ”وہ فاجر آدمی ہے“ لہذا ہر اس کے فاجر ہونے کا معقنی یہ تھا کہ وہ سہیل کی ہمنوائی کرنا۔ اور اس اشکال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس کا فاجر ہونا تو ایک حقیقت ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے شاذ و نادر بھی کوئی نیکی وقوع میں نہ آئے یا ممکن ہے کہ اس نے یہ بات ازراہ لفاظی کہی ہو اور باطن میں اس کے خلاف ہو یا ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد من لیا ہو کہ ”وہ فاجر ہے“ اس لئے اسکے خلاف کو قائل ہر کرنے کا ارادہ کیا ہو اور اگر واقعی اور ابن عابد کی روایت ثابت ہو تو وہ ان احتمالات سے قوی تر ہے کیونکہ اس کے اجازت دینے کا مقصد صرف یہ تھا کہ اسکو مزا دینا بند کر دیا جائے تاکہ وہ اپنے باپ کی اطاعت کی طرف رجوع ہو جائے پس وہ اس اجازت کے ساتھ بھی فور سے خارج نہیں ہوا اور ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ ”سہیل نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی آمد سے پہلے میرے اور آپ کے درمیان قطعی فیصلہ ہو چکا تھا آپ نے فرمایا تو نے ٹھیک کہا“

ادریغ قدس سرہ تلامذہ میں فرماتے ہیں کہ مکڑ کا یہ کہنا کہ ”ہم نے آپ کی خاطر اس کو اجازت دے دی“ چونکہ مکڑ نے تو قریش کی جانب سے وکیل تھا نہ ابو جندل کا ولی تھا اس لئے اس کی بات نہیں سنی گئی“ اور لاس کے حاشیہ میں اس پر مفضل کلام کیا گیا ہے اور اس میں حافظ کا وہ کلام بھی ذکر کیا ہے جو ابھی اوپر گزرا اور اس کے آخر میں ہے کہ حافظ نے جبر کہا ہے کہ: ”بعض شامین کا خیال ہے کہ سہیل نے مکڑ کو کوئی جواب نہیں دیا“ الخ اس سے کہانی مراد ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں: ”اگر تم کہو کہ جب مکڑ نے کہہ دیا تھا کہ ہم نے اس کو اجازت دے دی تو آپ نے ابو جندل کو مشرکین کی طرف کیوں واپس کیا؟ جواب یہ ہے کہ عقد صلح کو طے کرنا سہیل تھا نہ کہ مکڑ، پس اسی شخص کا قول معتبر ہے جو صلح طے کر رہا ہے نہ کہ مکڑ کا قول“ اور ابو جندل نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا: اے مسلمانو! کیا مجھے مشرکوں کے حوالے کیا جائے گا جب کہ میں مسلمان ہو کر آیا ہوں؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ مجھے کن مصائب سے سامنا ہے؟ ان کو اللہ کے راستہ میں بہت ہی سخت عذاب دیا گیا تھا۔ ابن اسحاق نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ”ابو جندل بنہ آواز سے فریاد طلبی کے انداز سے کہنے لگا، اے مسلمانو! کیا مجھے مشرکین کے حوالے کر دیا جائے گا کہ وہ مجھے دین سے بچلاتے ہیں؟ یہ سن کر مسلمانوں کے غم و اندوہ میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔“ اور خیس میں ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ سہیل ایک لیکر کے درخت کی طرف گیا اس سے ایک شاخ کاٹی اور اس سے ابو جندل کے منہ پر مارنے لگا، یہ منظر دیکھ کر مسلمانوں پر رقت طاری ہو گئی اور وہ رونے

گئے، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے ابو جندل صبر کر اور اللہ سے ثواب کی امید رکھ، کیوں کہ اللہ تعالیٰ تیرے لئے اور تیرے ساتھ کے اور مسلمانوں کے لئے کثرتِ بخشش اور غریح (اس مصیبت سے نکلنے کا راستہ) پیدا فرمادیں گے، ہم ان لوگوں سے ایک معاہدہ کیجئے ہیں اور ہماری صلح ہو چکی ہے جس میں واپس کی شرط بھی ہم نے قبول کر لی ہے، ان لوگوں نے ہمیں اللہ کا عہد دیا ہے اور ہم ان سے بدعہدی نہیں کریں گے۔“ اور حضرت عمرؓ بن خطابؓ اپنی جگہ سے فوراً اٹھ کر ابو جندل کے پہلو میں چلنے لگے اور ان سے فرما رہے تھے: ”اے ابو جندل! یہ تو مشرک ہیں، ان میں سے ایک ایک کا خون کتنے کتنے خون کی حیثیت رکھتا ہے اور حضرت عمرؓ تلوار اُس کے قریب کر رہے تھے اور بعد میں فرماتے تھے: مجھے توقع تھی کہ وہ تلوار لے کر اپنے باپ کا سر اڑا دے گا۔ مگر ان صاحب کو اپنے باپ سے یہ سلوک گوارا نہ ہوا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ابو جندل نے کہا: اے عمرؓ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے مجھ سے زیادہ مستحق نہیں ہو۔“

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ جب گھر سے چلے تھے تو چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا تھا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں اس لئے انہیں فتح میں قطعاً شک نہیں تھا اگرچہ انہوں نے دیکھا کہ یہاں صلح ہو گئی ہے اور وہ فتح کے بغیر واپس جا رہے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کڑی شرطیں بھی قبول فرما لی ہیں تو انہیں اس کا اتنا صدمہ ہوا کہ قریب تھا کہ وہ اس صدمے سے مر جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ”اللہ! میں جب سے اسلام لایا اس دن کے سوا مجھے کبھی کسی معاملہ میں تردد نہیں ہوا۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: کیا آپ اللہ کے سپہ بنی نہیں؟“ امرج نہیں میں اسی طرح ہے اور یہ لڑی گنگو بخاری کی روایت سے آگے آتی ہے۔ زرقانی، حافظؒ کی متابعت میں کہتے ہیں: ”علماء نے کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سوال اور ان کی گنگو خدا نخواستہ دین میں شک کی وجہ سے نہیں ہوئی، تو بہ تو یہ کہیے ہو سکتے ہیں، چنانچہ ابن اسحقؒ کی روایت میں ہے کہ جب حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا: آپؐ کی رکاب تھامے رکھ کر آپؐ اللہ تعالیٰ کے سپہ رسول ہیں“ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”ہیں بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ واقعی اللہ کے سپہ رسول ہیں صلی اللہ علیہ وسلم“۔ بلکہ ان کی ساری گنگو کا نشانہ اس صلح کی مصلحت دریافت کرنا تھا جو ان سے غنی تھی، اور ان کی (کفار کی) تذلیل کرنا اور اسلام کے غلبہ پر انگیزہ کرنا تھا، جیسا کہ نصرتِ دین اور تذلیلِ مبطلین کے بارے میں ان کی عادت اور شدت معروف ہے۔ میں کہتا ہوں! پس یہ شک جس کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول میں ذکر ہے وہ نہ تو دین میں متاثر نہ رسالت میں بلکہ اس امر میں تھا کہ صلح مصلحتِ دین کے حق میں

ہے یا نہیں؟ اور اس کا منشا یہ تھا کہ وہ اللہ کے معاملے میں سب سے سخت تھے۔ حافظ گنجی میں "عجرات میرے تھے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کا توقف اس مقصد کے لئے تھا کہ وہ اس قصہ کی حکمت سے واقف ہو جائیں اور ان کا شبہ زائل ہو جائے۔ اس کی نظر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ قصہ ہے جو عبداللہ بن ابی بن سلول کی نماز جنازہ کے وقت میں آیا۔ اگرچہ صلح حدیبیہ کے قصہ میں ان کا اجتہاد حکم کے مطابق واقع نہیں ہوا، بخلاف آخر الذکر قصہ کے۔ اور انہوں نے جو اعمال کئے وہ اسی بنا پر کئے ورنہ ان سے جو کچھ صادر ہوا تھا وہ اس میں معذور ہی نہیں بلکہ ماجور بھی تھے کہ وہ اس معاملہ میں مجتہد تھے۔" آتہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اعمال کئے ان کا بیان آگے آتا ہے۔

مکمل صلح سے قبل دو غلاموں کی آمد: اور اس قصہ پر اس حدیث سے اشکال نہیں ہوتا جو مشکوٰۃ میں ہے: "ابو داؤد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ "حدیبیہ کے دن صلح سے پہلے دو غلام حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، ان کے آقاؤں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کھاکر اُٹھادیا آپ کے پاس اس لئے نہیں آئے کہ انہیں آپ کے دین سے رغبت ہے، بلکہ محض غلامی سے فرار کی بنا پر آئے ہیں۔" صحابہؓ میں سے کچھ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! انہوں نے صبح کھا ہے آپ ان کو واپس کر دیجئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہوئے اور فرمایا اے جماعت قریش! میرا خیال ہے تم اس کا نہیں آؤ گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تم پر ایسے افراد مسلط کر دے جو اس پر تہاوری گدیز ہاں۔ اور فرمایا: "یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے آزاد ہیں" (اشکال وارد نہ ہونے کی وجہ یہ ہے) کہ یہ قصہ صلح سے قبل پیش آیا اور شیخ بڈل میں اس طرف مائل ہوئے ہیں کہ یہ قصہ حدیبیہ کا نہیں بلکہ غزوہ طائف کا ہے اور اس کو تین درجہ سے ترجیح دی ہے، لیکن اس ناکارہ کے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ اس میں کوئی امر مانع نہیں کہ قصہ دونوں جگہ پیش آیا ہو۔ کیوں کہ ابو داؤد، ترمذی اور حاکم کی روایت میں یوم حدیبیہ کی تصریح ہے اور ابو داؤد کی روایت میں "یعنی یوم حدیبیہ" کا لفظ ہے اور ترمذی اور حاکم کی روایت میں "یعنی" کا لفظ نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے چینی: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا، پس عرض کیا کہ یہ کیا واقعہ نہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پیچھے بنی رہیں، آپ نے فرمایا: "بلا شک" میں نے عرض کیا: کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں؟ فرمایا: "بے شک" اور بخاری کی کتاب الحجۃ اور کتاب التفسیر میں یہ اضافہ کیا ہے کہ میں نے عرض کیا: کیا یہ واقعہ نہیں کہ ہمارے مقتول جنت میں اور ان کے مقتول جہنم میں جائیں گے؟ فرمایا: "بے شک" اور یہ غلبہ کتاب الشریعہ میں نہیں۔ عرض کیا: جب یہ سب کچھ صبح ہے تو پھر میں ہمارے دین کے معاملہ میں خست اور ذلت کیوں دی جا رہی ہیں؟ اور تفسیر اور جزیر میں یہ اضافہ ہے کہ کیا ہم یوں ہی واپس لوٹ جائیں

جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان فیصلہ نہیں کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں اللہ کا رسول ہوں اور میں اس کے حکم کے خلاف نہیں کر رہا اور وہ میری مدد فرمائیں گے، اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قلق اور اضطراب زائل کرنے کے لئے ان کو تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ آپ نے یہ معاہدہ کسی ایسے مقصد کی خاطر کیا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرمایا ہے اور یہ کہ آپ نے جو کچھ کہی ہے وہ وحی سے کیا ہے میں نے عرض کیا کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور طواف کریں گے؟ اس میں تنبیہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواب مدینہ منورہ میں دیکھا تھا۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے وہاں حاکم کی روایت ہے کہ صحابہ کو اس بارے میں ذرا بھی شک و شکاک نہ تھا کہ مندرجہ فرستج ہو گی مگر جب انہوں نے دیکھا کہ یہاں تو صلح ہو گئی تو انہیں اس سے اتنا صدمہ ہوا کہ قریب تھا کہ صدمہ سے ہلاک ہو جائیں، فرمایا "یہ تو صحیح ہے مگر کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال جائیں گے؟ میں نے عرض کیا یہ تو نہیں فرمایا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہیں تم بالضرورت اللہ جاؤ گے اور طواف کرو گے" اور واقعی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "اس دن مجھے عظیم صدمہ ہوا اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا سوال جواب کیا جو اس سے قبل کبھی نہیں کیا تھا" اور بڑا نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو گئے مگر میں انکار ہی کرتا رہا یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے عمر! تم دیکھ رہے ہو کہ میں راضی ہو گیا ہوں مگر تم انکار ہی کئے جاتے ہو" اور بخاری کی کتاب الجزیہ اور کتاب التفسیر میں حضرت سہل بن مخنف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابن خطاب! میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے ہرگز ضائع نہیں فرمائیں گے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غم و غصہ کی حالت میں واپس ہوئے مگر کسی کو دھڑپیں نہیں آتا تھا، یہاں تک کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے پناہ چاہنے لگے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "پس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا، حافظہ کہتے ہیں کہ "حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ذکر نہیں کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے اس سلسلہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ کسی اور سے بھی مراجعت کی ہو۔ اور یہ اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جلالتِ قامہ اور وسعتِ علمِ مسلمِ حق "نذاتی" کہتے کہ ان اسٹیج کی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل حضرت ابو بکر سے سوال کرنا مذکور ہے، مگر صحیح کی روایت زیادہ صحیح ہے خصوصاً جب کہ ایک دوسری حدیث میں اس کی وضاحت بھی موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر کے پاس جاسے کا سبب کیا تھا "اور ایک دوسری جگہ کہتے ہیں، "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت ابو بکر سے سوال و جواب کرنے کا سبب وہ شدید غم و غصہ تھا جو انہیں لاحق تھا،

اور دین کی نصرت و سرمدی اور کامزوں کی تدلیل کا وہ شدید داعیہ محتاجوں میں موجزن تھا، جیسا کہ حضرت سہیل بن حنیف اس کو اپنے لفظوں میں یوں بیان فرماتے ہیں کہ، وہاں سے غم و غصہ کی حالت میں ٹوٹے، مگر کسی کر دھڑ چپ نہیں آیا میان تک کہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے۔ اللہ پس میں نے کہا! اسے ابوبکرؓ اکی! آپ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیچھے نہیں ہیں؟ کہا، کیوں نہیں؟ بے شک پیچھے نہیں ہیں۔ میں نے کہا، کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ کہا، کیوں نہیں؟ یقیناً۔ میں نے پھر کیا ہیں ہمارے دین کے بارے میں ذلت اور خست کیوں دی جا رہی ہے۔ ابوبکرؓ نے عرضی اللہ عنہا سے کہا، ارے میاں! یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور آپ اپنے رب کے حکم کے خلاف نہیں کرتے، اور اللہ تعالیٰ آپ کی ضرورت مدد کرے گا، اس لئے آپ کی رکاب تلخے رکھو، غزوہ (فتح مین معبرہ و سکون را اور اس کے بعد زنا، اونٹ کی رکاب کو کہا جاتا ہے) یعنی آپ کے حکم کو مضبوطی سے پکڑو، اور آپ کی مخالفت نہ کرو جس طرح کوئی شخص سوار کی رکاب تلخا ہے اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے اور اس سے کسی وقت جدا نہیں ہوتا اور الہدیٰ میں یہ اضافہ ہے: ”بیان تک کہ تہا ہی مروت آجائے“ اور لامع میں ہے کہ ”یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم کیا گیا ہے کہ مرتے دم تک آپ کا ساتھ دیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی امر و نہی میں آپ کے خلاف نہ کریں۔“ اے کیوں کہ اللہ کی قسم! آپ حق پر ہیں، میں نے کہا کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے یہ نہیں فرماتے تھے کہ ہم بیت اللہ جاؤں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ کہا، یہ تو صحیح ہے مگر کیا آپ تم سے یہی فرمایا تھا کہ تم اسی سال جاؤ گے؟ میں نے کہا، یہ تو نہیں فرمایا تھا۔ کہا، پھر تم ضرور جاؤ گے اور بیت اللہ کا طواف کرو گے: الغرض حضرت ابوبکرؓ نے لفظ بلفظ ٹھیک وہی جواب دیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا، اس سے ثابت ہوا کہ؟ حضرت ابوبکرؓ تمام صحابہؓ میں سے کامل، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کے سب سے زیادہ واقف، امور دین کے سب سے بڑے عالم اور امر الہی کی موافقت میں سب سے مضبوط تھے۔ اور فتح میں ہے ”اس حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ مسلمانوں نے صلح مذکور کو ناگوار سمجھا، عام مسلمان اس سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے پر تھے، اور اس جگہ سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں ان کے موافق نہیں تھے، بلکہ آپ کا قلب ٹھیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کے ہرگز تھا، اور ہجرت کے بیان میں آتا ہے کہ ابن ابی بنیہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ٹھیک وہی اوصاف بیان کئے ہیں جو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کئے تھے کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، ناداروں کا رجحہ اٹھاتے ہیں اور ناگہانی مصائب میں لوگوں کی اعانت فرماتے ہیں، وغیرہ چونکہ دونوں کی

صفات ابتداء ہی سے ہرنگ تھیں، اس لئے یہ ہرگز نہ صرف آخر تک رہی بلکہ انتہا کو پہنچ گئی۔
 میں کہتا ہوں کہ یہ وہی حالت ہے جس کو حضرات صوفیہ "نسبت اتحادیہ" سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ ان چاروں
 نسبتوں میں سے ایک ہے جو صوفیہ کے میاں معروف ہیں۔ یعنی نسبت العکاسیہ، نسبت القایہ، نسبت اصلاحیہ
 اور نسبت اتحادیہ۔ میں نے حاشیہ لائحہ کے ابتدائی اوراق میں، جہاں ابتداء وحی کے وقت حضرت جبریل علیہ السلام
 کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نفل میں لے کر دبانے کا ذکر ہے، ان کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اور کتب حدیث میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس "نسبت اتحادیہ"
 کی بہت سی مثالیں مذکورہ الصدور و واقعات کے علاوہ بھی مذکور ہیں، ان میں ایک اُسامی ہمدانی کا واقعہ ہے جس
 میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت کی تھی اور اسی "نسبت اتحادیہ" کے نتیجے میں آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ غلیظہ بلا فصل ہوئے کیوں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کے فراق سے نہایت وحشت و دہشت طاری تھی، ان حالات میں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت
 کسی ایسے شخص کے سپرد ہوتی جس کی طبیعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کے ذرا بھی خلاف ہوتی تو اس
 کے احکام میں مزید وحشت پیدا ہو جاتی، اور میں نے حاشیہ لائحہ میں اسی کی طرف مختصر اشارہ کیا ہے، چنانچہ اس
 میں لکھا ہے کہ "حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے تقدم کے وجہ و اسباب میں سب سے بڑی وجہ
 سچ کران کی خواہش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات و عواطف کے یکسر تابع تھی اور یہی سبب تھا کہ حضرت
 صحابہ کو ان کے احوال سے انس حاصل ہوا۔ رضی اللہ عنہ۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "بعد ازاں اس کی خاطر میں نے بہت سے عمل کئے۔ بعض شارحین نے
 "بہت سے اعمال" کی تفسیر آمد و رفت اور سوال و جواب سے کی ہے، حافظؒ کہتے ہیں "بہت سے اعمال" کی یہ تفسیر
 مردود ہے، بلکہ اس سے مراد اعمال صالحہ ہیں، تاکہ ان سے ابتداء میں انتقال امر سے جو توقف سرزد ہوا، اس کا ازالہ اور
 تکفیر ہو جائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر منقول ہے، چنانچہ ابن اسحاق کی روایت ملے گی کہ "حضرت
 عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسدن میں نے جو کچھ کیا اور جو گفتگو ہوئی اس کے خوف سے میں نے صدقہ کئے، روئے
 رکھے، غازیں پٹھیں اور غلام آزاد کئے۔" اور واقعہ کی روایت میں ہے کہ: "میں نے اس کی وجہ سے بہت سے
 غلام آزاد کئے اور مدت تک روزے رکھے۔"

صلح نامہ کی دس دفعات: زمرانی کہتے ہیں: اور دس سال کے لئے صلح کا معاہدہ ہوا تھا۔ جیسا کہ ہیکل کی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ابتدائی گفتگو میں مفصل کر چکا۔ اور غصے میں ہے کہ: ”سہیل نے جو شرط بھی پیش کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے قبول کرتے گئے، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے گئے اور لکھا کہ: یہ وہ تحریر ہے جس پر محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم) نے سہیل بن عمرو سے مصالحت کی۔ اور دونوں نے دس برس تک لڑائی موقوف رکھنے پر اتفاق کیا تاکہ لوگ اس مدت میں امن سے رہیں اور ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائیں، اور یہ کہ قریش کا جو شخص دلی کی اجازت کے بغیر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے اگرچہ وہ مسلمان ہو، وہ اسے واپس کریں گے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رفتار میں سے جو شخص قریش کے پاس آئے وہ واپس نہیں کیا جائے گا اور یہ کہ ہمارے درمیان دامنہ ہیں گئے، یعنی بہت سے امور ہیں جو صاف سینوں میں دفن ہیں گئے، یہ اس امر کی جانب اشارہ تھا کہ اس کے قبل اسباب حرب وغیرہ کے جو قبضے فریقین کے درمیان پیش آچکے ہیں ان پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا اور یہ کہ چوری اور حیات نہیں ہوگی۔ اسلحہ تل سے ماخوذ ہے یعنی چوری کرنا اور اطلاق کے معنی خیانت کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ فریقین امن و امان سے رہیں گے اور فریقین کے جان و مال سر آجرا نامرن و محفوظ رہیں گے، اور یہ کہ جو قبیلہ قریش کے عقد و معاہدہ میں شامل ہو چاہے شامل ہو سکتا ہے اور جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب شامل ہونا چاہے، اس جانب شامل ہو جائے۔

چنانچہ خزامہ فوراً آٹھے اور کہا: ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد و معاملہ میں شامل ہوتے ہیں۔ اور جو کرے کہہا کہ ہم قریش کے عقد و معاہدہ میں شامل ہوتے ہیں۔ اور یہ کہ آپ اس سال واپس لوٹ جائیں، پس ہمارے یہاں کہ میں نہ آؤں، اور یہ کہ آئندہ سال ہم کرے نکل جائیں گے پس آپ اور آپ کے صحابہ داخل ہوں اور تین دن رہیں، آپ لوگوں کے ساتھ صرف وہ ہتھیار ہوں جو سوار کے پاس ہوتے ہیں یعنی نیام میں بند تلواریں، ان کے علاوہ آپ کوئی ہتھیار نہیں لائیں گے۔ اندھنئیس کی عبارت ختم ہوئی۔ اور زکاتی میں ہے کہ: ”ایک شرط یہ تھی کہ آپ اس سال نہیں بلکہ آئندہ سال مکہ آئیں گے، تین دن رہیں گے اور صرف بند ہتھیار ساتھ لائیں گے۔“ ثقیان البغیم جم و سکون لام بام موعده بغیر تشدید کے پھر الف پھر نون یا تھیلے جیسی ایک چیز پڑتی ہے جس میں نیام بند تلوار رکھی جاتی ہے۔ اور ایک روایت میں ثقیان، بغیم جم و لام اور تشدید بام کے ساتھ ہے یعنی وہ تھیلے جن میں اسلحہ رکھا جائے۔ یہ شرط اس بنا پر لگائی تاکہ مسلح کی علامت ہو کہ ان کا داخلہ صلی تھا۔

گو اہوں کے دستخط : جب مسلح نامہ کی تحریر سے فارغ ہوئے۔ ابن اسحاق نے یہ اضافہ کیا ہے کہ جب

بین القومین کی عبارت اصل عربی اخیر میں رہ گئی تھی، حضرت شیخ مدنی منہج کے حکم سے ترجمہ میں اضافہ کیا گیا مترجم

صلح نامہ کی تحریر سے فراغت ہوئی تو صلح نامہ پر طرفین کے چند افراد کی شہادت ثبت کر دی گئی، مسلمانوں کی طرف سے حضرت ابوبکر، عمر، علی، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، عمرو بن مسلم، عبداللہ بن سہیل بن عمرو اور۔
 البر عبیدہ بن جراح کے اور مشرکین کی طرف سے مکر بن حفص اور حوطلیب بن عبدعزیٰ کے نام ذکر کئے گئے ہیں فتح البدر
 میں اسی طرح ہے اور کچھ اضافہ خیس سے کیا گیا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: اٹھو!
 نحر اور حلق کر دو حافظہ کہتے ہیں کہ ابوالاسود کی روایت میں عروہ سے مروی ہے کہ جب صلح سے فارغ ہوئے تو
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدی کا حکم فرمایا۔ پس مسلمانوں نے ہدی کے جانور حرم کی طرف کھینچے، اور مشرکین قریش
 نے ان کو روک دیا، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر کا حکم فرمایا اور زرقانی نے اس پر اضافہ کیا ہے کہ۔
 ”ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہدی کے اونٹوں کو بیت اللہ شریف سے روک دیا گیا تو وہ اس طرح دریا
 نکالتے تھے جس طرح اپنی اولاد کے اشتیاق میں آواز نکالا کرتے ہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدی کے
 اونٹوں کو حدیبیہ میں اسی جگہ ٹھہرایا جہاں ان کو روک دیا گیا تھا“ یعنی اکثر کہ۔ لہذا یہ روایت اس دوسری روایت
 کے منافی نہیں جو ابن سعد نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقل کی ہے کہ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ
 بنو اسلم کے ایک شخص کے ساتھ میں اونٹ بھیجے تاکہ انہیں مردہ کے پاس ٹھہرا جائے۔“ زرقانی میں اسی طرح ہے
 اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ابن کثیرؒ نے امام احمدؒ کے حوالے سے ذکر کی ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم نے حدیبیہ کے دن ستر اونٹ نحر کئے، جن میں ابو جہل کا اونٹ بھی شامل تھا، پس جب ان کو بیت اللہ
 سے روک دیا گیا تو وہ ایسی مشتاقانہ آواز نکالتے تھے جیسے اپنی اولاد کے اشتیاق میں نکالتے ہیں۔ پس اللہ کی قسم
 صحابہؓ میں سے ایک بھی نہ اٹھا۔ کہا گیا ہے کہ غالباً انہوں نے اس بنا پر توقف کیا کہ شاید یہ حکم استحباب کے لئے
 ہو یا اس وقوع پر کہ شاید نزل وحی کے ذریعہ صلح مذکور کا عدم قرار دے دیا جائے یا انہیں اسی سال عہدہ کے
 لئے مکر جانے کی اجازت دے کہ اس میں تخصیص ہو جائے، اور اس کی گنجائش اس لئے تھی کہ یہ زمانہ نفع کا تھا،
 اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ صلح جو دُب کر ہوئی تھی اس نے انہیں بہت اور بے خود کر دیا ہوا وہ ریاس نکر میں مستغرق
 ہوں کہ باوجود ظہور قوت کے ان کے خیال میں انہیں زلت لاحق ہوئی، جبکہ انہیں یقین تھا کہ وہ قبو غلبہ کے ساتھ
 اپنے مقصد کو حاصل کر سکتے ہیں اور اسے عہدہ کی قدرت رکھتے ہیں۔ یا انہوں نے قبیل حکم میں اس لئے تاخیر کی کہ
 ان کا اعتقاد یہ تھا کہ ابرہہ مطلق کافی الفوج بالانا ضروری نہیں۔ اور احتمال ہے کہ یہ امر مجموعی طور پر ان کے مجموعہ کو
 پیش آئے ہوں۔ (یعنی بعض حضرات کے لئے بعض امور اور دوسرے بعض کے لئے دوسرے بعض امور) جیسا

کہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے کلام میں آگے آتا ہے، یہاں تک آپؐ نے تین بار یہی فرمایا: پس جب کوئی زنا تھا تو آپؐ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ اس سفر میں آپؐ کے ساتھ صرف اُم سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں، جیسا کہ ابتداء میں گذر چکا ہے۔ پس ان سے اُس امر کا تذکرہ کیا جو لوگوں کی جانب سے آپؐ کو پیش آیا تھا۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ: آپؐ نے اُن سے فرمایا: تم لوگوں کی حالت نہیں دیکھ رہی ہو کہ میں انہیں حکم دیتا ہوں مگر وہ اس کو بجا نہیں لاتے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: یہ بات آپؐ کو بہت گراں گزری، پس اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا: مسلمان ہلاک ہو گئے ہیں۔ میں نے ان کو حکم دیا کہ حلق اور سحر کریں مگر انہوں نے نہیں کیا۔ راوی کا بیان ہے کہ اس دن صحابہ کرامؓ کی مشکل اللہ تعالیٰ نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاعا کے ذریعہ حل فرمائی، چنانچہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اس کو پسند فرماتے ہیں؟ باہر تشریف لے جائیے اور کسی سے ایک لفظ کہے بغیر اپنی ہدیٰ ذبح کر دیجئے، اور حلاق کو بلا کر حلق کرا لیجئے۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ: اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان سے بات نہ کیجئے، آپؐ نے امر صلح میں جس مشقت کا تحمل فرمایا ہے اس کی وجہ سے نیز بغیر فتح کے واپس لوٹنے کی وجہ سے انہیں صدرِ عظیم لاحق ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے صحابہ کے بارے میں یہ سمجھا ہو کہ انہیں یہ خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس رخصت پر عمل کرنے کے لئے احرام کھونے کا حکم فرمایا ہے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حریمت پر عمل فرماتے ہوئے احرام باقی رکھیں گے۔ اس لئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا کہ آپؐ خود اپنا احرام کھولیں تاکہ صحابہ کرامؓ کے سامنے یہ احتمال باقی نہ رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ یہ صائب مشورہ ہے اس لئے یہی کیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، کسی سے کچھ نہیں کہا بلکہ اپنے اوٹھوں کا اور ایک روایت میں ہے کہ اپنی بکرا کاٹ کر کیا۔ ابن اسحاق نے روایت ابی جاس رضی اللہ عنہ۔ یا ضافہ کیا ہے کہ آپؐ کی ہڈی کے ستر اونٹ تھے، جن میں ابو جہل کا اونٹ بھی تھا، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور حلاق کو بلا کر حلق کرایا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں: مجھے یہ بات پہنی ہے کہ جن صاحب نے اس دن آپؐ کا حلق کیا، ان کا نام خراش (خار، رالف، اور شین کے ساتھ) ابن امیہ خزامی تھا، پس جب صحابہؓ نے یہ دیکھا تو فوراً اٹھے اور سحر کیا، حافظؒ کہتے ہیں: پس جب صحابہؓ نے یہ دیکھا تو فوراً امر ہنزی کی طرف سبقت کی کیوں کہ اس کے بعد کوئی حالت متعلقہ باقی نہیں رہ گئی تھی۔ اور ایک دوسرے کا حلق کرنے لگے، یہاں تک کہ قریب تھا کہ غم کی وجہ سے ایک دوسرے کو قتل ہی کر دیں۔ اور بخاری میں حضرت

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (عمو کے لئے) نکلے، پس گفتار میں حاضر ہو گئے۔ اس روایت کے آخر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق کیا اور صحابہؓ نے قصر کیا۔ ملا علی قاری مرقات میں کہتے ہیں: ”یعنی بعض صحابہؓ نے قصر کیا اور باقی حضرات نے حلق کیا تھا۔“

حلق کرانے والوں کے لئے تین بار دُعا کرنا: اور طہنات میں ہے کہ ”آپ کے صحابہؓ نے عمو اور عام حضرت نے حلق کرایا اور کچھ لوگوں نے قصر پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حلق کرانے والوں پر رحم فرمائے؟ یہ دعائیں بار فرمائی عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! اور قصر کرنے والوں پر بھی؟ ابن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے اس دن حلق کرایا اور کچھ حضرت نے قصر کرایا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حلق کرنے والوں پر رحم فرمائے صحابہؓ نے عرض کیا: اور قصر کرنے والوں پر بھی۔ احمدیث اور اسکے ازید ہے کہ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! آپ نے حلق کرانے والوں کو رحمت کی دعا کرنے میں ترجیح کیوں دی؟ فرمایا وہ شک میں نہیں پڑے۔ ”ذرفانی کہتے ہیں کہ مغلطائی نے کہا ہے: اور اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا بھیجی جیسا کہ ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو بیت اللہ سے روک دیا گیا۔ اور انہوں نے حلق و تحرک کیا تو اللہ تعالیٰ نے زور کی ہوا بھیجی جس نے ان کے بالوں کو اکٹھا کر حرم میں لا ڈالا۔ یہ ان کے بیت اللہ سے روک دیئے جانے کی تلافی تھی ابو عمر کی روایت میں یہ مذکور ہے کہ وہ قبول عمو کی نیک فالی سے بہت ہی خوش تھے غالباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرنے مبارک اس سے مستثنیٰ تھے۔ چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ خراش نے جب آپ کا حلق کیا تو آپ کے مرنے مبارک لیکر کے سر پر زخمت پر جرائن کے قریب ہی تھا، پھینک دیئے پس لوگ اس کے اوپر سے لینے لگے اور اُمّ عمارہ نے آپ کے مرنے مبارک کے کئی گچھے لئے، وہ ان کو دھو کر کہ بیماروں کو پلائی تھیں جس سے وہ شفا یاب ہو جاتے تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ مرنے مبارک کا اکثر حصہ صحابہؓ نے لے لیا ہو اور باقی مادہ ہوا سے اڑ کر حرم شریف میں جا پڑے ہوں۔ اور صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلیہ میرے دن ہم سے فرمایا، تم لوگ تمام روئے زمین کے لوگوں سے افضل ہو“ اور مسلم و دیگر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ”کوئی شخص جو بد اور حدیث میں شریک ہو اور زخ میں داخل نہیں ہوگا“ اور امام مسلم نے حضرت اُمّ مبشر رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے: آپ فرماتے تھے کہ ”اصحاب شجرہ میں سے کوئی شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا“ ابو عمر کہتے ہیں کوئی مغزوہ و مغزوہ بدر کے مسادی یا اس کے قریب نہیں، بجز

غزوہ مدینہ کے، کہ وہاں بیعت رضوان ہوئی تھی، لیکن دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ غزوہ احد کہ غزوہ مدینہ پر ترجیح حاصل ہے اور وہ فضیلت میں غزوہ بدر کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔

حدیث میں قیام کی مدت : اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں دس دن سے کچھ زیادہ فرودکش رہے، بعض نے بیس دن بتائے ہیں اور واقدی اور ابن سعد نے ”کچھ زیادہ“ کو مبہم رکھا ہے۔ شامی میں ان دونوں سے انیس دن نقل کئے ہیں اور ابن عثیمہ نے ڈیڑھا قیام کا ذکر کیا ہے۔

قصہ حدیبیہ سے متعلق فقہی مباحث : معنی یہ ہے کہ قصہ حدیبیہ میں بہت سے فقہی ابحاث ہیں جن کی تفصیل واجبہ اور لائحہ کے حاشیہ میں مذکور ہے۔ اس مختصر مقالہ میں ان کے ذکر کی گنجائش نہیں۔ چنانچہ اجزائیں باب مباحث میں احصا کر دیں گے۔ ذیل میں ہے کہ : اس میں بہت سے ابحاث ہیں، ۱۔ احصار کس چیز سے متحقق ہوتا ہے؟ ۲۔ کیا عمرہ میں بھی احصار متحقق ہوتا ہے؟ ۳۔ وجوب قصا کی بحث۔ ۴۔ وجوب ہدی کی بحث۔ ۵۔ بخر ہدی کے زمانہ و مکان میں اختلاف۔ ۶۔ جو شخص ہدی سے عاجز ہو گیا وہ کسی اور چیز کی طرف انتقال کر سکتا ہے؟ ۷۔ وقوف عرفات کے بعد بیت اللہ سے روک دیئے جانے کی بحث۔ ۸۔ کیا محصر کے بنائے احرام کھولنے وقت حلق کرنا لازم ہے؟ ۹۔ کیا احرام کی وقت شرط لگائے محصر کے لئے مفید ہے؟ ۱۰۔ حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احصار۔ ۱۱۔ حدیبیہ میں داخل ہے یا حرم؟ ۱۲۔ جس شخص کو احرام سے قبل احصار کا علم ہو جائے اس کا حکم؟ ۱۳۔ ماقیمین الہدی سے کیا مراد ہے؟ علاوہ ان میں دیگر مباحث جو اجزائیں میں مذکور ہیں۔

سورہ فتح کا نزول : پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس ہوئے۔ درآنحالیہ صحابہ کے دل میں اس بات کا قلق تھا کہ فتح نہیں ہوئی۔ جب کہ مدینہ منورہ سے چلتے وقت انہیں اس کے بولنے میں کسی طرح کا شک نہیں تھا، پس جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی راستہ ہی میں تھے سورہ فتح نازل ہوئی۔ مذاقاً کہتے ہیں کہ یہ سورت مکہ و مدینہ کے درمیان نازل ہوئی، جیسا کہ ابن اسحاق کی روایت ہے اور ابن سعد کی روایت ہے کہ اس کا نزول موضع خضائن میں ہوا۔ خضائن، خضاد، مہلک، فتح، جیم کا سکون، اور دونوں اور ان کے درمیان الف۔ مکہ سے ایک برید پر ایک سپاہ کا نام ہے اور سیوطی درمختار میں کہتے ہیں کہ امام بخاری، امام احمد، امام ترمذی سلفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ میں سلفہ قین بار آپ سے ایک بات دریافت کی، مگر آپ نے جواب نہ دیا، میں نے اپنے جی میں کہا اسے خطاب کبھی! تجھ کو تیری ماں گم پائے، تو سلفہ قین بار۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا مگر آپ نے تجھے جواب نہیں دیا۔ پس میں نے اپنے اونٹ کو حرکت دی اور سب

اتنے بلکہ اس سے بھی زیادہ لوگ اسلام لائے۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ حدیبیہ کے لئے تشریف لے گئے تو کل چودہ یا پندرہ سو آدمی آپ کے ساتھ تھے اور اس کے دو سال بعد فتح مکہ میں آپ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ نکلے۔ الخ

زرقانی کہتے ہیں کہ موسیٰ بن عقبہ نے عروہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لا رہے تھے کہ ایک صحابی نے کہا: کیا یہ فتح ہے؟ انہوں نے ہم کو بیت اللہ سے روک دیا، ہماری ہی روک دی گئی اور دو مسلمان مشرکوں کے حوالے کر دیئے گئے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو فرمایا: بہت ہی بڑی بات کہی۔ ارے یہ تو سب سے بڑی فتح ہے کہ مشرکین... صرف اس بات پر راضی ہو گئے کہ وہ اپنے علاقے میں جانے سے نہیں روک دیں اور وہ تم سے صلح کی درخواست کرتے ہیں اور امن کی خاطر تمہاری طرف رجعت کرتے ہیں، جو چیز ان کو ناکوار تھی اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف سے اس کا موقع نہیں آنے دیا اور اللہ تعالیٰ نے تم کو ان پر کامیابی دی اور تمہیں اجر و ثواب کے ساتھ صحیح و سالم واپس کر دیا، اس لئے یہ سب سے بڑی فتح ہے، کیا تم آج کا دن بھول گئے جب کہ تم دوڑے جارہے تھے اور کسی کو پیچھے نہ دیکھتے تھے اور میں پیچھے سے تم کو بلارہا تھا؟ کیا تم جنگ احزاب کا دن بھول گئے جب کہ وہ تمہارے اوپر کی جانب سے اور تمہارے نیچے کی جانب سے چڑھ آئے تھے اور جب آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں اور کیچے منہ کو آ رہے تھے اور تم اللہ کے بارے میں خلف خیال باز رہے تھے؟ پس مسلمانوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا، واقعی یہ بہت بڑی فتح ہے۔ اللہ کی قسم! یا نبی اللہ! ہم نے اس بات پر غور نہیں کیا جو آپ کے پیش نظر تھی، بلاشبہ آپ اللہ تعالیٰ اور اس کے امر کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ امام زہری نے صلح حدیبیہ کی جو مصلحت ذکر کی ہے اس کے علاوہ یہ مصلحت بھی ہے کہ وہ فتح اعظم کا مقدمہ تھی اور اس کے بعد لوگ جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے، اور قصر حدیبیہ چونکہ فتح کا مقدمہ ہے اس لئے وہ بھی فتح کے ساتھ مرسوم ہوا۔ اور شیخ ابن قیم نے صلح حدیبیہ کے مصالح بہت ہی تفصیل سے ذکر کئے ہیں، جن کا خلاصہ چار چیزیں ہیں: اول یہ کہ یہ فتح اعظم کا مقدمہ ثابت ہوئی، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اپنے لشکر کو معزز کیا اور جس کے ذریعہ لوگ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوئے دوم یہ کہ یہ خود بھی سب سے بڑی فتح تھی، کیوں کہ لوگوں کو لکب دوسرے سے امن نصیب ہوا، مسلمانوں کو کافروں سے اختلاف کا موقع ملا اور مسلمانوں نے ان کو کھل کر دعوت دینا شروع کی، ان کو قرآن سنایا، اور نہایت امن و سکون سے علی الاعلان ان کے ساتھ اسلام کے موضوع پر گفتگو اور مناظرے کئے اور جو

لوگ اپنے اسلام کا اظہار نہیں کر پاتے تھے ان کو اظہار اسلام کا موقع ملا اور مدت صلح کے درمیان وہ سب لوگ اسلام میں داخل ہوئے جن کا داخل ہونا اللہ تعالیٰ کو منظور تھا۔ سو مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو مسلمانوں کے ایمان و اذعان میں اضافے کا ذریعہ بنادیا اور ان کو ہر پسند و ناپسند میں انقیاد اور مکمل سبکدوشی کی مشق ہوئی اور اس ضمن میں انہیں رضا بقضاء اور وعدہ الہی کی تصدیق کی دولت حاصل ہوئی، چہاں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان نعمات کا ذریعہ بنایا جن کا ذکر سورۃ فتح میں ہے یعنی آپ کی اگلی پچھلی تمام خطاؤں کی مغفرت، آپ پر اپنے نعمات کی تکمیل، صلح مستقیم کی طرف آپ کی راہنمائی، آپ کی قوی نصرت، آپ کا ان امور سے بعضی ہونا، اور آپ کا الشرح الصدق۔ انہی مختصر

مسلمان عہد قیام کی آمد: پھر مومن عہد قیام آئیں۔ حافظ کہتے ہیں: اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ عہد قیام آپ کے پاس اس وقت آئیں، جب کہ آپ مدینہ میں فروکش تھے۔ مگر ایسا نہیں، بلکہ وہ مدت صلح کے دوران آئی تھیں، امام بخاری نے کتاب الشروط کے اوّل میں جو روایت ذکر کی ہے وہ اس مدعا پر شاہد ہے، چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں: ”اور اس مدت کے دوران جو مرد بھی آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے واپس کر دیا اگرچہ وہ مسلمان تھا اور کچھ مومن عہد قیام ہجرت کر کے آئیں۔“ اسی اور غرض کی ایک روایت میں ہے کہ ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تھے کہ آپ کے پاس مومن عہد قیام کی ایک جماعت ہجرت کر کے آئی، ان ہی میں ام کلثوم بنت عقبہ اور سنیۃ بنت الحارث الاسلمیہ تھیں، سنیۃ کا شوہر مسافر مخدومی اس کی طلب میں آیا اور مشرکین نے چاہا کہ آپ اسے واپس کر دیں، پس جبریل علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے: یا ایہا الدین امنوا اذا کم المؤمنات مهاجرات الایہ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت سے حلف لیا، اس نے قسم کھائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے شوہر سے فرمایا کہ اس کا رخ چارہ افرا دیا اور بیعت سے حضرت عمرؓ نے نکاح کیا۔“

اور الاکتفاء۔ میں ہے کہ مدت صلح میں ام کلثوم رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کر کے آئیں۔ ان کے دو بھائیوں عمار اور ولید نے مطالبہ کیا کہ ان کو واپس کیا جائے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو واپس نہیں کیا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ اس سے انکار کرتے ہیں۔ آہ حافظ ابن عبد البر ”استیعاب“ میں لکھتے ہیں: کہا گیا ہے کہ یہ سب سے پہلی خاتون تھیں جو ہجرت کر کے آئیں، ان کی ہجرت مدت صلح میں ۸ھ میں ہوئی اذاسی کے بار میں برائیت نازل ہوئی: اذا جاءکم المؤمنات مهاجرات الایہ۔ حافظ ابو عمر ابن عبد البر کہتے ہیں کہ لوگوں کا بیان ہے کہ یہ

۱۔ وحی الاصل اذا جاءکم المهاجرات

مکہ سے چل کر پیدل مدینہ پہنچے تھیں۔ حافظ کہتے ہیں! جو مؤمن عورتیں ہجرت کر کے آئیں ان میں سے مندرجہ ذیل کے نام ذکر کئے گئے ہیں۔ ۱۔ امیر بنت بشر، رحمان کے نکاح میں تھیں، پھر سہیل بن حنیف نے ان سے نکاح کیا۔ ۲۔ ام حکم بنت ابی سفیان۔ ۳۔ بروج بنت عقبہ۔ ۴۔ عبدہ بنت عبد العزیٰ۔ ۵۔ بنت خزیمہ بن عبد المطلب۔ انہی مختصر آریس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل نازل کی: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمَوَاسَاتُ مِمَّا جَاءَتْ قَائِمَتُهُمْ مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ فَاصْبِرُوا لَهُمْ إِنَّهُ خَبَرٌ لَكُمْ أَنْتُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (اسے ایمان والو! جب مومن عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں تو ان کا استعجاب نہ کر لیا کرو۔ آخر تک) قسطانیؒ ان کثرت کی متابعت میں کہتے ہیں کہ، اس روایت کے مطابق جس میں صلح نامہ کی یہ عبارت نقل کی گئی ہے: "اور نہیں آئے گا آپ کے پاس ہمارا کوئی فرد الخ" یہ آیت سنت کے لئے مخصوص ہوگی اور یہ اسکی بہترین مثال ہے (کہ قرآن مجید سے سنت کی تخصیص صحیح ہے) اور بعض سلف کے طریقہ پر اس کے لئے نسخ ہوگی، از قبیل نسخ سنت بالکتاب۔ اور جس روایت میں "نہیں آئے گا آپ کے پاس ہمارا کوئی آدمی الخ" کے الفاظ مروی ہیں اس کے مطابق اس میں کوئی اشکال ہی نہیں۔ ۱۔

ابن عربی احکام القرآن میں لکھتے ہیں: "والہی کے معاہدے سے عورتوں کا خارج ہونا، اس معاہدہ کے عہد کی تخصیص تھی، اس کی تفسیر نہیں جیسا کہ بعض تافہیں کو وہم ہوا ہے۔" نیز آیت کے مسائل میں کہتے ہیں: "تیسرے مسئلہ اس علت میں جس کی وجہ سے عورتوں کو واپس نہیں کیا گیا اگرچہ شرط کے عہد میں وہ بھی داخل تھیں اور اس میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ ان کی نرم دلی اور ضعف کی وجہ سے، دوم یہ کہ حسب اسلام کی وجہ سے۔ اور حق تعالیٰ کا ارشاد: ثُمَّ يَأْتِي الْكَافِرِينَ کے لئے حلال ہیں، نہ دو کافر) ان (مسلمان عورتوں) کے لئے حلال ہیں" اس پر دلالت کرتا ہے، اور دونوں معنی صحیح ہیں اور جائز ہے کہ حکم دو عورتوں کے ساتھ معال ہوتا آگے لکھتے ہیں۔ اور استعجاب کی تفسیر میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ اس سے مراد قسم ہے اور دوسرا وہ جو صحیح میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے ساتھ ان کا استعجاب کیا کرتے تھے۔ الخ مختصر۔ میں کہتا ہوں کہ صلح نامہ کی تحریر کے آغاز میں گزر چکا ہے کہ اس نادر کارہ کے نزدیک لایا ایک منابر جل (نہیں آئے گا آپ کے پاس ہم میں سے کوئی آدمی) کی روایت زیادہ مناسب ہے، جیسا کہ تفصیل سے گزر چکا ہے اور یہی زیادہ مناسب ہے کیوں کہ اس پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔

ابو بصیر کا قصہ : پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ آ گئے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ اور بخاری کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا نزول مدینہ کی واپسی سے قبل ہوا تھا۔ پس قریش کا ایک آدمی ابو بصیر (نسخ باروحہ و کسر صا و جمل) آپ کے پاس آیا۔ اس کا نام عقبہ (بضم عین مہملہ و سکون تاء) ہے اور بعض نے عبیدہ۔

(بصیغہ تصغیر) فرمایا ہے۔ گریہ دہم ہے، اور یہی زہر کا حلیف تھا، اس سے معلوم ہوا کہ حدیث الباب میں قریش کا آدمی سے مراد ————— قریش کا حلیف ہے کیوں کہ زہر و قریش کی ایک شاخ تھی، پس قریش نے اس کی طلب میں دو آدمی بھیجے، ابن سعد نے ایک کا نام خنیس (خام مجھڑوں اور آخر میں سین مہلہ کے ساتھ، بصیغہ تصغیر) ابن جابر ذکر کیا ہے، اور دوسرا اس کا غلام تھا جو ”کوثر“ کہلاتا تھا۔ اور ابن اسحق کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ۔

خنس بن شریق اور ازہر بن جعد عوف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ایک خط لکھا اور اپنے ایک غلام اور بنو عامر کے ایک شخص کو، جس کو دو اونٹ اجرت کے دیئے گئے تھے، یہ خط دے کر بھیجا۔ خنیس تو ابوبکر کے قبیلہ بنو شعیف کا ایک فرد تھا، اور ازہر کا تعلق ابوبکر کے حلفاء بنو زہرہ سے تھا، اور دونوں کی طرف سے اس کی واپسی کا مطالبہ تھا۔ اور واقدی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ”یہ دونوں شخص ابوبکر کے تین دن بعد آئے۔ اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ حدیبیہ میں جو عہد آپ نے ہم سے طے کیا تھا کہ ہمارے یہاں سے جو شخص آئے آپ اسے واپس کریں گے، اس کو پورا کیجئے، اور انہوں نے ابوبکر کی واپسی کا مطالبہ کیا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عہد کی خاطر اسے ان دونوں کے حوالے کر دیا۔ حافظؒ کہتے ہیں کہ، ابن اسحق کی روایت میں ہے کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر سے فرمایا: ”مجھے معلوم ہے کہ ان لوگوں سے کن شرط پر ہماری صلح ہوئی ہے، وہ ہم معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ اس لئے اپنی قوم میں واپس چلا جا۔ اس نے عرض کیا کہ کیا آپ مجھے مشرکوں کی طرف واپس فرماتے ہیں جو مجھ دین سے بچلائیں گے اور مجھے سزائیں دیں گے؟ آپ نے فرمایا، صبر کر اور ثواب کی نیت رکھ، اللہ تعالیٰ جلد ہی تیرے لئے اس شخص سے نکلنے کا راستہ پیدا فرمادیں گے۔“ اور ابواللیخ کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر سے کہا، تو بھی آدمی ہے وہ بھی آدمی ہیں اور تیرے پاس تلوار موجود ہے۔ یہ اس کے قتل کی طرف اشارہ تھا۔“ میں کہتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد ”اور تیرے پاس تلوار ہے“ میں غالباً دشمن کی تلوار مراد ہے جو ذو اللیفہ میں ابوبکر نے اس سے طلب کی تھی، گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اس بات پر برا لکھ کر دیا کہ اسے جب بھی موقع ملے دشمن کی تلوار لے کر اس کا فیصلہ چکا دے پس یہ دونوں شخص اس کو لے کر نکلے۔ میان تک کہ جب ذو اللیفہ پہنچے تو وہاں اتر کر کھڑے ہوئے اور واقدی کی روایت میں ہے کہ جب ذو اللیفہ پہنچے تو ابوبکر نے محمدؐ میں داخل ہوئے، دو رکعتیں پڑھیں اور بیٹھ کر کھانا شروع کیا اور ان دونوں کو بھی کھانے کی دعوت دی چنانچہ ان کے لئے دسترخوان بچھایا اور سب مل کر کھانے لگے، پس ابوبکر نے ایک شخص سے کہا۔ ابن اسحق کی روایت میں مروی ہے کہ ماری کو کہا ادا بن سعد کی روایت میں ہے کہ

خیں بن جا کر کہا، واللہ تمہاری یہ تلوار تو بہت ہی عمدہ معلوم ہوتی ہے۔ اس نے یعنی ہماری نے جس کی تلوار تھی تلوارِ پیام سے نکال کر کہا: ہاں، اللہ کی قسم! یہ بہت بہترین ہے، میں نے اس کا بار بار تجربہ کیا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جیسا کہ زندقانی میں ہے: کہیں دن رات اس دھنچک کو اس کے ساتھ ماروں گا۔ ابوبکر نے کہا: نہ اب مجھے دکھاؤ، دیکھوں یہ کیسی ہے؟ اس نے تلوار اس کو دکھا دی۔ پس ابوبکر نے اس کو ایسی ماری کہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ ”وہیں ٹھنڈا ہو گیا“ یہ موت سے کنایہ ہے، کیوں کہ میت کی حرکت سکون سے بدل جاتی ہے، کذا فی الفتح۔ اور عقیقہ کہتے ہیں کہ برودت موت کو لازم ہے۔ اور ابن اسحق کی روایت میں ہے کہ: پس ابوبکر اس پر چڑھ گیا، بیان تک کہ اس کو قتل کر دیا۔ ابن قیم فقہ کے فوائد میں لکھتے ہیں کہ معاہدین نے جب اس کو اپنی تحویل میں لے لیا اور اس پر قبضہ کر لیا، اس کے بعد اس نے ان میں کسی کو قتل کر ڈالا تو وہ مقتول کا ضامن نہیں، نہ میت کے ساتھ نہ قصاص کے ساتھ۔ اور امام بھی اس کا ضامن نہیں۔ بلکہ اس کا حکم اس شخص کا ہے جو خود ان کے اپنے علاقہ میں قتل کیا گیا ہو، کیوں کہ اس پر امام کا حکم نافذ نہیں۔ چنانچہ ابوبکر نے اس کو ذوالحلیفہ میں قتل کیا تھا اگرچہ مرنے کے نزدیک ہے، مگر وہ اس کو اپنے قبضہ میں لے چکے تھے اور امام کی ذمہ داری اور اس کے حکم سے نکل چکا تھا۔ اور دوسرا بھاگ گیا۔ اور ابن اسحق کی روایت میں ہے کہ مظلوم بھاگ نکلا۔ اور ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف، بائیں کیفیت بھاگا کہ اپنے کپڑے کا نیچے کا حصہ منہ میں دبا رکھا تھا اور شرم گاہ کا ایک حصہ نکلا ہو رہا تھا اور تیز دوڑنے کی وجہ سے لنگیاں اس کے قدموں کے نیچے اڑ رہی تھیں اور ابوبکر اس کے پیچھے آ رہے تھے۔ حافظہ کی پیروی میں زندقانی میں اسی طرح ہے۔ بیان تک کہ مدینہ منورہ (زاد اللہ شرفاً و کرامتہ) آیا تو بھاگتے ہوئے مسجد میں داخل ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر فرمایا: اس نے تو کوئی خوف کی بات دیکھی ہے۔ جب یہ بھگڑا غلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو کہا: میرا ساتھی قتل کر دیا گیا اور مجھے بھی قتل کر دیا جائے گا، یعنی اگر تم لوگوں نے اس کو نہیں بٹایا۔ اور واقعی کی روایت میں ہے کہ: میں تو بچ نکلا ہوں، میں نے اس کا بدلہ نہیں لیا۔ اور ابوالاسود کی روایت عروہ سے مروی ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کو ان دونوں کے ساتھ واپس کر دیا انہوں نے اس کی منگیں باز نہ لیں راستہ میں وہ کہیں سو رہے تھے۔ اس نے منہ سے تلوار لے کر ان رسیوں پر پھیری اور بندھن کاٹ ڈالی اور ایک کے تلوار ماری اور دوسرے کی طرف متوجہ ہوا تو وہ بھاگ نکلا۔ مگر پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔ کذا فی الفتح۔ اسنے ابوبکر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا۔ پس عرض کیا: یا رسول اللہ! اشک کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذمہ بری کر دیا قسطنطینی کہتے ہیں، قسم محذوف ہے اور جو عبارت ذکر کی گئی ہے۔ یہ قسم محذوف کی مراد ہے۔

حافظ کہتے ہیں: "یعنی میں نے جو کچھ کیا ہے اس سلسلہ میں ان کی جانب سے آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ اور ادنیٰ نے نہری سے یہ فقرہ بھی روایت کیا ہے کہ: ابوبصیر نے کہا: یا رسول اللہ! میں جانتا تھا کہ قریش کے پاس جاؤ گا تو مجھے دین سے برگشتہ کر دیں گے۔ اس لئے میں نے یہ کچھ کیا اور (معاہدہ تو ان کے اور آپ کے درمیان ہے) میرے اور ان کے درمیان تو کوئی معاہدہ نہیں۔ آپ تو مجھ ان کی طرف واپس کر ہی چکے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے نجات دلا دی۔ زندگانی کہتے ہیں کہ ابن عقیل کی روایت میں ہے کہ ابوبصیر مقتول کا سامان لے کر آئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کا خسر لیجئے: فرمایا: میں اس کا خسر لے لوں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میں نے ان سے کیا ہوا وعدہ پورا نہیں کیا، لیکن تو جانے اور تیرے مقتول کا سامان بجا ہاں جی چاہے چلا جا، چنانچہ اس کے ساتھ جو پانچ مسلمان مکہ سے آئے تھے وہ بھی نکل گئے۔" آہ میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ یہ پانچ افراد ابوبصیر کے بعد مدینہ آئے تھے، کیوں کہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابوبصیر تنہا آیا تھا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دو شخصوں کے ساتھ واپس کر دیا جو اس کی طلب میں آئے تھے روایات کے سیاق میں ایک ہے۔ اس لئے مندرجہ بالا روایت میں راوی کا یہ کہنا کہ وہ پانچ آدمی بھی اس کے ساتھ نکل گئے اس سے مراد دوسری مرتبہ مدینہ سے نکلنا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی ماں کی ہلاکت وہیل اہلہ "بضم لام، وقطع ہمزہ وکسر میم" شدید لفظ اصل میں بدو کا کے لئے ہے۔ مگر یہاں تعجب کے لئے استعمال ہوا ہے یعنی جنگ کی طرف اس کے اقدام کرنے، جنگ کی طرف جلد بازی کرنے اور جنگ کی آگ بھڑکانے پر تعجب کا اظہار مقصود تھا، اور ایک روایت میں یہ لفظ ہمزہ اور تخفیف کے ساتھ "ولیمہ" مروی ہے، یہ مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب یا مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور جوہری کہتے ہیں کہ جب یہ مضاف ہو تو صرف نصب ہی پڑھا جاتا ہے پوری تفصیل یہی میں ہے، یہ جنگ بھڑکانا ہے "معر حرب" بکسر میم وکون جملہ فتح میں جملہ تیز کی بنا پر منصوب ہے اور ابن اسحاق کی روایت میں "معر حرب" کا لفظ ہے اس کے بھی یہی معنی ہیں۔ یعنی وہ کھڑی جس سے آگ کو حرکت دی جاتی ہے۔ اگر کوئی اس کے لئے ہوتا یعنی اگر کوئی شخص اس کی مدد اور پشت پناہی کرتا۔ کذا فی الفتح۔ یعنی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ لفظ "اگر" کا جواب محذوف ہے یعنی اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اس کا کوئی ہوتا ہو تو جو اس کی مدد کرتا اور تائید کرتا: اہلہ اور میرے نزدیک زیادہ مناسب یہ ہے کہ لفظ "لو" تنہا کے لئے ہے اور ایک روایت میں ہے کہ کوکان لڑ جال یعنی کاش کچھ لوگ اس کے ہنوا ہوتے، پس ابوبصیر نے اس تنہا کو سمجھ لیا اور چلا گیا۔ اس میں اس کے فرار کی طرف اشارہ تھا کہ

اسے مشرکوں کی طرف دوبارہ واپس نہ لکنا چاہیے اور لطیف اشارہ اس طرف بھی تھا کہ جن مسلمانوں کو اس کی اطلاع پہنچے وہ اگر اس کے ساتھ بل جائیں۔ جہور علماء شافعیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ اس کی تصریح صحیح نہیں البتہ تعریض جائز ہے جیسا کہ اس قصہ میں ہوا یہاں تک کہ ابو بصیر سیف البحر پہنچ گئے۔ سیف بکسر میلا و سکون تھانید اس کے بعد فار۔ ساحل سمندر کو کہتے ہیں اور ابن اسحاق نے اس جگہ کی بھی تصریح کی ہے چنانچہ کہا ہے ”میان تک کہ وہ عین بکسر میلا و سکون تھانید اس کے بعد صا و ہلہ“ پہنچے اور یہ جگہ ناما جاتے ہوئے اہل مکہ کے راستے میں تھی ”کذا فی الفتح۔ اور غنی میں ہے کہ ”سیف البحر ایک جگہ ہے جس کو عین کہا جاتا ہے ساحل سمندر پر مردہ کی جانب واقع ہے، قریشی ملک شام جاتے تھے تو یہ جگہ ان کے راستے میں آتی تھی۔“ حافظ کہتے ہیں کہ یہ ساحل کی جانب مدینہ کے مازات میں واقع ہے اور بنو سلیم کے علاقہ کے قریب ہے۔

ابو جندل کا ابو بصیر سے جا ملنا۔ رادی کہتے ہیں: ”اور ابو جندل بن سہیل بھی ان سے یعنی اپنے باپ سے یا اہل مکہ سے چھوٹ کر بھاگ جاتے ہیں۔ یہ وہی ابو جندل ہیں جن کو صلح کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تنکیہ سے واپس کیا تھا حافظ کہتے ہیں: اس کو مشاہدہ حال کے ارادہ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مستقبل کے صیغے سے تعبیر کیا اور ایک روایت میں ہے کہ ابو جندل چھوٹ کر مسلمان سواروں کی معیت میں بھاگ نکلے ابو بصیر سے جا ملے۔ پس انہوں نے ذی القعدۃ، یہ وادی القریش میں ایک بستی ہے۔ کذا فی الجمع۔ کے قریب قافلہ قریش کے راستہ پر ڈیرہ لگایا، چنانچہ ان کے قافلہ کو ٹٹانا شروع کیا۔ کذا فی الفتح۔ زرقانی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ابو بصیر اپنے رفقاء کو نواز چمکاتے تھے، جب ابو جندل آئے تو چونکہ وہ قریشی تھے اس لئے امامت کے فرائض ان کے سپرد ہوئے۔ یہاں تک کہ۔۔۔ ان کی ایک جماعت وہاں جمع ہو گئی۔ بحصابہ: اس کا کوئی مفرد اس کے لفظوں سے نہیں اور اس کا اطلاق چالیس یا اس سے کم پر ہوتا ہے، اور حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات چالیس سے کہیں زیادہ تھے، چنانچہ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ وہ ستر افراد کے قریب پہنچ گئے تھے اور عروہ نے جہنم سے کہا ہے کہ وہ مشرک قتلہ کو پہنچ گئے تھے اور سہیلی کا خیال ہے کہ وہ قین سو تک پہنچ گئے تھے اور عروہ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ: ”یہ لوگ آ کر ابو بصیر سے ملے رہے اور انہوں نے مدت طویل میں مدینہ آنا پسند نہیں کیا اس خیال سے کہ کہیں انہیں مشرکوں کی طرف واپس نہ کر دیا جائے“ زرقانی کہتے ہیں ”فتح الباری میں۔ اسی طرح ہر گز اس میں یہ بحث کہ سہیلی نے بیات اپنی طرف سے نہیں کی بلکہ اس کے لئے معین الزہری کا حوالہ دیا ہے۔ اور ابن عقیلہ نے بھی اپنی مناسبت میں اسی پر جہنم کیا ہے۔ چنانچہ کہا ہے کہ ابو جندل کے ساتھ عتقاہ، مسلم، جہینہ اور دوسرے قبائل کے لوگ جمع ہو گئے تھے یہاں تک کہ قین سو جنگی جوان جو سب مسلمان تھے جمع ہو گئے۔“ آمد پس اس کی قسم! وہ قریش کے کسی قافلہ کی آمد کی خبر نہیں ملتے تھے مگر اس سے ضرور تعویض کرتے

یعنی اس کا دستہ روک لیتے اور آگے جہانے سے منع کرتے، پس انہیں قتل کر دیتے اور ان کے اموال پر قبضہ کر لیتے اور ابن اسحق کی روایت میں ہے کہ جو کافر بھی ہاتھ لگتا اسے قتل کر دیتے اور ان کے پاس سے جو قافلہ گزرا اُسے لوٹ لیتے۔ پس قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا، اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے ابوسفیان بن حرب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور نہایت منت و زاری سے درخواست کی کہ ابوجہل اور اس کے رفقاء کو اپنے پاس بلا لیں۔ اور جو شخص ہمارے پاس سے نکل کر آپ کے پاس آئے گا وہ آپ کے لئے بغیر حرج کے حلال ہے۔ ورنہ حالیکہ وہ اللہ تعالیٰ کا اور مشرقت قرابت کا واسطہ دے رہے تھے۔ یعنی وہ آپ سے کہہ رہے تھے ہم آپ کو۔ اللہ تعالیٰ کا حق قرابت کا واسطہ دیتے ہیں کہ آپ اس کو اپنے پاس بلا بھیجیں پس جو شخص بھی آپ کے پاس آئے اس کو امن یعنی اجازت ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں کہ لا تشدید یعنی آلا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریش نے کچھ درخواست نہیں کی بجز اس کے کہ آپ ابوبصیر اور ان کے رفقاء کو پیغام بھیجیں کہ وہ قریش کی ایذا رسانی سے باز رہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف پیغام بھیج دیا کہ اور ایک روایت میں ہے کہ، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبصیر کے نام کو امی نامہ تحریر فرمایا، اور آپ کا نام مبارک اس وقت پہنچا جب کہ ابوبصیر نزدیکی کی حالت میں تھے چنانچہ ان کا انتقال — میں اس وقت ہوا جب آپ کا نام مبارک ان کے ہاتھ میں تھا۔ ابوجہل نے ان کو دیس دفن کر دیا اور ان کی قبر کے پاس مسجد بنائی۔ اور ابوجہل اپنے رفقاء سمیت مدینہ آگئے، بعد ازاں ہمیشہ وہیں رہا کرتے یہاں تک کہ جہاد کے لئے ملک شام گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں شہید ہوئے، مادی کہتے ہیں کہ جن حضرات نے مشورہ دیا تھا کہ ابوجہل کو اس کے باپ کے حوالہ نہ کیا جائے ان کو معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اس چیز سے بہتر تھی جس کو وہ ناپسند کرتے تھے۔ کہانی الفخ۔

اور غم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل اور ابوبصیر کے نام تحریر فرمایا کہ وہ دونوں آپ کے پاس مدینہ آجائیں اور ان کے ساتھ جتنے مسلمان ہیں انہیں حکم دیں کہ اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں، اور قریش کا کوئی شخص یا قافلہ ان کے پاس سے گزرے تو اس سے تعرض نہ کریں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک ابوبصیر اور ابوجہل کے پاس پہنچا، تر ابوبصیر کا آخری وقت آ پہنچا، چنانچہ ان کا انتقال ہو گیا تو ابوجہل اپنے چند رفقاء کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور باقی لوگ اپنی اپنی جگہ واپس ہو گئے اور قریش کے قافلہ نے امن و سکون کا سانس لیا اور ابوجہل ہمیشہ آپ کے پاس رہے اور اس کے بعد جتنے خزاوات ہوئے ان میں شریک ہوئے اور فتح مکہ میں بھی شریک ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ واپس ہو گئے پس آپ کے پاس مدینہ میں ہے

تا آنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور ان کے والد ماجد سہیل بن عمرو حضرت عمرؓ و خطاب رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور خلافت میں رہیں آتے، ایک ہیئہ میں اس کے بعد جہاد کے لیے مکہ شام کی طرف نکلے ان کے ہمراہ ان کے صاحبزادے ابو جندل بھی تھے۔ پس باپ بیٹا دونوں جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ وہیں ان دونوں کا انتقال ہوا۔ رضی اللہ عنہما۔

حافظ قصبہ ابو نصیر کے فوات میں کہتے ہیں "غلام شرک کو حیلہ سے اپنا ملک قتل کر دینا جائز ہے۔ ابو بصیر نے جو کچھ کیا اسے قدر (عذرت) نہیں کہا جاسکتا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے باہن جو معاہدہ ہوا تھا، ابو بصیر اس میں داخل نہیں تھا، کیونکہ وہ اس وقت مکہ میں مجبوس تھا، لیکن جب اسے اندیشہ ہوا کہ یہ شرک اس کو مشرکین کے حوالے کر دے گا تو اس نے اس شرک کو قتل کر کے اپنی ذات سے اس کے شرک کو دفع کیا اور اس حیلہ سے اپنے دین کی مدافعت کی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نیکر نہیں فرمائی، اولین اسحق کی روایت میں ہے کہ "سہیل ابن عمرو کو عماری کے قتل کی اطلاع ہوئی تو اس نے مقتول کی دیت کا مطالبہ کیا کیونکہ وہ اس کے قبیلے کا فرد تھا، مگر ابوسفیان نے اس سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مطالبہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ آپؐ نے تو اپنا عہد پورا کر دیا تھا، اور اس کو تمہارے قاصد کے سپرد کر دیا تھا، اور اس نے آپؐ کے حکم سے اس کو قتل نہیں کیا، اور ابو بصیر کے ذمہ بھی اس کی دیت نہیں کیونکہ وہ مقتول کے دین پر نہیں"۔

اور یہ بات بخبر عاتب کے ہے کہ میں نے اس زمانے میں خواب دیکھا کہ ایک شخص مجھ سے فرمائش کرتا ہے کہ **اونٹ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے مالک کی شکایت کرنا** | میں عمرہ حدیبیہ کے بیان میں اس اونٹ کا قصہ بھی ذکر کروں جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مالک کی یہ شکایت کی تھی کہ وہ اس سے کام پورا لیتا ہے مگر اسے بھوکا رکھتا ہے، میں بیدار ہوا تو اس خواب سے حیرت ہوئی، کیونکہ ایک زمانے سے یہ بات دل میں راسخ تھی کہ یہ واقعہ مدینہ منورہ کا ہے، اور اونٹ کا مالک ایک انصافی شخص تھا، چنانچہ میں نے اپنے احباب سے اس کی تفتیش کیلئے کہا، مگر کسی کو یہ تصریح نہیں ملی کہ یہ واقعہ حدیبیہ کا ہے جو عمرہ حدیبیہ میں پیش آیا ہو، اور میں خود ضعف البصر کی بنا پر تلاش اور تتبع سے معذور تھا، لیکن میرے حاشیہ نبدل میں ملا کہ میں نے اس میں لکھا ہے کہ یہ قصہ شفا۔ اور اس کی شرح میں مختلف طرق سے اور مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک قصہ نہیں چنانچہ شفا اور اس کی شرح میں آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم سے اونٹ کی شکایت کرنے اور آپ کو سجدہ کرنے کے کئی واقعات مذکور ہیں، اور مشکوٰۃ میں حضرت یعلیٰ بن مضر ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین چیزیں (تین معجزات) دیکھی ہیں ایک یہ کہ ہم ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے کہ ہمارا گندہ ایک اونٹ کے پاس سے چلے گیا پر پانی لا کر لایا جاتا تھا، پس جب اونٹ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو بلبلایا اور اپنی گردن رکھ دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ٹھہر گئے اور دریافت فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کہاں ہے؟ وہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: "اس کو میرے پاس فروخت کر دو" اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اس کو آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کرتے ہیں، اور بات یہ ہے کہ یہ اونٹ لیٹے گھر کا ہے جس کے پاس اس کے سوا کوئی اور ذریعہ معاش نہیں" فرمایا: "جب تو نے اس کا یہ قصہ ذکر کیا ہے تو (ہم اس کو تم سے لینا نہیں چاہتے، مگر) اس نے شکایت کی ہے کہ اس سے کام زیادہ لیا جاتا ہے اور چارو کم دیا جاتا ہے اس لیے (آئندہ اس کو شکایت کا موقع نہ دو) اس کے ساتھ جن سلوک سے پیش آؤ؟ پھر ہم آگے چلے یہاں تک کہ ایک منزل پر آئے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے۔ یہاں ایک رخت کے آنے کا قصہ مذکور ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ پھر ہم آگے چلے، پس ایک پانی کے پاس سے گزرے تو ایک عورت آپ کے پاس اپنے بچے کو لاتی جس پر جنات کا اثر تھا" الخ یہ حدیث صاحب مشکوٰۃ نے شرح السنۃ کے حوالے سے نقل کی ہے اور ابھی تک مجھے اس سفر کی تعیین نہیں ملی۔ اور ملا علی قاری نے اس کی شرح میں مرفوعہ لکھا ہے: "تین چیزیں یعنی تین معجزات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھے یعنی ایک ہی سفر میں" مگر سفر کی تعیین نہیں کی اور سیوطی نے المختصر میں ایک فصل ان معجزات میں ذکر کی ہے جو حجرۃ الوداع میں صادر ہوتے، اور ان میں یعلیٰ بن مضر کی حدیث بروایت احمد وغیرہ نقل کی ہے، لیکن حدیث میں حج کا ذکر نہیں بلکہ اس کے الفاظ یہ ہیں "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کا سفر کیا" الخ اور اس میں سفر حج اور عمرہ دونوں کا احتمال ہے۔ پس اگر اس واقعہ کا سفر عمرہ میں ہونا ثابت ہو تو کوئی مانع نہیں کہ اس کا عمرہ حذیمہ میں ہونا تسلیم کیا جاتے البتہ اونٹ کو عبور کرنے اور اس کی ہلاک کام لینے کا واقعہ بظاہر وینہ میں پیش آیا۔ چنانچہ یہ قصہ ابو داؤد نے کتاب الجہاد میں عبد اللہ بن جعفر ثقفی سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے سوار کیا، پس آپ انصار کے ایک شخص کے باغ میں تشریف لے گئے، وہاں ایک اونٹ تھا، جب اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو بلبلایا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے الخ اس حدیث کے آخر میں

ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مالک سے فرمایا: "اس نے میرے پاس شکایت کی ہے کہ تم اسے چھو کاٹتے ہو اور ہمیشہ کام لیتے ہو" پس اس سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ مدینہ منورہ میں پیش آیا۔

تیسری فصل، عمرہ قضا میں

حنفیہ اور ان کے موافقین جن کے نزدیک نحر کے عمرہ کی قضا واجب ہے ان کے نزدیک یہ عمرہ القضا (مذکے ساتھ) کہلاتا ہے، اور شافعیہ اور ان کے موافقین جن کے نزدیک قضا واجب نہیں ان کے نزدیک یہ عمرہ القضا (یعنی مذکے) اور عمرہ القضیہ کہلاتا ہے، حافظ ابن قیمؒ "المندی" میں کہتے ہیں: "دوم عمرہ قضا میں اختلاف ہے کہ گذشتہ سال جن عمرہ سے آپؐ روک دیتے تھے یہ اس کی قضا تھی یا یہ مستقل عمرہ تھا، اس میں علماء کے دو قول ہیں امام احمدؒ سے دونوں روایتیں مروی ہیں، ایک یہ کہ قضا تھی، اور یہ امام ابو حنیفہؒ رحمہ علیہ کا قول ہے، دوم یہ کہ قضا نہیں تھا اور یہ امام مالک رحمہ اللہ علیہ کا قول ہے، جو حضرات کہتے ہیں کہ یہ قضا تھا ان کا استدلال یہ ہے کہ اس کا نام ہی عمرہ القضا ہے اور یہ نام تابع ہے حکم کے۔ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ یہاں قضا کے معنی بدلہ ادا کرنے کے نہیں بلکہ قضا بمعنی نقاضات یعنی فیصلہ کے ہیں۔ چونکہ اس عمرہ کے ادا کرنے کا اہل مکہ سے فیصلہ ہوا تھا اس لیے اس کو عمرہ القضا اور عمرہ القضیہ کہایا۔ ۱۷

اور آج بھی کماکان عمرہ القضیہ، عمرہ القضا اور عمرہ القضا ص ہے، زرقانی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ اس کا نام عمرہ الصلح بھی ہے جو الحاکم نے ذکر کیا ہے اور صاحب جیس نے اس پر غزوۃ الاثمن کے نام کا بھی اضافہ کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کا نام عمرہ القضا اس لیے ہوا کہ یہ اس عمرہ کی قضا تھی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روک دیا گیا تھا، اور ابن ہشام کہتے ہیں کہ اس کو عمرہ القضا اس لیے کہتے ہیں کہ کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہ میں عمرہ کرنے سے روک دیا تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بدلہ لیا چاہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آندہ سال اسی حرمت کے مہینے شہر حرام ذی القعدہ میں کہ تشریف لے گئے تھے میں انھوں نے روکا تھا، موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ ذکر کیا گیا ہے کہ اسی عمرہ کے بار میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "الشہر الحرام بالشہر الحرام والحرمات قصاص"۔

میں کہتا ہوں کہ کون نہیں جانتا کہ اس کا نام عمرہ القضا بہ نسبت دوسرے اموں کے زیادہ مشہور ہے اور

ابن قیمؒ کا اندی میں یہ کہنا کہ جی حضرات کو بیت اللہ سے روکا گیا تھا ان کی تعداد وجودہ سو تھی اور یہ سب حضرات عہدہ فقیہ میں آپ کے ساتھ نہیں گئے تھے اور اگر قضا ہوتی تو کوئی ایک بھی پیچھے نہ رہتا یہ کتب میں کتب خلاف ہے چنانچہ تاریخ ختمیس میں ہے: "اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ تمام مسلمان (عمرہ قضا کے لیے نکلے جو گذشتہ عہدہ سے روک دیتے گئے تھے۔ پس جب اہل مکہ نے یہ سنا تو وہ کہ چھوڑ کر نکل گئے؟" اور کتائب اسی طرح ہے اور دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ جب ذی القعدہ کا چاند نظر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم فرمایا کہ اپنے اس عہدہ کی قضا کے لیے عہدہ کریں جس سے ان کو حدیبیہ میں روک دیا گیا تھا، اور جو لوگ حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے ان میں سے ایک بھی پیچھے نہ رہا چنانچہ ان میں سے ایک بھی پیچھے نہ رہا، بجز ان حضرات کے جو خیبر میں شہید ہو گئے تھے یا جن کا انتقال ہو چکا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکاء حدیبیہ کے علاوہ بھی بہت سے لوگ تھے، چنانچہ عمرہ القضا میں دو ہزار افراد تھے۔ اور مواہب میں ہے کہ "حاکم نے" الا کیل میں کہا ہے کہ اس مضمون کی روایات متواتر ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں جب ذی القعدہ کا چاند دیکھا تو صحابہ کو حکم فرمایا کہ حدیبیہ میں شریک نہ رہیں جس عہدہ سے روک دیا تھا اس کی قضا کے لیے عہدہ کریں، اور یہ بھی حکم فرمایا کہ شرکاء حدیبیہ میں سے کوئی ایک شخص بھی پیچھے نہ رہے ماسوائے ان لوگوں کے جو خیبر میں شہید ہو چکے ہیں یا جن کا انتقال ہو چکا ہے۔ زرقانی کہتے ہیں کہ واقعہ کی روایت میں ہے کہ عرب کے کچھ لوگوں نے جو مدینہ میں حاضر تھے عرض کیا یا رسول اللہ! اجنڈا، نہ تو ہمارے پاس سفر خرچ ہے، نہ کوئی ایسا شخص ہے جو ہمیں کھانا کھلا سکے، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کریں اور صدقہ کریں اور ان کے ہاتھوں کو ہلاکت سے بچائیں۔ الخ

مصر کے ذمہ قضا واجب ہے یا نہیں؟ فقہ کے ذمہ ہی اور قضا واجب ہے یا نہیں؟ اس میں ناقلین غالب کا اختلاف ہے، اور صحیح وہ ہے جو آدھریں ہے کہ اس مسئلہ میں علماء کے تین قول ہیں ایک یہ کہ جس کو احرام باندھنے کے بعد عہدہ کے ادا کرنے میں کاوش پیش آجائے۔ اس پر قضا بھی لازم ہے اور دوسری یہ کہ امام احمدؒ کی ایک روایت ہے بلکہ ان کی سب سے مشہور روایت یہی ہے۔ اور یہی حنفیہ کا مسلک ہے کہ اس کے ذمہ قضا اور بدی لازم ہے۔ اور بعض لوگوں نے حنفیہ سے جو نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک اس شخص کے ذمہ بدی لازم نہیں یہ غلط ہے، جو ان کی کتب فقہ کے خلاف ہے دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے ذمہ قضا تو واجب نہیں مگر بدی لازم ہے، یہ امام شافعی کا قول ہے اور امام احمدؒ کی ایک روایت ہے تیسرا قول یہ ہے کہ اس کے ذمہ قضا واجب ہے نہ بدی۔ یہ امام احمدؒ سے ایک روایت۔ اور امام مالکؒ کا صحیح مذہب بھی یہی ہے۔ البتہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر بدی ساتھ لایا

ہو تو اس کو ذبح کرے ۱۷

عمرۃ القضا کے لیے روانگی: حافظ ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر سے واپس پہنچے تو (مختلف اطراف کو) سراپا بھیجے اور خود مدینہ طیبہ میں تشریف فرما رہے، یہاں تک کہ جب فوالقعدہ کا چاند نہ ہوا تو لوگوں میں عمرۃ قضا کے لیے نکلنے کا اعلان فرمایا ۱۸ اور سیرت ابن ہشام میں ہے کہ: ”ابن اسحاق نے کہا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر سے مدینہ کی طرف مراجعت فرما چکے تھے، تو ربیع الاول سے سوال تک مدینہ میں اقامت پذیر رہے اور اس دوران حضرت مجاہدؒ کے مختلف دستے جہاد کے لیے بھیجتے رہے، پھر ذوالقعدہ میں عمرۃ قضا کے لیے نکلے، اسی مہینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین نے روکا تھا ۱۹ میں کہتا ہوں کہ جب فوالقعدہ کا چاند نہ ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ قضا کے لیے روانہ ہوئے۔ اور لوگوں میں روانگی کا اعلان فرمایا جیسا کہ قرآن کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے۔ اور حکم فرمایا کہ جو لوگ پہلے مدینہ میں شریک ہوئے تھے ان میں سے کوئی شخص بھی پیچھے نہ رہے چنانچہ ان میں سے ایک بھی پیچھے نہ رہا، سوائے ان کے جو خیر میں شہید ہو چکے تھے یا جن کا اشتغال ہو چکا تھا جیسا کہ الاکیل اور حمیس کے حوالے سے گزر چکا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عورتوں اور بچوں کے علاوہ دو ہزار مسلمان نکلے جیسا کہ زرقانی میں ہے۔ اور اس کو حافظ نے امام حاکم کی الاکیل سے بھی نقل کیا ہے، اور تاریخ حمیس کے حوالے سے بھی یہی مضمون اور گزر چکا ہے۔ اور مدینہ طیبہ زادہ اللہ کریمؐ کا تعلق ۲۰ میں ابوہریرہؓ (بضم را و سکون آ) کلثوم بن حصین الغفاریؓ کو مشہور صحابی میں اپنا جانشین بنایا اور بقول ابن ہشام عوف بن الاضبط (ضامع اور طاہل کی تہ) لیلیٰ کو اور بلذری نے کہا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو جانشین بنایا، اور بقول بعض عوف کو، جو عوف کا مصغر ہے اور اس کو حافظ کے جہاتے آتے مثلاً کے ساتھ تحویش ۲۱ بھی کہا جاتا ہے۔ زرقانی میں اس طرح ہے اور تاریخ حمیس میں ابوہریرہؓ کا اور قاموس میں عوف بن الاضبط کا جانشین بنانا مذکور ہے۔

حضرت ناجیہؓ کو ہدی کا نگران مقرر کرنا: اور اپنے ساتھ ہدی کے ساتھ اونٹ ہنگامتے۔ زرقانی اور تاریخ حمیس میں اسی طرح ہے، اور حافظ ابن کثیرؒ نے واقعہ کی سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہدی پر ناجیہ بن جندب اسلمی کو مقرر کیا تھا، وہ ہدی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے درختوں میں چراتے جاتے تھے، اور ان کے ساتھ بنو اسلم کے چار جوان اور تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرۃ القضا میں قرآنی کے ساتھ اونٹ اپنے ساتھ لیتے تھے ۲۲ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ہدی کے جانوروں کو تلامد سے پہناتے۔ اور اپنی ہدی

پر ناجیر بن جندل اسلمی کو مقرر کیا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے دختوں میں چراتے جا رہے تھے ان کے ساتھ بنو اسلم کے چابچان تھے، اس کو وادی نے روایت کیا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھیار، زبریں، خودیں اور نیزے اور سو گھوڑے بھی اپنے ساتھ لیے۔ پس جب نوالیغ پہنچے تو گھوڑے آگے بھیج دیتے اور محمد بن سلمہ انصاری کو ان پر نگران مقرر فرمایا، اور مذکورہ بالا ہتھیار بھی آگے بھیج دیتے، اب بشیر بن سعد کو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حاصم کو ان کی نگرانی پر مامور فرمایا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! آپ نے ہتھیار بھی ساتھ اٹھاتے حالانکہ ان کی شرط یہ تھی کہ آپ مکہ میں ہتھیاروں کے ساتھ داخل نہیں ہوں گے، مجز نیام میں بند تلواریں جو مسافر کا ہتھیار ہے؛ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم ان کو حرم میں نہیں لے جاتیں گے بلکہ وہ حرم کے قریب ہیں گے، خدا نخواستہ ان کی طرف سے کوئی شرارت ہوتی تو ہتھیار ہمارے قریب تو ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باب مسجد سے احرام باندھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرع کا راستہ اختیار فرمایا تھا، اگر یہ نہ ہوتا تو بیداس سے احرام باندھتے، اس کو وادی نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے، اور محب طبری نے اس کو حضرت جابر سے بغیر حوالہ کسی کتاب کے ذکر کیا ہے، زندگانی میں اسی طرح ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں نے بلیمہ پڑھا اور محمد بن سلمہ گھوڑے لے کر مراۓظہان چاہے جو قریب مکہ میں ایک اوی ہے، وہاں قریش کے چند آدمیوں سے ملاقات ہوئی، انھوں نے گھوڑے ساتھ لانے کا سبب پوچھا یہ بولے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گل صبح سویرے یہاں آیا چاہتے ہیں، یہ لوگ قریش کے پاس گئے اور انہیں اس قصہ سے آگاہ کیا، وہ گھبرا گئے اور بولے واللہ! ہم نے تو کوئی نئی حرکت نہیں کی، ہم تو اپنی تحریر اور معاہدے کی مدت پر قائم ہیں پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو لے کر ہم پر کیوں چڑھائی کرتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے مکہ زمانہ ایک شخص کو قریش کے چند لوگوں کے ہمراہ بھیجا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بطن یابغ میں صحابہ کے ہمراہ تشریف فرما تھے اور ہری کے جانور اور ہتھیار بھی یہاں پہنچ گئے تھے ان لوگوں نے یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور عرض کیا: آپ نے بچپن سے آج تک کبھی معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کی۔ اب آپ حرم میں اپنی قوم پر ہتھیاروں سمیت داخل ہوں گے؟ حالانکہ آپ نے ان سے شرط کر رکھی ہے کہ آپ صرف مسافر کے ہتھیار کے ساتھ داخل ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ان پر ہتھیار لے کر داخل نہیں ہوں گا۔ یہ سن کر بجز بولا: آپ اسی نیکی اور دفاء عہد کے ساتھ

معروف ہیں: پھر وہ اپنے رفقاء کے ساتھ واپس ہوا اور اہل کتب سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو شرطیں لوگوں سے ملے کر رکھی ہیں وہ اس پر قائم ہیں: یہ قبضہ واقعی نے روایت کیا ہے (زرقانی میں اسی طرح ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرا نظر ان میں فروکش ہوتے یہ کہ کے قریب ایک وادی ہے۔ اور تاریخ نہیں میں ہے کہ مرا نظر ان کو وادی نہ بھی کہا جاتا ہے: اور بکری کے قول کے مطابق وادی ۱۳ اور مکہ کے بائیں ۲۶ میل کا فاصلہ ہے اور بعض نے ۱۸ میل اور بعض نے ۲۱ میل ذکر کیا ہے (شفاء الغرام) اور مرا نظر ان سے موضع سرف تک سات میل ہے اور سرف سے مکہ چھ میل ہے: اھ اور کہ اور سرف کے بائیں مانت میں چند اقوال ہیں جو حجاز الوداع میں گزر چکے ہیں، اور ہتھیار اپنے آگے بطن یا حج میں بھیج دیتے۔ یا حج یا تحفانی، پھر ہنزہ ساکنہ، پھر دو حیم، اور پہلی حیم پر تینوں حرکتیں صحیح ہیں۔ یہ کہ کے قریب ایک جگہ ہے جو مکہ سے آٹھ میل ہے، اور یہاں سے حدود عرم کے نشان نظر آتے ہیں۔ اور اوس بن خولی (بفتح خا تے محمد و فتح ذوق) الانصاری الخزرجی کو دو سو رفقاء کی معیت میں ان کی نگرانی پر مامور فرما کر ان کو پیچھے چھوڑ کر کہ تشریف لے گئے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ پھر (جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ عمرہ سے فارغ ہوتے تو) انصاری اور آدمی ان کی جگہ بھیج دیتے، یہاں تک کہ سب حضرات نے عمرہ کے مناسک ادا کر لیے: اور انہیں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طواف، نحر اور حلق سے فراغت کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چند صحابہ کو حکم فرمایا کہ وہ اسلو کی حفاظت کے لیے بطن یا حج میں ٹھہریں، اور وہ لوگ جو اب تک اس مہم پر مامور تھے، آکر مناسک عمرہ ادا کر لیں، چنانچہ صحابہ نے یہی کیا: مواہب لبت میں اسی طرح ہے۔

موضع سرف میں حضرت میمونہ سے نکاح کرنا: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے موضع سرف میں بجا لیا اور انہیں میں ہے کہ حضرت ابوجہید کہتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خیبر سے فارغ ہوئے تو بقصد عمرہ عازم کہہ ہوئے، اور جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حبشہ سے آتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کی طرف پیغام نکاح دے کر پہلے بھیج دیا۔ حضرت میمونہ کی اس شریک بہن اسماء بنت عیسٰی حضرت جعفر کے نکاح میں تھیں۔ پس حضرت میمونہ نے اپنا معاملہ حضرت عباسؓ کے سپرد کر دیا۔ انھوں نے حضرت میمونہ کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔ اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم

انھوں نے مقام سرف میں ان کا نکاح کیا۔

اور یہاں ایک مشہور طویل الذیل فقہی بحث ہے کہ حُرْم
بجالت احرام نکاح کرنے کا حکم

حدیث میں اس پر بہت تفصیل سے کلام کیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ حُرْم کا نکاح اتمہ ثلاثہ کے نزدیک صحیح نہیں۔ اگر
اس نے نکاح کیا تو وہ باطل ہوگا۔ اور حضرات حنفیہ اور ان کے موافقین کے نزدیک جائز ہے، اور اس باب
میں جو ممانعت وارد ہے وہ کراہت تنزیہی پر محمول ہے۔ اس لیے کہ وہ خلاف اولیٰ ہے کیونکہ یہ وقت اہم
ترین عبادت میں مشغول ہونے اور ظاہر اور باطن کے ساتھ حق تعالیٰ کے سامنے گڑگڑانے کا ہے۔ اور حضرت میمونہ
سے نکاح کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بیان جواز کے لیے تھا، اور کسی فعل کو، باوجود کراہت کے،
بیان جواز کی نظر کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اجر عظیم کا موجب تھا۔ جیسا کہ علماء کے ہاں معروف
ہے۔ اور فریقین کے دلائل اور وجوہ ترجیح کی تفصیل بذیل میں ہے، اس مختصر میں اس کی گنجائش نہیں۔ اور شیخ الشارح
گلوچہ قدس سرہ نے کوکب میں اس پر بہت ہی عمدہ کلام کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں: ”اتمہ ثلاثہ کا یہ مذہب
کہ نکاح باطل ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح فعل سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ اور اس کے برعکس
ایک روایت میں جو آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے اس وقت نکاح کیا جبکہ
آپ احرام کی حالت میں نہیں تھے۔ یہ یا تو غلط ہے یا مجاز پر محمول ہے کہ نکاح سے مراد مقاربت لی جاتی
کیونکہ تمام تورہین اور محدثین اس امر پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کہ جاتے ہوئے موضع ہرج
میں یہ نکاح کیا تھا۔ اب کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احرام کے بغیر کہ تشریف لے گئے تھے، جب سب
کا اتفاق ہے کہ نکاح موضع سرف میں ہوا اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مکہ جا رہے تھے، تو اندریں
صورت یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بجالت عدم احرام نکاح کیا ہو؟ اس
مقام کے لطائف میں سے یہ ہے کہ اسی جگہ حضرت میمونہ کا نکاح ہوا اور مکہ سے واپسی پر اسی جگہ ان کی خصی
عمل میں آئی۔ اور بالآخر ایک سفر میں اسی جگہ ان کا وصال ہوا۔ اھ

میں کتا ہوں کہ ان تینوں امور کا عجائبات میں سے شمار کیا جانا، جیسا کہ اہل تاریخ کو معلوم ہے، اسی صورت
میں ممکن ہے جب کہ یہ تینوں واقعات تین الگ الگ اسفار میں پیش آتے ہوں۔ اور اگر نکاح اور
خصی ایک ہی سفر میں ہوتی ہو تو اس میں کچھ بھی غرابت اور تعجب انگیزات نہیں۔ نیز کتب تاریخ

اس پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں رخصتی کا قصد فرمایا تھا اور اہل مکہ کو ولیمہ کی دعوت دی تھی۔ مگر انھوں نے قبول نہیں کی۔ تو کیا نکاح سے قبل بنی ولیمہ کا قصد فرمایا تھا، چنانچہ حافظ ابن قیمؒ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تین دن رہے، جب چوتھے دن کی صبح ہوتی تو سہل اور حویطب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں آئے اور حویطب نے بلند آواز سے پکار کر کہا کہ ابھی تک تم ہماری زمین سے نہیں نکلے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”میں نے تمہارے یہاں کی ایک خاتون سے نکاح کیا ہے، اگر میں اس کی رخصتی تک ٹھہروں تو تمہارا کیا حرج ہے۔“ ہم کھانا تیار کریں گے ہم بھی کھائیں گے اور تم بھی ہمارے ساتھ کھاؤ گے۔“ اس پر انھوں نے کہا تم آپ کو اللہ تعالیٰ کا اور عطا ہوا کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ آپ فوراً یہاں سے چلے جائیں؟ پورا قبضہ آگے آتا ہے۔ اور یہ پورا قبضہ ابن ہشام نے ابن اسحاق سے نقل کیا ہے۔ اور امام طحاوی نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت احرام حضرت میمونہؓ سے نکاح کیا، پھر مکہ میں تین روز قیام پذیر رہے اور تیسرے دن حویطب قریش کے چند افراد کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ آپ کی معاذ تم ہو چکی، اس لیے یہاں سے نکل جاتی ہے۔“ الخ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں داخل ہونا اور کفار کا مکہ چھوڑ کر باہر نکل جانا اور کفار قریش یعنی ان کے اکابر و اشراف خدا اور رسول سے عداوت کی بنا کہ چھوڑ کر پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف نکل گئے۔ انہیں اس بات پر یار لاتے صبر نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو طواف کرتے دیکھ سکیں اور ایک روایت میں ہے کہ وہ نفرت اور کبر کی بنا پر باہر نکل گئے کیونکہ انھیں غلط و عداوت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا گوارا نہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمدی کے اونٹ آگے بھیج دیتے اور انھیں کہہ کے قریب وادی طویٰ میں رکھا گیا تاکہ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) عمرو سے فارغ ہوں تو ان کو نحر کے پلے لایا جاتے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ثنیۃ کداسے (مکہ میں) داخل ہوتے۔ کداس: بفتح اذل و د کے ساتھ۔ وہ گھاٹی جو نخجہن پر چڑھتی ہے اور نخجہن: بفتح جاتے حملہ۔ وضم جیم، اور واو اور نون کے ساتھ۔ مکہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔ اور حجة الوداع

میں گزر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج اور عمرہ میں کد آسے داخل ہوتے تھے۔

عبداللہ بن رواحہ کے اشعار | اور عبداللہ بن رواحہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار تمام رکھی تھی۔ اور ایک روایت میں ہے

کہ وہ آپ کی رکاب تھامے ہوتے تھے۔ ممکن ہے کہ بھی مہار پڑتے ہوں اور کبھی رکاب تمام لیتے ہوں اور کبھی آپ کے آگے آگے چلتے ہوں۔ اور لوہار حمال کہتے یہ درجہ شعر پڑھ رہے تھے

خلو ابی الکفار عن سبیلہ الیوم فصر بکم علی تنزیلہ

فربا یزید الہام عن مقلہ وینہل الخلیل عن خلیلہ

(ترجمہ) اے کافروں کی اولاد! آپ کا راستہ چھوڑ دو، آج اس (قرآن کی) تنزیل پر ہم تمہیں ماریں گے۔

اور ایسا ماریں گے کہ سترین سے جدا ہو جائیں گے، اور دوست و ستوں کو بھول جائیں گے۔

ابن رواحہ کے اشعار کے سلسلہ میں مختلف روایات وارد ہیں، جیسا کہ انہیں میں ہے اور حافظ نے

یہ اشعار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طواف بیت اللہ کے وقت ذکر کئے ہیں۔ یہ اشعار سن کر حضرت

عرضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اے ابن رواحہ! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور اللہ تعالیٰ

کے حرم میں شعر پڑھتے ہو؟ زرقانی کہتے ہیں: یعنی ان اشعار سے اعداد کا غصہ بھڑک جاتے تو حرم میں

قتال کی نوبت آسکتی ہے یا یہ مطلب تھا کہ اس موقع پر شعر خوانی اس کمال ادب کے منافی ہے، جس

کے ہم عادی ہیں، خصوصاً عبادت کی حالت میں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے

فرمایا: "اے عمر! ان کو چھوڑ دو، کیونکہ یہ اشعار کفار کے لیے تیروں کی بارش سے بھی زیادہ تکلیف دہ

ہیں" اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ابن رواحہ یہ پڑھو:

واللہ اللہ مدۃ نعیمہ واعر جنة ودمم الاحزاب وعدہ" (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ کیٹا ہے،

اسی نے اپنے بندے کی مدد فرمائی، اور اپنے لشکر کو عزت بخشی، اور جماعتوں کو تباہ شکست دی)۔

چنانچہ ابن رواحہ نے یہ کلمات کہے اور ان کے ساتھ مسلمانوں نے بھی یہ کلمات کہے۔

میں کتابوں کے یہاں اس امر پر تنبیہ ضروری ہے کہ امام ترمذی اور نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے

روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضا میں مکہ میں داخل ہوتے، اور عبداللہ بن رواحہ

آپ کے آگے یہ شعر پڑھتے جا رہے تھے: خلوا ابی الکفار عن سبیلہ الخ پر حضرت عمرؓ نے

ان سے کہا کہ اسے ابن رواحہ! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور اللہ تعالیٰ کے حرم میں شریعت لے ہو، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! ان کو کہنے دو۔ کیونکہ یہ شعر کافروں میں تیروں کی بارش سے بھی زیادہ اثر انداز ہیں۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس سند سے صحیح ہے اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضا میں کہ میں داخل ہوتے۔ اور کعب بن مالک آپ کے آگے آگے تھے، اور بعض علماء حدیث کے نزدیک یہ دوسری حدیث زیادہ صحیح ہے، کیونکہ عبداللہ بن رواحہ جنگ موتہ میں شہید ہوئے اور عمرۃ القضا اس کے بعد ہوا۔ ۱۷

امام ترمذی کا یہ کنا عمرۃ القضا غزوہ موتہ کے بعد ہوا، وہم ہے۔ کیونکہ عمرۃ القضا شہ میں ہوا اور غزوہ موتہ شہ میں۔ جیسا کہ معروف ہے، حافظ ابن حجر کہتے ہیں: یہ ذہول شدید اور غلط مردود ہے۔ میں نہیں جانتا کہ امام ترمذی، خود معرفت کے باوجود اس غلطی میں کیسے جا پڑے، عمرۃ القضا میں حضرت جعفر، حضرت علی اور زید بن حارثہ کا حضرت حمزہ کی صاحبزادی کے بارے میں جھگڑنا ایک معروف واقعہ ہے جیسا کہ آگے آتے گا، اور حضرت جعفر، حضرت زید اور حضرت عبداللہ بن رواحہ ایک ہی عمرہ میں شہید ہوئے۔ آخر امام ترمذی پر ایسی چیز کیسے مخفی رہ گئی؟ بعد ازاں مجھے بعض لوگوں کی یہ تحریر ملی کہ ترمذی میں حضرت انس کی حدیث کے ذیل میں یہ لکھا ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کا ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو امام ترمذی کا اقرار مل جاتا ہے، لیکن ترمذی کے راوی کرخی کے ہاتھ کا لکھا ہوا جو نسخہ موجود ہے اس میں یہی عبارت ہے جو اوپر گذر چکی ہے۔ واللہ اعلم۔ اہ میں کہتا ہوں کہ بعض لوگوں سے حافظ کی مراد غالباً حافظ ابن قیم ہیں۔

کیونکہ انھوں نے التمدی میں کہا ہے کہ ترمذی وغیرہ میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے دن مکہ میں داخل ہوئے۔ درآخالیہ عبداللہ بن رواحہ آپ کے آگے آگے یہ شعر پڑھ رہے تھے،

خَلَّوْا بَيْتِي الْكَعْبَاءَ عَنْ سَبِيلِهِ مَگر یہ وہم ہے کیونکہ ابن رواحہ فتح کے دن سے چار ماہ قبل جنگ موتہ میں شہید ہو چکے تھے، وہاں آپ کے سامنے ابن رواحہ کے شعر پڑھ جاتے تھے۔ اور یہ ایسی حقیقت ہے جس میں

اہل نقل کا کوئی اختلاف نہیں۔ ۱۸ اہ اور کہ کتب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت عمرؓ کے انکار کی وجہ پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر تلبیہ کہتے رہے یہاں تک کہ آپ

نے اپنی چھڑی کے ساتھ رکن یعنی حجر اسود کا استلام کیا۔ درآخالیہ آپ نے اپنے کپڑے سے اضطباع کر رکھا تھا۔ اضطباع کے معنی یہ ہیں کہ چادر کو داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر اس کے دونوں پلے باقی

کندھے پر آگے پیچھے ٹکالیے جاتیں) ابن قیم کہتے ہیں کہ آپ نے صحابہ کو حکم فرمایا کہ اپنے کندھے پر ہنہ رکھیں اور طواف میں تیز چلیں، تاکہ مشرکین کے سامنے ان کی قوت و طاقت کا مظاہرہ ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر ممکن طریقہ سے ان کو مرعوب کرنے کی تدبیر کیا کرتے تھے۔ اور آپ نے اپنی اونٹنی پر طواف کیا جیسا کہ ابن سعد اور واقعی نے ذکر کیا ہے، اور ان دونوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آپ کو کوئی عذر نہیں تھا۔ اور ابن اسحاق وغیرہ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدل طواف کیا، تین پھیروں میں تیز چلے اور باقی پھیروں میں اپنی مقدار رفتار سے چلے۔ اور مسلمان آپ کے ساتھ پیدل طواف کرتے تھے، زرقانی کہتے ہیں: "اور ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ عمرہ کیا، پس جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ نے طواف کیا اور ہم نے آپ کے ساتھ طواف کیا، اور آپ صفا و مروہ پر آتے تو ہم بھی آپ کے ساتھ آتے۔ اور ہم آپ کو اہل مکہ سے چھپاتے رکھتے تھے کہ کہیں کوئی شخص آپ پر تیر نہ پھینکے" اور ایک روایت میں ہے کہ ہم آپ کو مشرکوں اور مشرکوں کے دلوں سے بچا رہے تھے کہ کہیں آپ کو ایذا نہ دیں یہ دونوں روایتیں بخاری میں ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب آپ مکہ تشریف لاتے اور عمرہ القصر میں بیت اللہ کا طواف کیا تو ہم آپ کو احمقوں اور بچوں سے بچا رہے تھے کہ مبادا آپ کو تکلیف پہنچائیں؟ اھ

در آنجا یکہ انھوں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اضطباع کر رکھا تھا اضطباع کی تفسیر اور پر گنہر چکی ہے) اور انھوں نے رمل کیا۔ رمل اور اضطباع کی بحث جزو حجۃ الوداع میں گذر چکی ہے، پس اہل مکہ مرد، عورتیں اور بچے کھڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو طواف کرتے دیکھ رہے تھے۔

اور جن میں بروایت بخاری حضرت ابن عباسؓ سے نقل
رمل کا سبب اور اس کی ابتداء کیا ہے کہ مشرکین نے کہا کہ یہ لوگ تمہارے پاس آ رہے

ہیں ان کو ثرب کے بخار نے لاغر کر رکھا ہے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ پہلے تین پھیروں میں رمل کریں اور رکن یثربی اور حجر اسود کے بائیں معاد رفتار سے چلیں، اور تمام پھیروں میں رمل کا حکم دینے سے کوئی چیز مانع نہیں تھی بجز اس کے کہ آپ ان پر شفقت کرتے ہوئے ان کی رعایت فرما چاہتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: رمل کرو تاکہ مشرکین تمہاری قوت کا مشاہدہ کریں اور مشرکین جب قیقان کی جانب کھڑے تھے: "اور اسد الغابہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے اضطباع اور

رُک لیا، اور یہ اسلام میں سب سے پہلا رُک ل اور اضطباع تھا۔ اور اکتافیں بنے کہ قریش نے باہم چڑھ گئیں، جیسا کہ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ حضرت و شقت اور سختی میں ہیں، پس وہ "دار الندوة" کے پاس صفت باندھ کر بیٹھ گئے تاکہ آپ کو اور آپ کے صحابہ کو دیکھیں۔ پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو اپنی ردائے مبارک کے ساتھ اضطباع کیا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو آج ان کافروں کے سامنے اپنی قوت کا مظاہرہ کرے۔ پھر آپ نے حجرِ اسود کا استلام کیا اور دوڑتے ہوئے نکلے اور حضرات صحابہ نے بھی آپ کے ساتھ دوڑ لگائی (یعنی رُک لیا) یہاں تک جب آپ اُن سے بیت اللہ کی آڑ میں آئے اور رُکنِ یمنی کا استلام کیا تو معذور رفتار سے چلے، اور حجرِ اسود کا استلام کرنے کے بعد پھر رُک ل کیا، تین پھیرے اسی طرح پورے کئے، اور باقی پھیروں میں عام رفتار سے چلے، فقط

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری، امام مسلم اور امام ابو داؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آئندہ الفاظ ابو داؤد کے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ آئے تو صحابہ کرامؓ شرب کے بخار کی وجہ سے لاغر تھے۔ پس مُشرکوں نے کہا کہ تمہارے یہاں ایسے لوگ آ رہے ہیں جن کو بخار نے لاغر کر رکھا ہے۔ اور انہوں نے اس سے سخت تکلف اٹھاتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی گفتگو سے مطلع فرمایا، پس آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ تین پھیروں میں رُک ل کریں اور رُکنِ یمنی اور رُکنِ اسود کے درمیان عام رفتار سے چلیں، پس جب مکہ کے لوگوں نے ان کو رُک ل کرتے دیکھا تو کہنے لگے کیا یہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تم کہتے تھے کہ ان کو بخار نے کمزور کر رکھا ہے؟ یہ لوگ تو ہم سے بھی زیادہ قوی اور مضبوط ہیں۔ الخ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ قریش کہتے تھے کہ یہ تو ہر نوں جلیبے ہیں۔

زرقانی کہتے ہیں کہ امام احمد نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عمرہ میں "مر الظهران" میں اتارے تو آپ کے صحابہ کو خبر ہوئی کہ قریش ان کے ضعف کے افسانے بیان کر رہے ہیں، پس انہوں نے کہا کہ اگر ہم اپنی سواریوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت کھائیں اور شور باپتیں تو کل جب ان لوگوں کے یہاں جاتیں گے تو تازہ دم ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہ کرو بلکہ اپنے توشے جمع کر کے میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ انہوں نے جمع کر کے دسترخوان بچھائے اور خوب کھلایا اور کچھ کھانا باقی بچ رہا تو ہر ایک نے اپنے توشہ دان میں بھر لیا، اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی گفتگو سے مطلع کر دیا۔ پس آپ نے ان کو حکم دیا کہ زل کریں۔ الحج۔
 پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی پر صفا اور مروہ کے درمیان طواف کیا یعنی سعی کی، سعی کو طواف
 کہنا حق تعالیٰ کے ارشاد ان یطوف بہما کی اقتدار کی بنا پر ہے۔ پہلے گذر چکا ہے کہ ہدی کے جانور ذی
 طوئی میں چھوڑے گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طواف وسیعی سے فارغ ہونے تک وہ آپ کے
 حکم سے نرؤذ کے پاس لاتے جا چکے تھے۔ چنانچہ آپ جب سعی کے ساتویں پھیرے سے فارغ ہوتے تو فرمایا:
 یہ عمر کی جگہ اور مکہ کا ہر گلی کوچہ منہ ہے۔ پھر آپ نے ان ساتھ اونٹوں کو جو ساتھ لاتے تھے نرؤذ کے پاس بھر
 کیا اور اسی جگہ طاق کر لیا۔ صاحب اتنا ع نے ذکر کیا ہے کہ معمر بن عبد اللہ العدوی نے آپ کا طاق کیا تھا۔ یہی
 عمل مسلمانوں نے کیا، واقعہ یہ کہ آپ کے ساتھ ان لوگوں نے بھی عمر کیا تھا جو حدیبیہ میں شریک نہیں
 تھے۔ مگر انھوں نے عمر نہیں کیا، اور جو لوگ حدیبیہ میں شریک تھے اور عرۃ القضاء کے لئے بھی آتے انھوں نے
 ہدی میں اشتراک کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سو صحابہ کو ان کے طواف وسیعی سے فارغ
 ہونے کے بعد حکم فرمایا کہ وہ بطن یا حج، چلے جائیں اور اسلمہ کی نگرانی کریں۔ اور دوسرے لوگ جو وہاں ہیں
 اور انھوں نے ابھی تک مناسک ادا نہیں کئے وہ اگر مناسک ادا کریں۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کی تعمیل
 کی گئی۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریش کی شرط کی مطابق مکہ میں تین دن رہے، اور اس عرۃ القضاء میں کعبہ کے اندر داخل نہیں ہوئے۔ زرقانی کہتے ہیں کہ اہم	عمرۃ القضاء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے اندر داخل نہیں ہوئے

بخاری کی روایت یہ کہ ایک شخص نے حضرت ابن ابی اوفی سے دریافت کیا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرۃ
 القضاء کے سال کعبہ میں داخل ہوئے، فرمایا: نہیں۔ اور واقعہ یہ کہ روایت ہے کہ انھوں نے کہا: آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم عرۃ القضاء میں کعبہ کے اندر نہیں گئے۔ آپ نے ان کو پیغام بھیج کر اجازت طلب کی تھی۔
 مگر انھوں نے یہ بات کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ آپ کی شرطیں یہ بات داخل میں تھی۔

حضرت بلال کا کعبہ کی چھت پر
 اذن کہنا فتح مکہ کا واقعہ ہے
 کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرۃ القضاء میں جب طواف
 پورا کیا تو نبیت اللہ کے اندر داخل ہوئے۔ یہاں تک حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کعبہ پر چڑھ کر ظہر کی اذان کہی "الحديث اور اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ عکرمہ، صفوان اور خالد بن اسید (بروزن امیر) نے اس امر پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ ان کے باپ مرچکے ہیں اور انھوں نے اس غلام کو کعبہ کی چھت پر (معاذ اللہ) گھسے کی طرح آواز نکالتے نہیں دیکھا " مگر یہ روایت وہم ہے، چنانچہ ابو یعلیٰ، ابن ابی شیبہ، ابن ہشام اور خود بیہقی نے دوسری سند سے اور دیگر حضرات نے متعدد طرق سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کعبہ شریف میں داخل ہوا اور حضرت بلالؓ کا اس کی چھت پر اذان کہنا فتح کہ کا واقعہ ہے " اور بعض نے تصریح کی ہے کہ یہی مشہور ہے، اور واقعی کسی روایت میں منقذ ہو تو بھی قابل احتجاج میں نہ جاتیکہ وہ دوسروں کے خلاف روایت نقل کرے، بالخصوص صحیح بخاری کی روایت کے خلاف " ۱۷

اور حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں کہا ہے کہ "بیہقی نے بطریق واقعی اسی طرح ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیت اللہ میں داخل ہونا عرۃ القضاء کا واقعہ ہے مگر مشہور ہے کہ یہ فتح مکہ کے سال ہوا۔ واللہ اعلم " ۱۸ اور جزر حجۃ اوداع میں گذر چکا ہے کہ عرۃ القضاء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کعبہ میں داخل نہ ہونا اجماعی ہے۔ اور صحیح بخاری میں عبد اللہ بن ابی اوفیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمو کیا، پس بیت اللہ کا طواف کیا۔ اور مقام ابراہیم (علیہ السلام) کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں، اور آپؐ کے ساتھ وہ لوگ تھے جو آپؐ کو لوگوں سے (پہلے کے لیے) پردہ کر رہے تھے، پس ایک شخص سخاں سے عبد اللہ بن ابی اوفیٰ سے کہہ کر آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے؟ فرمایا: نہیں " اور شیخ ترمذی فرماتے ہیں: "یہ عرۃ القضاء کا واقعہ ہے اور اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے اندر نماز نہیں پڑھی، کیونکہ اس کے اندر جو تصاویر آویزاں تھیں، ان کے ہٹانے اور مٹانے کی قدرت نہ تھی، اور ان کی موجودگی میں داخل ہونا جائز نہ تھا۔ اور اس میں اس بات پر دلائل ہے کہ مقامات متبرکہ میں جب کسی نوع کا کفر و شرک ہوتا ہو تو ان کی زیارت کو ترک کر دینا چاہیے " ۱۹ اور اس کے حاشیہ میں ہے کہ شیخ کا یہ ارشاد کہ "یہ عرۃ القضاء کا قبضہ ہے" یہی واقعہ ہے، نووی کہتے ہیں کہ علماء نے کہا ہے کہ آنحضرت کے ترک دخول کا سبب یہ تھا کہ بیت اللہ میں اصنام و تصاویر تھیں اور مشرکین آپؐ کو ان کی تغیر کی اجازت نہیں دے سکتے تھے، پھر فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے تصاویر کو ہٹانے کا حکم فرمایا بعد ازاں بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے، جیسا کہ بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے۔ پس غیب جو تھا دن

ہوا، اور خمیس میں ہے کہ جب چوتھے دن ظہر کا وقت ہوا تو سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبد العزیٰ آپ کے پاس آئے اور کہا: آپ کی مدت ختم ہو چکی ہے۔ لہذا یہاں سے تشریف لے جاتیے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ اپنے صاحب سے کہیے کہ ہمارے یہاں سے نکل جائیں۔ کیونکہ مدت ختم ہو چکی۔ اس کے بعد صاحب خمیس کہتے ہیں: پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھے دن کی صبح کی تو سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبد العزیٰ آپ کے پاس آئے: ان کا یہ بیان گذشتہ بیان کے خلاف ہے کہ وہ چوتھے دن کی ظہر کی وقت آتے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی مجلس میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے گفتگو فرما رہے تھے۔ پس حویطب نے پیچ کر کہا: ہم آپ کو اللہ تعالیٰ اور معاہدہ (حدیبیہ) کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ آپ ہماری سرزمین سے نکل جائیں۔ کہیں دن گذر چکے ہیں: پس سعد نے کہا: تو غلط کہتا ہے۔ تیری ماں نہ رہے۔ یہ نہ تیری زمین ہے نہ تیرے باپ کی، واللہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنی خوشی سے جائیں گے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے فرمایا: اے سعد! ان لوگوں کو جو ہمارے دیر سے میں ہماری ملاقات کو آتے ہیں، اذامت دو: زرتانی کہتے ہیں کہ یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں مین دن رہے۔ اس روایت کے منافی نہیں جو عروہ سے مروی ہے کہ جب چوتھے دن ظہر کا وقت ہوا تو سہیل آپ کے پاس آیا۔ الخ: چنانچہ حافظ، فتح میں کہتے ہیں کہ غالباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ میں تشریف آوری دن کے نصف اول میں ہوتی ہوگی۔ اور کل وقت ملا کہ چوتھے دن اسی وقت تین دن پورے ہوتے، جس وقت کہ آپ مکہ میں داخل ہوتے تھے۔ اور سہیل اور حویطب قریباً اسی وقت آکر آپ سے مستعدی ہوتے کہ آپ تشریف لے جائیں۔ اھ

آنحضرتؐ کا مکہ میں زلف اور ولیہ زرتانی کہتے ہیں کہ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ قریش نے حویطب کا ارادہ کرنا اور اہل مکہ کا انکار کرنا کو آپ کے کہنے سے نکالنے پر مامور کیا تھا، چنانچہ اس نے کہا: یہاں سے نکل جاؤ، آپ نے فرمایا: تمہارا کیا حرج ہے اگر تم مجھے رہنے کی اجازت دو تا کہ میں تمہارے یہاں رہ کر رخصتی کی رسم انجام دوں۔ اور ہم کھانا پکائیں۔ اس میں تم لوگ بھی شرکت کرو، انہوں نے کہا ہمیں آپ کے کھانے کی حاجت نہیں، پس یہاں سے چلے جاتیے: اور خمیس میں ہے کہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عروہ سے فارغ ہو کر تین

دن کہیں رہے، اہل مکہ سے تین ہی دن کی فطر طہری تھی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو (کفار کے پاس یہ پیغام دے کر) بھیجا کہ اگر تم چاہو تو تمہارے پاس تین دن اور رہو اور اپنی اہلیہ سے زنا ف کر دو۔ اور تمہیں ولیدہ کھلاؤں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عروس سے پہلے حضرت میمونہ سے نکل کر کیا تھا، اور ابھی رخصتی نہیں ہوتی تھی۔ مگر اہل مکہ نے کہا: "ہمیں آپ کے ولیعہ کی عزت میں، اس میں سے نکل جاتے؟" اس روایت سے ان لوگوں کی تائید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ آپ نے احرام کی حالت میں حضرت میمونہ سے نکاح کیا تھا۔ اور حافظ ابن قیمؒ اور حافظ ابن عسکیر کے الفاظ ابن کثیر کی نقل کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حویطب کے مطالبہ کا ذکر کرنے کے بعد یہ ہیں: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حویطب اور سہیل کو آواز دے کر فرمایا: میں نے تمہارے میاں کی ایک خاتون سے نکاح کیا ہے۔ اس میں تمہارا کیا نقصا ہے کہ میں کچھ وقت مزید ٹھہرون میاں تک کہ اس سے زنا ف کر لوں، اور ہم کھانا تیار کریں گے تم بھی ہمارے ساتھ مل کر کھاؤ گے؟ پس انھوں نے کہا: ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کا اور معاہدہ کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ آپ فوراً نکل جاتیں؟ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انرا ف کو حکم دیا اور انھوں نے ابطح سے کوچ کا اعلان کر دیا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی مکان میں نہیں ٹھہرتے تھے۔

زرقانی کہتے ہیں: "واقعی کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا قیام ابطح میں رہا۔ کسی مکان میں نہیں ٹھہرتے تھے، بلکہ ابطح میں آپ کے لیے چڑھے کا

خیمہ نصب کر دیا گیا تھا۔ آپ مکہ سے واپسی تک اسی میں رہے، اور مکہ کے کسی مکان کی چھت کے نیچے نہیں گئے۔ اور طبقات میں کوچ کے اعلان کے بعد یہ ذکر کیا ہے کہ "شلم تک کوئی مسلمان میاں مکہ میں نہ رہے۔"

مدینہ واپسی اور حضرت حمزہؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اوشمی پر سوار ہوتے، اور حضرت

حمزہ کی صاحبزادی آپ کے پیچھے پیچھے آرہی تھی۔ زرقانی نے اس بچی کے نام میں سات قول نقل کر کے حافظہ کے حوالے کیا ہے۔

کہ اس کا مشہور نام آمار ہے۔ زرقانی نے حافظہ سے اسی طرح نقل کیا ہے لیکن فتح الباری کے جو نسخے ہمارے پاس ہیں ان میں یہ ہے کہ "حمزہ کی صاحبزادی کا نام عمارہ یا فاطمہ یا آمار یا امہ اللہ یا سلی ہے، اور اول ہی مشہور ہے۔ یہ بچی آپ کو چچا کہہ کر پکار رہی تھی، حافظہ کہتے ہیں کہ غالباً اس نے تعظیم کی بنا پر آپ کو چچا کہا ہو گا۔ ورنہ آپ اس کے چچا زاد بھائی ہوتے ہیں، پس حضرت علیؓ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اٹھایا۔ شیخ بذل میں

فرماتے ہیں کہ اس روایت کا یہ بیان کہ حضرت علیؑ نے اس کو لے لیا۔ اس حدیث کے خلاف پہلے جو پہلے گزر چکی ہے یعنی ابو داؤد میں کہ حضرت زید بن حارثہؓ کو لگے اور حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی کو لاتے : الخ دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ کمرے تو سب سے پہلے زید بن حارثہؓ لاتے تھے اور اس کی دلیل وہ روایت ہے جو حافظ نے مغازی سلیمانؒ سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے اہل خانہ کی طرف واپس آتے تو حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی کو پایا، اس سے دریافت کیا تو کہے آئی : اس نے کہا آپ کے اہل میں سے ایک شخص مجھے لیا ہے۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ میں پہنچی تو لوگوں میں گھومنے لگی اور آپؐ پر نظر پڑی تو یاعلم یا عم بنتی ہوئی آپ کے پیچھے چل پڑی۔ پس حضرت علیؑ نے اس کو اٹھایا اور حضرت فاطمہؓ کے ہودج میں سوار کر دیا۔ اس کی تائید حافظ کے قول سے ہوتی ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن سعد کی روایت میں بلند صحیح مروی ہے اس آستان میں کہ وہ لوگوں میں گھوم رہی تھی کہ حضرت علیؑ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے حضرت فاطمہؓ کے سپرد کر دیا یہ انتہی مختصر۔ اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ لے اپنی چچا زاد بہن کو پکڑ۔ اور حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت علیؑ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا جب کہ وہ اپنے ہودج میں سوار تھیں، اس کو اپنے پاس رکھ۔ پس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اسے اپنے ساتھ سوار کر لیا۔

اس بچی کی کفالت میں تنازعہ | پھر حضرت علیؑ، حضرت زیدؓ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہم کا اس کی کفالت میں جھگڑا ہوا، اور یہ تنازعہ مدینہ آنے کے بعد جوا تھا، جیسا کہ سند

احمد اور حاکم میں حضرت علیؑ کی حدیث سے واضح ہے۔ اور مغازی ابو الاسود میں عروہ سے مروی ہے کہ جب مدینہ کے قریب پہنچے تو زیدؓ نے اس کے بارے میں آپ سے بات کی اور زیدؓ، حضرت حمزہؓ کے بیٹا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ موافقات کی رُو سے ان کے بھائی تھے یہ روایت اس امر کے منافی نہیں کہ خاصیت مدینہ میں ہوئی ہو، غالباً حضرت زیدؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں درخواست کی ہوگی، اور منازعت بعد میں ہوتی ہوگی : (کنزانی زندگانی)

شیخ بدلی میں فرماتے ہیں کہ محل خصوصیت میں اختلاف ہے۔ حافظ نے قح میں کہا ہے کہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت علیؑ، حضرت جعفر اور حضرت زیدؓ کی خاصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں "مرافظہ ان چہنہ کے بعد ہوئی۔ بعد ازاں حافظ کہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں ان کی خصوصیت مدینہ آنے کے بعد ہوئی یہ مسند احمد اور حاکم میں حضرت علیؑ کی روایت سے ہے۔ اور مغازی ابو الاسود میں ہے کہ "یہاں وہی گذشتہ بالا عبارت

ہے جو زمانہ کے حوالہ سے نقل کی گئی) اس کے بعد شرح فرماتے ہیں : میں کتنا ہوں اگر پہلا قول صحیح اور محفوظ ہو کہ خصوصاً قرآن پڑھنے کے بعد جوتی تب بھی ان دونوں قولوں کے درمیان مخالفت نہیں، کیونکہ ممکن ہے نمازعت پہلے مرا نظر ان میں جوتی ہو جب کہ حضرت علیؓ نے اس کو لے کر حضرت فاطمہؓ کے حوالے کیا، کیونکہ یہ نمازعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچی، پھر مدینہ پہنچنے سے پہلے حضرت زینبؓ نے آپؐ سے گفتگو کی، پھر مدینہ آنے کے بعد یہ مقدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوا اور اس وقت آپؐ نے فیصلہ فرمایا۔

خالد ماں کی مثل ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ جعفر کے حق میں فرمایا کیونکہ ان کی بیوی اسماء بنت عیسٰی اس گچی کی خالہ تھیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خالد بنسزل ماں کے ہے۔ میں کتنا ہوں کہ مسئلہ حضانت مشہور اختلافی مسئلہ ہے۔ جس کی تفصیل مطولات میں اور آدجن کی کتاب الا قضیہ میں تفصیل سے ذکر کی گئی ہے اور اس کا خلاصہ میرے حاشیہ نمل میں ہے۔ اور حافظ ابن قیمؒ کہتے ہیں : اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں باپ کے بعد خالد حضانت میں تمام آثار سے مقدم ہے : آگے چل کر کہتے ہیں اس قصہ میں ان حضرات کے قول کی دلیل ہے جو خالد کو چھو بھی پر اور ماں کی قرابت کو باپ کی قرابت پر ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گچی کا فیصلہ اس کی خالہ کے حق میں فرمایا، جب کہ اس کی چھو بھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اس وقت موجود تھیں۔ اور یہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے اور یہی ایک روایت امام احمدؒ سے مروی ہے اور ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ چھو بھی خالہ سے مقدم ہے اور یہی روایت ہمارے شیخ (حافظ ابن تیمیہؒ) کی مختار ہے۔ اسی طرح باپ کے رشتہ کی عورتیں ماں کے رشتہ کی عورتوں سے مقدم ہیں کیونکہ بچے کی ولایت باپ کا بنتی ہے۔ اور ماں کو محض بچے کی مصلحت سے مقدم کیا گیا، کہ ماں میں کمال تربیت اور محبت و شفقت ہو اگر تکی ہے۔ اور عورتیں پرورش کا کام مردوں کی نسبت زیادہ بہتر طریقے سے انجام دے سکتی ہیں۔ الخ۔

موضع سرف میں حضرت یمونہ کی شخصیت۔ اور وفات پس جبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام سرف پہنچے تو پڑاؤ کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ارفعؓ کو چھوڑ گئے تھے تاکہ وہ حضرت یمونہؓ کو لے کر آئیں چنانچہ حضرت یمونہ رضی اللہ عنہا اور ان کے ہمراہیوں کے آنے تک آپؐ یہاں ٹھہرے، اور ان لوگوں کو مشرکین کے منہا اور بچوں سے اذی اور مشقت کا سامنا کرنا پڑا۔ کہانی الہدیٰ

پس حضرت یسویٰ سے برساں زفاف کیا اور خمیس میں پہنچے کہ حضرت یسویٰ رضی اللہ عنہما دار خابا آخری خانہ
 ہیں جو حریم نبوت میں آئیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اہل بیت میں سب سے آخر میں ان کا انتقال
 ہوا۔ مگر ان کے سن وفات میں چند اقوال ہیں: "زفانی کہتے ہیں: سن اکیسواں میں ان کی وفات ہوئی" اور حافظ
 نے اہل بیت میں ان کے سن وفات میں بہت سا اختلاف ذکر کیا ہے، اور وہ خود اس طرف قائل ہیں کہ ان کی وفات
 کے بعد حضرت عائشہ زندہ رہیں، اور خمیس میں پہنچے کہ یہ میں بیمار ہوئیں تو فرمایا کہ مجھے کس سے ملے چلو کیونکہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا تھا کہ میں یہاں نہیں مروں گی، چنانچہ ان کو کتبے سے اٹھا لے، جب موضع سرف پہنچے
 تو اس درخت کے نیچے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شب زفاف میں قبہ نصب کرایا تھا، ان کو
 رکھ دیا، اسی جگہ ان کا وصال ہوا اور اسی جگہ ان کی قبر ہے: "اے حافظ ابن قیم کہتے ہیں: پھر آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم موضع سرف سے رات کے آخری حصہ میں روانہ ہوئے، اور منزل بمنزل چلے یہاں تک کہ مدینہ منورہ واد
 شرفاؤ کرنا پہنچے: "صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم قیلا کثیرا کثیرا کثیرا۔"

چوتھی فصل، عمرہ جمرانہ میں

جمرانہ کا ضبط حرکات اور عمل وقوع ”جمرانہ“ بکسر جیم و سکون عین پہلو و تخفیف راء۔ اور بکسر عین و تشدید راء۔ اور ادجز میں اس کی حرکات کے ضبط پر مفصل لکھا ہے۔ اور اس میں ہے کیا قوت حموی کہتے ہیں؟ جیم کے کسرہ پر تو اجماع ہے مگر اصحاب حدیث اس کی عین پر کسرہ اور راء پر تشدید پڑھتے ہیں یہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک کنواں ہے، جو مکہ سے قریب تر ہے، یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد اور کئی کنوئیں قریب قریب ہیں۔ اور یہ مکہ سے ایک برید کے فاصلہ پر عراق کے راستہ میں واقع ہے۔ اور باجی کہتے ہیں کہ اس کے اور مکہ کے باہین اٹھارہ میل کا فاصلہ ہے۔

فتح مکہ کیلئے رواں لگی کا سبب عمرہ حدیبیہ کے بیان میں گزر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار قریش نے اس شرط پر صلح کی تھی کہ دونوں فریقوں کے باہین دس سال تک لڑائی موقوف نیگی۔ مگر قریش اپنی شرط پر قائم نہیں رہے بلکہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلفاء بنو خزاعہ کے مقابلہ میں بنو نفاث کی خیمہ مدد کی، اس کے نتیجہ میں بنو خزاعہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد کی درخواست کی، اور یہ صلح حدیبیہ کے ٹھیک بائیس مہینے بعد شعبان ۶ء کا واقعہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ دس رمضان کو مدینہ سے روانہ ہوئے اور ۲۰ رمضان کو مکہ فتح ہوا۔ پس آپ وہاں پندرہ راتیں یا اس سے زیادہ یہاں مقیم رہے اور اس مدت میں مختلف اطراف کی جانب چھوٹے چھوٹے دستے (سراپا) بھیجتے رہے۔

خزوہ حنین کے لیے رواں لگی بعد ازاں شوال کی دس تاریخ کو اہل مدینہ کا بارہ ہزار کا لشکر لے کر حنین کی طرف روانہ ہوئے مسلمانوں کو پہلے تو خود پسندی اور اپنی کثرت پر ناز کرنے کی وجہ سے ظاہری شکست کا ابتداء پیش آیا۔ مگر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے انہیں غلبہ نصیب ہوا۔ چھ ہزار قیدی، چوبیس ہزار ادنٹ، چالیس ہزار سے زیادہ بھیڑ بکری اور چار ہزار اوقیہ چاندی غنیمت میں ہاتھ آئی، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف تشریف لے گئے۔ اور اٹھارہ دن تک ان کا محاصرہ کئے رکھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جمرانہ کی جانب) مراجعت فرما ہوئے۔ کذا فی الجمع

جعفران میں مال غنیمت کی تقسیم | اور انجیس میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وختار پھر قرن المنازل پھر نخلہ سے گزرتے ہوئے واپس لوٹے یہاں تک کہ جعرا نہ آنکھلے۔ اور اسی میں ہے: ”پس ۵ ذی قعدہ کو جعرا نہ آپہنچے۔ وہاں تیرہ دن قیام رہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف جاتے ہوئے حکم فرما گئے تھے کہ جنگِ حنین میں حاصل شدہ قیدیوں اور مال غنیمت کو جمع کیا جائے۔ چنانچہ ساری چیزیں جعرا نہ میں جمع کر دی گئیں تھیں۔ اور اسی جگہ مال غنیمت تقسیم فرمایا، چنانچہ امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جعرا نہ سے عزم کیا، جہاں آپ نے حنین کا مال غنیمت تقسیم فرمایا تھا۔“

وفد ہوازن کی آمد | اور لامع کی کتاب الجلبہ کے حاشیہ میں ہے کہ حافظ کہتے ہیں کہ موسیٰ بن عقبہ کی منادی میں یہ قصہ پوری تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: ”پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شوال میں طائف سے جعرا نہ واپس ہوئے اور یہاں بنو ہوازن کے قیدی جمع تھے۔ ہوازن کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بغرض اسلام حاضر ہوا۔ چنانچہ لوگ اسلام اور بیعت سے مشرف ہوئے پھر آپ سے اپنے قیدیوں کی رہائی کے سلسلہ میں گفتگو کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مالِ اللہ قیدی سب تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ لیکن میں تمہاری خاطر ان کی واپسی کا مطالبہ کرونگا۔ مگر دونوں چیزوں میں سے کس کی واپسی تمہیں زیادہ محبوب ہے۔ قیدیوں کی؟ یا مال کی؟ (بس ایک چیز واپس کی جاسکتی ہے)۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے ہمیں مال اور حسب میں سے ایک چیز کا اختیار دیا ہے۔ حسب ہمیں زیادہ محبوب ہے۔ (یعنی مال کے بجائے قیدی واپس کئے جائیں)۔ فرمایا: ”جی ہاں! تمہارے قیدی تو تمہارے رہے اور دوسرے مسلمانوں سے تمہاری خاطر گفتگو کرونگا۔“

یہاں پورا قصہ تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اور اس کے آخر میں ہے: ”پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”میں نے تمہارے انتظار میں قیدیوں کی تقسیم میں تاخیر کی تھی۔ مگر تم نے آنے میں تاخیر کی۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیدیوں کو تقسیم کئے بغیر چھوڑ کر طائف تشریف لے گئے تھے۔ کئی دن طائف کا محاصرہ رہا، پھر وہاں سے جعرا نہ واپس ہوئے، پھر وہاں اموال غنیمت تقسیم کئے۔ اس کے بعد ہوازن کا وفد آیا۔“

نورقانی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس دن سے زائد تک جعرا نہ میں بنو ہوازن کا انتظار

فرماتے رہے کہ وہ مسلمان ہو کر آئیں گے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ اور جبرائیل جگہ ہے جہاں طائف اور مکہ سے مدینہ جانے کے دونوں راستے جمع ہوتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل میں جنین کے اموال غنیمت تقسیم فرمائے تھے۔

زرقانی کہتے ہیں کہ اہل بخاری نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن ثابت کو حکم فرمایا کہ لوگوں کو جمع کیا جائے اور مال غنیمت لایا جائے۔ پھر آپ نے لوگوں میں مال غنیمت تقسیم کیا، چنانچہ ہر شخص کا حصہ چار اونٹ اور چالیس بکریاں لگا۔ پھر آپ نے وہاں سے عمرہ کیا اور صاحب غنیمت کہتے ہیں: ”پھر آپ جبرائیل سے عمرہ کے لیے نکلے، اور باقی ماندہ ”فے“ کے بارے میں حکم فرمایا کہ اسے مرا غلظہ ان کی جانب مجتہ نامی جگہ پر رکھا جائے“ پھر عمرہ سے فراغت کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: ”پھر وہاں مدینہ کی طرف روانگی ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی ماندہ ”فے“ کو سنا لیا“ اور اس بات کو ابن ہشام نے ابن اسحاق سے بھی نقل کیا ہے۔

عمرہ جبرائیل کا احرام باندھنا اور امام ابو داؤد نے عرش کعبی سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جبرائیل میں داخل ہوئے۔ پس وہاں جو مسجد تھی اس کی طرف آئے۔ پس جتنی رکعتیں اللہ کو منظور تھیں ادا کیں۔ پھر عمرہ کا احرام باندھا۔ واقعہ یہی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد کو احرام باندھا تھا جب کہ ذیقعدہ کی بارہ راتیں باقی تھیں۔ کذا فی التلخیص اور ابن قیم کہتے ہیں: ”عمرہ جبرائیل ذی قعدہ میں ہوا۔ عینی کہتے ہیں: ”یسرا عمرہ“ عمرہ جبرائیل ہے، اور یہ بھی ذیقعدہ میں ہوا۔ یہ عروہ بن زبیر اور موسیٰ بن عقبہ وغیرہ کا قول ہے اور واقعہ یہی یہ ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے۔ ابن کثیر نے اپنی تصحیح میں کہا ہے کہ عمرہ جبرائیل شوال میں ہوا۔ عجب طبری کہتے ہیں کہ جہاں تک سمجھے علم یہ بات ابن کثیر نے سوا کسی نے نہیں کہی اور مشہور یہ ہے کہ ذی قعدہ میں ہوا۔ کذا فی الوجز۔

عمرہ شوال کا مصداق اور اجز ہی میں ایک جگہ شوال کے عمرہ پر مفصل بحث کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ابن قیم کہتے ہیں: ”اگر یہ بات محفوظ ہو تو غالباً یہ عمرہ جبرائیل کا واقعہ ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شوال میں نکلے تھے اور احرام ذیقعدہ میں باندھا تھا۔“ اور ابن عساکر نے فتح میں اور قسطلانی نے شرح بخاری میں بھی اسی پر حزم کیا ہے چنانچہ وہ دونوں کہتے ہیں: ”اس میں اختلاف نہیں“

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ کے عمرے چار سے زائد نہیں تھے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان کی تینیں کر دی ہے اور ان کو شمار کر کے بتا دیا ہے۔ ان میں غیر ذی قعدہ کے کسی عمرے کا ذکر نہیں ہے۔ اس عمرے کے جو آپ نے حج کے ساتھ کیا تھا۔ پس جہاں تطبیق ممکن ہو تعارض دور کرنے کے لیے تطبیق دینا ضروری ہے، اور جہاں تطبیق ممکن نہ ہو وہاں اصح و اشد ثابت کے مقتضی پر حکم کیا جاتا ہے۔ اور یہاں عمرہ جہاد مار کر تطبیق ممکن ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حنین کی طرف شوال میں نکلے تھے اور عمرہ کا احرام ذیقعدہ میں باندھا تھا۔ لہذا قرب کی وجہ مجازاً شوال کا مہینہ کہلایا، اور اس تطبیق کی ضرورت جب ہے۔ جبکہ شوال کا عمرہ صحیح اور محفوظ روایت سے مروی ہو۔ ورنہ جو ثابت ہے وہی قابل اعتماد ہے۔“

اور جہیز میں اس پر تفصیل سے لکھا ہے کہ محققین کے نزدیک عمرہ شوال کا محل عمرہ جہاد ہے۔ اور اور جہیز میں یہ بھی ہے کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاد سے یہ احرام باندھنا متعدد وجوہ کے لیے محتمل ہے۔ ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کو ہی مقصد بنا کر اس کا ارادہ کیا ہو کیونکہ آپ اس وقت ان علاقوں سے مدینہ منورہ کی طرف مراجعت کرنے والے تھے، اس لئے ارادہ فرمایا کہ اس وقت آپ کا آخری عمل عمرہ ہو۔ اس صورت میں آپ کے اس فعل میں اس امر کی دلیل ہے کہ جو شخص داخل میقات ہو اور وہ حج یا عمرہ کا ارادہ کرے تو اس کے احرام باندھنے کی جگہ وہی مقام ہے، جہاں وہ موجود ہو، چنانچہ حدیث میں ہے کہ جو شخص میقات کے اندر ہو۔ پس وہ جہاں سے حج یا عمرہ کا قصد کرے وہی جگہ اس کے لیے میقات ہے۔“

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ چونکہ یہ مدینہ کی طرف واپسی کا وقت تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد اہل مکہ کے حالات معلوم کرنا چاہتے تھے۔ اس صورت میں آپ احرام کے بغیر بھی مکہ میں داخل ہو سکتے تھے۔ لیکن عمرہ کی فہیت حاصل کرنے کے لیے احرام باندھا اور خود عمرہ مقصود نہیں تھا ان کے علاوہ اور وجوہ بھی محتمل ہیں۔

پس رات کو مکہ میں داخل ہوئے اور راتوں رات طواف اور سعی کی اور نذرۃ کے پاس عمرہ کا احرام کھولا۔ صاحب خمیس کہتے ہیں کہ: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کیا اور سعی کی اور اپنے سر کا حلق کرایا۔ حلق کرنے والے کا نام ابوہند ہے۔“

حضرت معاویہ کی حدیث کا مصداق | اور مشائخ حدیث کے یہاں معروف یہ ہے کہ حضرت معاویہ کی یہ حدیث کہ: "میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کا قصر کیا، مروہ کے پاس تیر کے پر سے کے ساتھ" اس کا محل عمرہ جعرانہ ہے۔ جیسا کہ جز حجۃ الوداع میں گزر چکا۔ اور بخاری کے حاشیہ میں ہے کہ نووی کہتے ہیں: "اور یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ انہوں نے (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے) عمرہ جعرانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قصر کیا تھا۔ کیونکہ حجۃ الوداع میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن تھا اور یہ ثابت ہے کہ منیٰ میں آپؐ نے حلق کر لیا۔ اور عمرہ القضاء پر محمول کرنا اس بنا پر صحیح نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔ وہ فتح مکہ میں مسلمان ہوئے یہی مشہور ہے" الخ؛

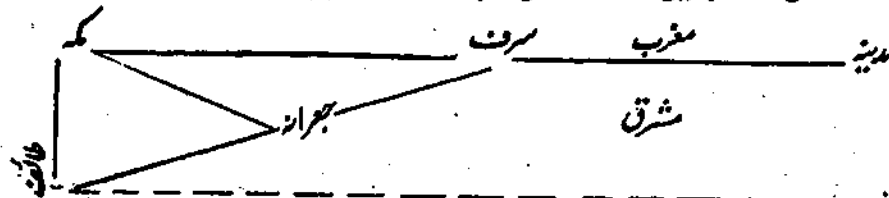
راتوں رات جعرانہ واپس آنا | پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات ہی کو جعرانہ واپس آ گئے۔ چنانچہ جعرانہ میں اسی طرح صبح کی گویا رات یہیں رہے تھے۔ تمام روایات میں صبح روایت یہی ہے اس کے برعکس ابو داؤد میں جو آیا ہے کہ "آپؐ نے مکہ میں صبح کی گویا رات یہیں رہے تھے" یہ وہم ہے جیسا کہ شیخؒ نے بذل میں کہا ہے کہ صبح وہ ہے جو ترمذی، نسائی اور احمد وغیرہ کی روایت میں ہے کہ "پس جعرانہ میں صبح کی مثل رات یہاں رہنے والے کے"

جعرانہ سے مدینہ کی طرف واپسی | پس جب اگلے دن زوال آفتاب ہوا، بظاہر بدھ کا دن مراد ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدھ کی رات احرام باندھا تھا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، تو اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور بطن سرف کا رخ کیا۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے راستہ سے جا ملے۔ یا یہ مراد ہے کہ وہ راستہ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آ رہے تھے راہ مدینہ سے آلا اور بطن بطن ہرٹ ہے (جو جامع الطرق کہلاتا ہے) کیونکہ مکہ اور جعرانہ سے جو راستے مدینہ جاتے ہیں۔ وہ دونوں یہاں جمع ہو جاتے ہیں۔

جامع الطرق طریق المدینہ کی بحث | میں کہتا ہوں کہ اس لفظ میں روایات کا اختلاف ہے۔ یہاں جو لفظ ذکر کیا گیا یہ ابو داؤد کا لفظ ہے، اور یہ زیادہ واضح ہے اور نسائی اور مسند احمد وغیرہ کا لفظ ہے: "جامع الطرق طریق المدینہ" (یہاں تک کہ جمع ہو گیا راستہ راہ مدینہ کے ساتھ) یعنی جس راستہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ سے تشریف لائے تھے وہ مدینہ کے راستہ کے ساتھ جمع ہو

گیا، اس روایت میں الطریق کا لفظ فاعل اور طریق مدینہ کا لفظ مفعول ہے اور ترمذی کے الفاظ یہ ہیں: ”خرج فی بطن سرف حتی جاء مع الطریق طریق جمع بطن سرف“ آپ آنکھ بطن سرف میں، یہاں تک کہ اس راستہ کے ساتھ وہ راستہ آگیا جس نے بطن سرف میں (حرمین کے راستہ کو) جمع کر رکھا تھا۔

ادیشہ کو کب میں فرماتے ہیں: ”سرف ایک وسیع و عریض جگہ ہے جس میں مکہ اور جبراز سے مدینہ کو جانے والے دونوں راستے جمع ہو جاتے ہیں۔ اسی بنا پر راوی نے یہ کہا، ”یہاں تک آیا اس راستے کے ساتھ“ اور اس راستے سے مراد جبراز کا راستہ ہے جس سے آنحضرت تشریف لارہے تھے، اور لفظ طریق جاد کا فاعل ہے۔ اور جمع بطن سرف اس کی صفت ہے اور جمع کا مفعول شاید محذوف ہے یعنی طریق الحرمین (یعنی جس نے جمع کیا تھا بطن سرف میں حرمین کے راستہ کو) پس دریافت کیا جائے؟ اور اس کا نقشہ جو میں نے ۳۵۱ھ میں کوکب کے حاشیہ میں دیا تھا حسب ذیل ہے۔



عقاب ابن اسید کو گورنر بنا کر مدینہ واپس آنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے آئے اور آنے سے پہلے حضرت عقاب بن اسید کو مکہ کا گورنر مقرر کیا اور ان کے ساتھ معاذ بن جبل کو اور واقعہ جی اور حاکم نے ابو موسیٰ کے نام کا بھی اضافہ کیا ہے کہ وہ دونوں لوگوں کو قرآن اور فقہ فی الدین کی تعلیم دیں۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عقاب کو مکہ کا حاکم مقرر کیا تو یومیہ ایک درہم ان کا وظیفہ مقرر کیا۔ انہوں نے خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ اس شخص کا پیٹ ہمیشہ بھوکا رکھے جو ایک درہم کے باوجود بھوکا رہتا ہے۔“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے ایک درہم یومیہ کا وظیفہ مقرر فرمایا ہے۔ اب مجھے کسی کی حاجت نہیں“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو مہینے سولہ دن مدینہ سے باہر رہنے کے بعد اس وقت مدینہ میں تشریف لائے جب کہ ذیقعدہ کی تین راتیں باقی تھیں۔ اور ابن ہشام نے لکھا کہ چھ راتیں باقی تھیں اور حافظہ فتح میں فرماتے ہیں کہ غیر حاضر کی مدت اسی دن سے زیادہ تھی۔ واللہ اعلم۔ کنز فی الزرقانی۔

حضرت ابن عمر کا عمرہ جبرانہ سے انکار | اور یہاں اس امر پر تنبیہ ضروری ہے کہ یہ عمرہ جبرانہ اصحاب مغازی و دیگر مثلاً عمرہ ابن زبیر، موسیٰ بن عقبہ، ابن اسحاق، ابن ہشام، ابن جبران اور واقعہ کی وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے آزاد کردہ غلام حضرت نافع نے اس سے انکار کیا ہے، چنانچہ امام بخاری نے بطریق ایوب نافع سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرانہ سے عمرہ نہیں کیا اور اگر کیا جوتا تو عبد اللہ (بن عمر رضی اللہ عنہ) پر مخفی نہ رہتا۔ اور امام مسلم نے اس مسئلہ سے نافع کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ ابن عمر کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرہ جبرانہ کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا، جبرانہ سے آپؐ نے عمرہ نہیں کیا، ان دونوں بزرگوں نے جس چیز کی نفی کی ہے دوسرے حضرات نے اس کا اثبات کیا ہے اور اثبات نفی سے مقدم ہے۔ نوویؒ کہتے ہیں یہ ان کے علم کی نفی پر محمول ہے۔ یعنی ان کو اس کا علم نہیں، اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرانہ سے عمرہ کیا تھا اور اثبات نفی سے مقدم ہے کہ اس میں زیادت علم ہے، اور امام مسلم نے کتاب الحج میں جنین کے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جبرانہ سے عمرہ کرنا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ذکر کیا ہے۔

عمرہ جبرانہ کی احادیث کی تخریج | میں کہتا ہوں کہ حضرت انسؓ کی حدیث امام احمد، شیعین، ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کی ہے۔ اور عمرہ جبرانہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں بھی آیا ہے جس کو ابو داؤد ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اور ترمذی نے اس کی تحمیل کی ہے۔ نیز حضرت جابرؓ سے بھی ثابت ہے جس کو بزار اور طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور حیتھیؒ نے کہا ہے کہ اس کے تمام راوی صحیح کے راوی ہیں۔ نیز حدیث عمرشؓ کہی گئی ہے ثابت ہے جس کو امام احمد، حمید سی ابو داؤد، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ نیز حدیث خالد بن عبد العزیٰ ابن سلام الخزاعی سے ثابت ہے اس کو حسن بن سفیان اور نسائی نے ”اکثری“ روایت کیا ہے جیسا کہ اصحاب وغیرہ میں ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: ان دو بزرگوں (ابن عمرؓ، نافعؓ) کے علاوہ تمام اہل نقل، اصحاب صحاح اصحاب سنن اور اصحاب مسانید اس کی روایت پر متفق ہیں اور اس کو تمام اصحاب مغازی و دیگر نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ خفا کی وجہ وہ ہے جو عمرشؓ کی حدیث میں مسند احمد اور جامع ترمذی میں مذکور

ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کی تاریکی میں عمرہ کے لیے تشریف لے گئے تھے، رات ہی کو مکہ گئے اور راتوں رات عمرہ کر کے واپس جبرائیل پہنچ گئے۔ اور وہاں اس طرح صبح کی گویا رات وہیں رہے تھے۔ الخ۔ اسی روایت میں ہے کہ ”اسی وجہ سے آپ کا یہ عمرہ لوگوں سے مخفی رہا“ اور امام احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”عرش فرماتے ہیں“ پس اسی وجہ سے آپ کا یہ عمرہ بہت سے لوگوں سے مخفی رہا“ یعنی کہتے ہیں ”نافع کا قول جنت نہیں کیونکہ ابن عمر کو جنتی احادیث معلوم تھیں وہ ساری انہوں نے نافع سے بیان نہیں کر دی تھیں، نہ یہ ضروری تھا کہ جنتی انہوں نے بیان کیاں وہ سب نافع کو یاد بھی رہی ہوں، نہ یہ ضروری تھا کہ جنتی امور ابن عمر رضی اللہ عنہ کے علم میں آئے ہوں ان میں سے ایک حدیث بھی ان کے حافظ سے نہ اتری ہو۔ اور جبرائیل کا عمرہ اس قدر مشہور اور ظاہر ہے کہ شک و شبہ سے بالکل آزاد ہے۔“

پانچویں فصل، متفرقات میں

یعنی عمرہ کے ابواب میں جو تقسیم روایات مروی ہیں ان پر بحث اور دیگر مباحث:

بحث اول عمرہ رجب میں انا بخاری وغیرہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کئے ان میں سے ایک رجب میں ہوا اور حضرت عائشہؓ نے ان پر انکار کرتے ہوئے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن عمرؓ پر رحم فرمائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے عمرے کئے وہ ان سب میں حاضر تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب میں کبھی عمرہ نہیں کیا“ اور اوپر میں چار عمروں کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے، ”روایات حدیث میں مزید دو عمروں کا ذکر آتا ہے، ایک عمرہ رجب جو ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے صحیحین وغیرہ میں مذکور ہے۔ حافظ کہتے ہیں، ابن عمرؓ نے اس کا ذکر کیا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابن عمرؓ پر انکار کیا ہے۔ اور عینی کہتے ہیں، ابو عبد الملک نے کہا ہے کہ یہ ابن عمرؓ کا وہم ہے کیونکہ باجماع مسلمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تین (مستقل) عمرے کئے اور اسی طرح ابن قیمؒ نے ”المدنی“ میں لکھا ہے کہ یہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا وہم ہے۔“

یعنی کہتے ہیں، ”اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی نفی کی ہے اور حضرت ابن عمرؓ

نے اس کا اثبات کیا ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے۔ پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف ابن عمرؓ کے حق میں فیصلہ کیوں نہ کیا گیا۔ میں کہتا ہوں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ ثابت کرنا کہ رجب میں عمرہ کیا۔ اس کے معارض ایک دوسرا اثبات ہے کہ آپؐ نے ذی قعدہ میں عمرہ کیا، لہذا دونوں ایک وقت کی نفی کرتے ہیں اور دوسرے وقت کا اثبات کرتے ہیں، پس حضرت عائشہؓ نے اگرچہ رجب میں ہونے کی نفی کی ہے، مگر ذیقعدہ میں ہونے کا اثبات کیا ہے اور پھر حضرت عائشہؓ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ تینوں متفق ہیں کہ آپؐ کے عمروں کی تعداد چار سے زائد نہیں اور حضرت عائشہؓ عمرہ حج کے علاوہ تینوں عمروں کا ذیقعدہ میں ہونا ثابت کرتی ہیں، لہذا حضرت عائشہؓ کا اثبات مقدم ہے، کیونکہ ابن عباسؓ کا اثبات بھی اس کا مؤید ہے اور عمرہ رجب کے اثبات میں ابن عمرؓ متفق ہیں۔ مزید برآں یہ کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرہ رجب کی نفی کی تو ابن عمرؓ اس پر خاموش رہے۔ اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کی طرف رجوع مزوری ہوا۔

اور نووی کہتے ہیں: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار پر ابن عمر رضی اللہ عنہ کا سکوت اختیار کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ خود انہیں بھی اشتباہ ہو گیا تھا، یا وہ بھول گئے تھے، یا انہیں شک ہو گیا تھا" الخ۔ ابن عابین کہتے ہیں: "بعض نے ملا علی قاری کے رسالہ موسومہ "الادب فی رجب" سے نقل کیا ہے کہ رجب میں عمرہ کا سنت ہونا یا نہیں معنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا یا اس کا حکم فرمایا ہونا ثابت نہیں۔ البتہ یہ مروی ہے کہ ابن ربیع رجب کعبہ کی تعمیر کی تجدید سے ۷۷ھ رجب سے قبل فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے اذن کا شکر کیا۔ اور کئی بکرے ذبح کئے اور اہل مکہ کو عمرہ ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ اور اس میں شک نہیں کہ صحابہ کا فعل حجت ہے اور جس چیز کو (اس قسم کے) مسلمان مستحب سمجھیں وہ عند اللہ مستحب ہوتی ہے۔ پس یہ وجہ ہے کہ اہل مکہ ماہ رجب میں خصوصیت سے عمرہ کرتے ہیں"

اور شیخ ابن قیمؒ بسوط کلام کے بعد فرماتے ہیں: "مقصود یہ ہے کہ طریقہ مشرکین کی مخالفت کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عمرے حج کے مہینوں میں کئے کیونکہ مشرکین حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا ناجائز سمجھتے تھے اور اس کو افرقہ (نسب سے بڑی بدکاری) کہتے تھے اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اشہر حج میں عمرہ کرنا رجب کے عمرے سے بلاشبہ افضل ہے۔"

بحث دوم: عمرہ شوال | امام مالکؒ نے مؤطا میں حشام بن عروہؒ کی سند سے

حضرت عمرہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مستقل طور پر) صرف تین عمرے کئے۔ ان میں سے ایک شوال میں تھا۔ یہ روایت امام محمدؒ نے بھی مؤطا میں نقل کی ہے۔ اور او جزی میں ہے کہ یہ روایت مؤطا میں مرسل ہے مگر ابوداؤد نے اس کو حضرت عائشہؓ سے موصول روایت کیا ہے۔ حافظ کہتے ہیں: اس کو سعید بن منصور نے بسند قوی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تین عمرے کئے۔ ان میں ایک شوال میں ہوا، لیکن حضرت عائشہؓ کا قول کہ ایک شوال میں ہوا اس کے معارض دو سوروں کا قول یہ ہے کہ ذی قعدہ میں ہوا۔ اور ان دونوں کے درمیان تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ یہ آخر شوال اور اول ذی قعدہ میں ہوا ہو، اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو ابن ماجہ نے بسند صحیح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے کہ آنحضرتؐ نے کوئی عمرہ نہیں کیا مگر ذیقعدہ میں۔ ابن قیمؒ کہتے ہیں: یہ حدیث مرسل ہے اور غلط بھی، یہ غلطی یا حشام کو ہوئی یا عمرہ کو۔ ابوداؤد نے اس کو مرسل حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے۔ اور وہ بھی غلط ہے اس کا رفع بھی صحیح نہیں۔ ابن عبد البرؒ کہتے ہیں کہ ”جو مسند روایات امام مالکؒ سے صحیح نقل سے ثابت ہیں یہ روایت ان میں شامل نہیں۔“ اور ابن قیمؒ کہتے ہیں: ”اور حضرت عائشہؓ سے اس حدیث کئے باطل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابن عباسؓ ان تینوں کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی قعدہ کے سوا کبھی عمرہ نہیں کیا۔ اور یہی صحیح ہے۔“ پوری تفصیل او جزی میں ہے اور اس کے آخر میں ہے کہ اس تمام بحث سے معلوم ہوا کہ جبہور نے عمرہ شوال کو مجازاً عمرہ جبرانہ پر محمول کیا ہے۔

اور جبرانہ کے بیان میں گزرجکا ہے کہ بر تقدیر صحبت روایت، محققین کے نزدیک عمرہ شوال کا محلی عمرہ جبرانہ ہے اور او جزی میں ہے کہ ”بعض نے عمرہ شوال کو عمرہ حدیبیہ پر محمول کیا ہے۔ مگر یہ مناسب نہیں۔“ اور حاشیہ ابوداؤد میں ہمارے شیخ الشائخ شاہ محمد اسحق دیوبند قدس سرہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا یہ ارشاد کہ ”ایک عمرہ شوال میں ہوا“ یہ عمرہ جبرانہ کی طرف اشارہ ہے جو ذی قعدہ میں ہوا۔ مگر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حنین کی طرف تشریف لے جانا شوال ہی میں ہوا تھا۔ اور حنین سے واپسی پر اسی سال اسی نفر میں یہ عمرہ ہوا۔ اس لیے اسے شوال کی طرف

منسوب کر دیا اگرچہ ہوا ذی قعدہ میں

بحث سوم : عمرہ رمضان | باقی رہا رمضان کا عمرہ ؛ تو اوّل جز میں عمرہ القضاء کے بیان میں

ہے کہ ”ابن حبان نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ یہ رمضان میں ہوا تھا، محب طبرمی نے کہا ہے کہ یہ بات ابن حبان کے سوا کسی نے نقل نہیں کی۔ اور شہور یہ ہے کہ ذیقعدہ میں ہوا“ اور زر قانی میں ہے کہ ”ابن قیم نے اس امر کا انکار کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عمرہ رمضان میں بھی کیا تھا۔ البتہ دارقطنی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ ”میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان المبارک میں عمرہ کے لیے گئی تھی، پس آپ نے افطار کیا اور میں نے روزہ رکھا۔ اور آپ نے قصر کی اور میں نے پوری نماز پڑھی“ دارقطنی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے اور ابن قیم نے کہا ہے کہ یہ غلط ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں کوئی عمرہ نہیں کیا، یہ بات حافظ نے نقل کی ہے۔ اور مصنف (صاحب مواہب) نے اپنے قول میں ان ہی کی پیروی کی ہے کہ ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ”فی رمضان“ ”مخرجت“ سے متعلق ہے (یعنی سفر رمضان میں ہوا تھا، اور اس سے مراد فتح مکہ کا سفر ہے۔ کہ رمضان ہی میں مکہ فتح ہوا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سال فتح کے بعد جعراند سے عمرہ کیا تھا۔ فتح کے بعد غزوہ حنین اور غزوہ طائف کے لیے تشریف لے گئے۔ پھر حنین کے غنائم تقیم فرمائے اور بعد ازاں عمرہ ادا کیا۔ مگر وہ ذی قعدہ میں کیا تھا۔ اور حافظ نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ ”حدیث دارقطنی نے ایک اور سند سے بھی ذکر کی ہے۔ اور اس میں رمضان کا ذکر نہیں“ اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی دارقطنی کی اس حدیث کا انکار کرتے ہوئے اس پر مفصل کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ قطعاً غلط ہے اور اس حدیث کے رد کرنے کے وجوہ مفصل ذکر کئے ہیں۔

البتہ یہاں ایک بات باقی رہ گئی کہ باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ رمضان کی فضیلت بیان فرمائی۔ مگر خود رمضان میں عمرہ نہیں کیا۔ چنانچہ اوّل جز میں ہے کہ حافظ کہتے ہیں: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اشہر حج ہی میں عمرہ کئے، اور رمضان میں عمرہ کرنے کی فضیلت ہمیشہ اباب سے ثابت ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں سے افضل کیا ہے؟ جو بات میرے لیے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسروں کے لیے تو رمضان میں

عمرہ کرنا افضل ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں وہی افضل تھا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اس چیز کے جواز کو بیان کرنے کے لیے تھا، جس سے اہل طہارت منع کیا کرتے تھے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قول و فعل کے ذریعہ ان کی تردید کا ارادہ فرمایا اور یہ چیز اگر دوسروں کے لیے مکروہ بھی ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں وہی افضل تھی۔ اور صاحب التذہب کہتے ہیں: "اُختال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں ایسی عبادت میں مشغول رہا کرتے ہوں جو عمرہ سے بھی افضل ہو، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کی مشقت کا اندیشہ تھا۔ کیونکہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں عمرہ کرتے تو لوگ بہر حال اس کی طرف سہقت کرتے جبکہ انہیں عمرہ اور روزہ جمع کرنے سے مشقت لاحق ہوتی۔ اور بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک عمل کرنا چاہتے تھے، مگر صرف اس بنا پر ترک فرما دیتے کہ کیں امت پر فرض نہ ہو جائے۔ اور ان کی مشقت کا اندیشہ عمل سے مانع ہو جاتا تھا۔"

شیخ ابن حاتم نے بھی اس پر جزم کیا ہے اور اس کی کچھ بحث جُزْجُودِ الوداع کے آخر میں کر چکی ہے۔

فوائد

پہلا فائدہ عمرہ کے لیے محل کی طرف نکلنا جائز ہے یا نہیں؟ | حافظ ابن قیمؒ کہتے ہیں: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمارت میں سے کوئی عمرہ ایسا نہیں جو مکہ سے باہر نکل کر کیا گیا ہو۔ جیسا کہ آجکل بہت سے لوگ کرتے ہیں۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام عمارت باہر سے مکہ میں داخل ہو کر کئے گئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے بعد تیرہ سال مکہ میں رہے مگر یہ کیں منقول نہیں آئے اس مدت میں کبھی مکہ سے باہر جا کر عمرہ کیا ہو۔ لہذا جو عمرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا اور جس عمرہ کو شروع فرمایا وہ صرف ایسا عمرہ ہے جو باہر سے مکہ میں داخل ہو نیوالا ادا کرے، نہ کہ اس شخص کا عمرہ جو مکہ میں مقیم ہو اور عمرہ کرنے کیلئے محل کی طرف نکل جائے۔ اس قسم کا عمرہ آپ کے دور میں کبھی کسی نے نہیں کیا البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام رفقاء میں سے تنہا حضرت عائشہؓ اس سے مستثنیٰ ہیں کہ انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ چونکہ انکو مہواری کاغذ پیش آگیا تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے انہوں نے عمرہ پر

حج کا احرام باندھ کر قرآن کر لیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا تھا کہ ان کا طواف بالبيت اور صفا و مردہ کی سعی انکے حج و عمرہ دونوں کے لیے کافی ہوگی۔ مگر انکے دل میں یہ کھٹک تھی کہ دیگر اہتمام المؤمنین تو مستقل حج اور مستقل عمرہ کر کے واپس جا رہی ہیں کیونکہ ان کا منع تھا۔ اور انہیں ماہواری کا عارضہ پیش نہیں آیا تھا۔ انہوں نے قرآن کیا تھا۔ اور یہ ایسے عمرہ کے ساتھ واپس ہوں گی جو بعضین حج ادا کیا گیا۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دلجوئی کی خاطر ان کے بھائی کو حکم فرمایا کہ انہیں تنعيم سے عمرہ کرا لائیں۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حج میں تنعيم سے عمرہ نہیں کیا، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور رفیق نے۔۔۔ میں کہتا ہوں: ابن قیمؒ نے تو یہی کہا ہے، اور زرقانیؒ نے ان کا کلام نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: ”اس پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے عمرہ کیا تو یہ اس کی مشروعیت کی دلیل ہے، اس کے بعد ابن قیمؒ کا سارا کلام بے معنی ہو جاتا ہے۔ اور الفاکتی نے محمد بن سیرین کی سند سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: ”میں یہ بات پہنچی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کے لیے تنعيم کو میقات مقرر فرمایا ہے“ اور حضرت عطا سے نقل کیا ہے کہ: ”جو شخص عمرہ کرنا چاہے خواہ وہ اہل مکہ سے ہو یا ان کے علاوہ۔ اسے چاہیے کہ تنعيم یا جعرانہ کی طرف نکل جائے اور وہاں سے احرام باندھ کر آئے“ اور موطا میں ہے کہ ابابکؓ سے دریافت کیا گیا کہ اہل مکہ میں سے ایک شخص عمرہ کرنا چاہتا ہے کیا وہ مکہ کے اندر ہی سے عمرے کا احرام باندھے؟ فرمایا! نہیں بلکہ جل کی طرف نکل جائے اور وہاں سے احرام باندھ کر آئے۔ اور اوچتر میں ہے کہ جہور اس کے قائل ہیں کہ احرام عمرہ کے لیے مکہ والوں کا میقات جل ہے۔

موفق وغیرہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ اگرچہ علماء کے مابین اس امر میں اختلاف ہے کہ احرام کے لیے سب سے افضل جگہ کونسی ہے، اور جل کی طرف نکلنے کے وجوب کی تصریح، حافظ، قسطلانی، طیبی، قاری، نموی، ابی اور شوکانی وغیرہ نے کی ہے۔ اور امام بخاریؒ نے ”صحیح“ میں ایک باب کا عنوان قائم کیا ہے، ”باب من اہل مکة للحد والعمرة“ اور اس کے ذیل میں مواقیت کی حدیث ذکر کی ہے، جس میں یہ لفظ ہیں: ”یہاں تک کہ احرام باندھیں اہل مکہ کے لیے“ لیکن شارح صحیحین نے عمرہ کے ساتھ حدیث کی تخصیص کی ہے (یعنی اہل مکہ کو صرف حج کا احرام مکہ سے باندھنے کا حکم ہے، عمرہ کے احرام کا یہ حکم نہیں) بلکہ عمرہ کا احرام حد و حریم سے باہر نکل کر باندھا جائے (اور انہوں نے ترجمہ بخاریؒ کی یہ توجیہ کی ہے کہ

موصوف نے عموم نظر پر نظر کی ہے۔ محب طبری کہتے ہیں: ”مجھے علم نہیں کہ کسی نے مکہ کو عمرہ کا میقات کہا ہو۔ کنفانی النسخ، حافظ نے یہ بھی کہا ہے کہ جب حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے عمرہ کیا تو یہ اس کی شریعت کی دلیل ہے۔“ اھ۔

دوسرا فائدہ: عمرہ کیلئے سب سے افضل میقات کون سا ہے؟

امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں یہ عنوان قائم کیا ہے: اس امر کا بیان کی عمرہ کرنا چاہے تو اسے کس جگہ سے احرام باندھنا چاہیے؟ اور اس کے ذیل حضرت عائشہؓ کے تنعیم سے عمرہ کرنے کی حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ”پس کچھ لوگ اس طرف گئے ہیں کہ اہل مکہ کے لیے تنعیم کے سوا عمرہ کا کوئی میقات نہیں۔ یہ لوگ اہل مکہ کے لیے عمرہ کا میقات صرف تنعیم ہی قرار دیتے ہیں۔ اور ان کا کہنا ہے کہ اہل مکہ کو اس سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے، جس طرح غیر اہل مکہ کے لیے جو میقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائے ہیں انہیں احرام کے بغیر ان سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں۔ اور دوسرے حضرات اس کے خلاف یہ کہتے ہیں کہ اہل مکہ کا میقات، جس سے وہ عمرہ کا احرام باندھیں، حل ہے۔ لہذا حل کے جس حصہ سے احرام باندھ لیا جائے کافی ہے۔ ان کے نزدیک تنعیم اور غیر تنعیم حل کے تمام مقامات اس حکم میں یکساں ہیں۔“ اور اس قول کے دلائل ذکر کرنے کے بعد امام طحاویؒ فرماتے ہیں: ”اور یہ سب امام ابو حنیفہؒ، امام یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے۔“ اھ۔ مختصراً۔

اور امام مالکؒ مؤطا میں فرماتے ہیں: ”رہا تنعیم سے عمرہ کرنا سویرے تنعیم نہیں۔ جو شخص حل کی کجی سے عمرہ کا احرام باندھ لے یہ اس کیلئے انشاء اللہ کفایت کرے گا۔ لیکن افضل یہ ہے کہ اس میقات سے احرام باندھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا، یا اس مقام سے جو تنعیم سے بعید تر ہو۔“ اھ۔

اور آؤ جزم میں مٹی سے نقل کیا ہے: ”جاننا چاہیے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اہل مکہ کے حج کا میقات مکہ اور حرم ہے اور عمرہ کا میقات حل ہے تاکہ ایک نوع کا سفر متحقق ہو جائے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ احرام عمرہ کے لیے حل کی کوئی جگہ افضل ہے؟ چنانچہ امام مالکؒ فرماتے ہیں تمام حل یکساں ہے اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تنعیم افضل ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سب سے افضل جعرا نہ ہے، پھر تنعیم پھر جو بعید سے بعید تر ہو۔ اور سفنیؒ میں امام احمدؒ سے نقل کیا ہے کہ کسی عمرہ احرام کے لیے جس قدر دور چلا جائے اسی قدر زیادہ ثواب ہوگا۔ اور ناکہیؒ نے حضرت عطاءؒ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص عمرہ کا ارادہ رکھتا ہو وہ تنعیم یا جعرا نہ چلا جائے اور وہاں سے احرام باندھ کر آئے، اور افضل یہ ہے کہ میقات حج

سے آئے اور ابن سیرین سے نقل کیا ہے کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کے بچے کو تعظیم کو میقات مقرر کیا ہے۔ اور تحفۃ المحتاج میں ہے کہ عمرہ کا ارادہ کرنے والے کے لیے جل کی افضل جگہ جعرانہ ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے رات کی وقت عمرہ کیا تھا اس کے بعد تعظیم پھر حدیبیہ ۱ھ۔

میں کتا ہوں کہ نوی نے "مناسک" میں اور عام فقہانے شافعیہ اور ان کے شارحین نے یہی ترتیب ذکر کی ہے۔ حنابلہ کی کتب نیل المارکب اور الروض المربع میں کسی جگہ کی تعظیم کو ترجیح نہیں دی، بلکہ صرف جل کے شرط ہونے پر اکتفا کیا ہے اور ابن قدامہ کہتے ہیں: "جل کی جس جگہ سے بھی احرام باندھ لے جائز ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو تعظیم سے اس لیے عمرہ کروایا تھا کہ وہ مکہ سے جل کی قریب تر جگہ تھی" اور دیگر کہتے ہیں: "اور اس کا جل کی طرف نکلنا ضروری ہے، اور جعرانہ دوسری جگہوں سے اولیٰ ہے، اس کے بعد تعظیم" میں کتا ہوں کہ دستوقی نے ان دونوں کو یکساں قرار دیا ہے۔ کہ ان میں ایک کو دوسری جگہ پر کوئی فضیلت نہیں۔ ۱ھ۔

اور حنفیہ کے نزدیک تعظیم افضل ہے، جیسا کہ بہت سے اہل فروع نے، جن میں صاحب درمناہ بھی شامل ہیں، اس کی تصریح کی ہے۔ ۱ھ ملخصاً۔

تیسرا فائدہ: اشہر حج میں عمرہ کرنا | اوچتر میں ہے کہ اہل جاہلیت اس کو افر فور (سب سے بڑی بدکاری) سمجھتے تھے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قولاً فعلاً باطل قرار دیا، اور اسی بنا پر صحابہ کو حج فسخ کر کے عمرہ بنانے کا حکم فرمایا تاکہ اس کے جواز کی خوب شہرت ہو جائے۔ حافظ کہتے ہیں: "اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ جو شخص افعال حج میں شوائب ہو اس کے لیے تمام ایام میں عمرہ کرنا جائز ہے، البتہ حنفیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ عرفہ، یوم النحر اور ایام تشریق میں مکروہ ہے" میں کتا ہوں کہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "یہ بات کمال عمرہ کی موجب ہے کہ غیر اشہر حج میں عمرہ کرے" سیوطی کہتے ہیں کہ ابن ابی شیبہ وغیرہ نے حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کیا ہے کہ ان سے اشہر حج میں عمرہ کرنے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا: "حج کے معروف پہنچنے میں جن میں عمرہ نہیں" اور ابن ابی شیبہ اور ابن جریر نے ابن سیرینؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: کہ کسی اہل علم نے اس امر میں شک نہیں کیا کہ غیر اشہر حج میں عمرہ کرنا اشہر حج میں عمرہ کرنے سے افضل ہے" اور ابن عوفؒ سے نقل کیا ہے کہ قاسمؒ سے اشہر حج میں عمرہ کرنے کے بارے میں دریافت

کیا گیا تو فرمایا وہ (یعنی صحابہ کرام) اس کو تمام نہیں سمجھتے تھے۔ اح ملخصاً۔

اور مؤطا میں ہے کہ امام مالکؒ، نافعؒ سے اور وہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا: ”اپنے چچ اور عمرہ کو جدا جدا کیا کرو، یہ تمہارے چچ کو زیادہ پورا کرنے والی چیز ہے۔ اور عمرہ کو زیادہ پورا کرنے والی بات یہ ہے کہ غیر اشہر چچ میں عمرہ کرے“ میں کہتا ہوں کہ حضرت عمرؓ کا مقصد تہنیت سے منع کرنا تھا اور اس مسئلہ میں ان کا مسلک معروف ہے ان کا مقصد یہ تھا کہ مکہ مکرمہ کی طرف بکثرت سفر کیا جائے، تاکہ چچ اور عمرہ کے لیے مستقل طور پر الگ الگ سفر ہو کرے، علاوہ ازیں اس کی دیگر وجوہ معروف ہیں۔ جن کی تفصیل اجزۃ اور حاشیہ لاتبع میں مذکور ہے۔

خاتمہ رسالہ | اس مختصر جلد میں جن امور کے ذکر کرنے کا ارادہ تھا یہاں بحمد اللہ ان کا اختتام ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی مدد سے جمعۃ المبارک کی صبح، ماہ مبارک رجب المرجب کی پندرہ تاریخ کو ۱۴۰۹ھ تیرہ سو نوے ہجری (علی صاحبہا الف الف صلوة و تحیہ) میں اس کی تسوید سے فراغت ہوئی، اس کی تکمیل میں تقریباً ایک مہینے تک توقف رہا، جس کا سبب یہ ہوا کہ حرم الحرام میں جس آنکھ کا آپریشن ہوا اس کے طبی معائنے اور علاج معالجہ کے لیے عینک گھمانا اور وہاں ہسپتال میں رہنا پڑا۔

اس بندہ پر اللہ رب العزت کے جو بہت ہی عظیم الشان انعامات اور بے شمار احسانات ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس بندہ نے جس قدر فضائل کے رسائل تالیف کئے ہیں مثلاً فضائل قرآن اور فضائل چچ وغیرہ اور ان کے علاوہ جو کتابیں تالیف کی ہیں ان سب رسائل و کتب کے بارے میں اس بندہ کو یا اس کے بعض مخلصین اصحاب کو رؤیا صالحہ اور بشارات سے نوازا گیا۔

یہ رسالہ جز عمات ”جب اختتام کے قریب پہنچا تو ہمارے ایک مخلص دوست جناب الحاج سلیمان افریقی نے (جو مدت تک مدینہ منورہ میں اس بندہ کے پاس رہ کر اوراد و اشغال میں مشغول رہے اور سعادت چچ سے بہرہ ور ہونے کے بعد سہارنپور آئے۔ اور سفر و حضر میں ہمیشہ میرے ساتھ رہتے ہیں) ایک خواب دیکھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں شرف قبول سے سرفراز ہوا۔ الحاج سلیمان کے الفاظ میں خواب کا متن درج ذیل ہے۔

”میں نے خواب دیکھا کہ میرے دل میں زیارت نبوی کا راعیہ پیدا ہوا اور میں میں منور

کی طرف پیدل چل کھڑا ہوا۔ ابھی تھوڑی دور چلا تھا کہ مجھے دور سے حرم نبوی نظر آنے لگا۔ دریں اثنا کہ میں حرم شریف کی طرف جا رہا تھا اچانک میں اپنے تئیں آپ کے (یعنی حضرت شیخ کے) حجرے کے سامنے کھڑا پاتا ہوں۔ بہت سے لوگ حجرہ کے باہر کھڑے ہیں اور مولانا محمد یونس صاحب استاذ حدیث مظاہر العلوم سہارنپور حجرہ سے باہر آرہے ہیں۔ اور مجھ سے کسی نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ کے اندر دفنِ اقدس ہیں، یہ کہتے ہوئے اس نے مجھے داخل ہونے کا اشارہ کیا، میں اندر گیا تو فرحت و مسرت کو ضبط نہ کر سکا اور میرے جسم میں گویا بجلی کی لہر دوڑ گئی، میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی چارپائی کے سر ہانے کی جانب تکیہ لگاتے تشریف فرما ہیں، سفید دستار زیب سر ہے، ریش مبارک سفید ہے، اور آنکھوں پر چشمے لگا رکھے ہیں۔ میں نے سلام عرض کیا اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب مرحمت فرمایا اور مصافحہ کے لیے دست مبارک بڑھایا، پھر آپ کی جانب متوجہ ہوئے۔ آپ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی داہنی جانب زمین پر بیٹھے یہ رسالہ جو ترجمۃ الوداع سنار ہے تھے، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سننے میں مصروف ہو گئے اور میں چارپائی سے نیچے اقدامِ عالیہ کی جانب بیٹھ گیا، اھ

اس رڈیا میں جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس قبلۃ سینا کی طرف سماع کے لیے متوجہ ہونا اور اس بعدہ کارِ سالہ کی قرأت میں مصروف ہونا یہ اس بندہ ضعیف کے لیے شرف و امتیاز کا کافی سرمایہ ہے۔ فَلَلهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔

تصانیف

حضرت اقدس شیخ الحدیث

مولانا محمد زکریا صاحب ، مظاہر العلوم سہارنپور

☆ اردو تصانیف :

۱۔ خصائل نبویؐ شرح شامل اللام الترمذی

۲۔ حکایات صحابہؓ

۳۔ فضائل ذکر

۴۔ فضائل نماز

۵۔ فضائل قرآن مجید

۶۔ فضائل رمضان

۷۔ فضائل تبلیغ

۸۔ فضائل درود شریف

۹۔ فضائل صدقات

۱۰۔ فضائل حج

۱۱۔ تبلیغ جماعت پر چند عمومی اعتراضات اور

ان کے مفصل جوابات

۱۲۔ موت کی یاد

۱۳۔ قرآن عظیم اور جبریت تعلیم

۱۴۔ تقریر بخاری

۱۵۔ تاریخ مشائخ چشت

۱۶۔ اکابر کارمضان

۱۷۔ خوان خلیل

۱۸۔ اکابر کاسلوک احسان

۱۹۔ مکتوبات شیخ

۲۰۔ آب بیتی

۲۱۔ فتنہ مودودیت

۲۲۔ حجتہ الوداع

۲۳۔ الاعتدال فی مراتب الرجال (اسلامی سیاست)

اس کتاب میں سیاسی مسائل حاضر کے متعلق کافی

ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔ سات سوالوں کے جوابات انتہائی

سنجیدگی اور متانت سے تحریر کئے گئے ہیں۔

☆ عربی تصانیف :

۱۔ امانی الاحبار شرح معانی الآثار

۲۔ لامع القدری علی جامع البخاری

۳۔ ادجز المسالك شرح موطاء امام مالکؒ

۴۔ الکوک الذری (شرح ترمذی)

۵۔ حجتہ الوداع وجزء عمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۶۔ الابواب والاراجم للبخاری

۷۔ بذل المجهود فی شرح ابی داؤدؒ

ملنے کا پتہ : مَعْمَدُ الْخَلِيلِ الْإِسْلَامِي

بہار آباد، کراچی، پاکستان ۳۳۵/۳